اسلام

کا

وراثتی نظام

عبدالرشید غنی۔ ایم ایس سی
پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ

اسلام

کا

وراثتی نظام

عبدالرشید غنی ایم۔ایس۔سی
پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ

فہرست مضامین



پروفیسر عبدالرشید غنی ایم ایس سی

انتساب

سیّدنا حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث
ایدہ اللّٰہ تعالٰی بنصرہ العزیز اطال اللّٰہ عمرہٗ ومتّعنا بطول حیاتہٖ کی خصوصی اجازت سے حضور کا یہ ادنیٰ خادم اس تصنیف کو حضور کے اسم گرامی سے مُعَنْوَن کرتا ہے جنہوں نے

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ

کے کارناموں کو زندہ رکھنے اور حضورؓ کے مقاصد عالیہ کی تکمیل کی غرض سے فضل عمر فاؤنڈیشن کا اجرا فرمایا اور از راہ شفقت و ذرہ نوازی اس تصنیف و تدوین میں ہر مشکل مرحلہ میں اپنے اس ناچیز خادم کی راہنمائی فرمائی

فجزاہُ اللّٰہ احسن الجزاء

والسّلام
حضور کا ادنیٰ خادم
عبدالرّشید غنی
ابن
بابو عبدالغنی صاحب انبالوی مرحوم

اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا ط
فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْماً حَکِیْمًاO

(سورۃ النساء:۱۲)

تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ دادوں اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے یہ اللہ کی طرف سے فرض مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ یقیناً بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا ہے۔

(تفسیر صغیر ص109)

تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا فَاِنَّهٗ نِصُفُ الْعِلْمِ

(سنن ابن ماجہ مترجم باب الفرائض)

علم میراث خود بھی سیکھو اور لوگوں کو بھی سکھاؤ۔
کیونکہ یہ نصف علم ہے

یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اِک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیّا نکلا

(براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۷۴)

قرآن کریم کی تعلیم احکام قدرتی کا ایک آئینہ ہے

اور

قانون فطرت کی ایک عکسی تصویر!

’’آج روئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک **فرقان مجید** ہی ہے کہ جس کا کلامِ الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جس کے اصول نجات کے بالکل راستی اور وضع فطرتی پر مبنی ہیں جس کے عقائد ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو براہین قویہ ان کی صداقت پر شاہدِ ناطق ہیں جس کے احکام حق محض پر قائم ہیں جس کی تعلیمات ہر یک طرح کی آمیزش شرک اور بدعت اور مخلوق پرستی سے بکلّی پاک ہیں جس میں توحید اور تعظیم الٰہی اور کمالات حضرت عزّت کے ظاہر کرنے کے لئے انتہا کا جوش ہے جس میں یہ خوبی ہے کہ سراسر وحدانیت جنابِ الٰہی سے بھرا ہوا ہے اور کسی طرح کا دھبہ نقصان اور عیب اور نالائق صفات کا ذاتِ پاک حضرت باری تعالیٰ پر نہیں لگاتا اور کسی اعتقاد کو زبردستی تسلیم کرانا نہیں چاہتا بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی صداقت کی وجوہات پہلے دِکھلا لیتا ہے اور ہر ایک مطلب اور مدعا کو حجج اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور ہر یک اصول کی حقیقت پر دلائل واضح بیان کر کے مرتبہ یقینِ کامل اور معرفت تام تک پہنچاتا ہے اور جو جو خرابیاں اور ناپاکیاں اور خلل اور فساد لوگوں کے عقائد اور اعمال اور اقوال اور افعال میں پڑے ہوئے ہیں۔ اُن تمام مفاسد کو روشن براہین سے دور کرتا ہے اور وہ تمام آداب سکھاتا ہے کہ جن کا جاننا انسان کو انسان بننے کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہر یک فساد کی اُسی زور سے مدافعت کرتا ہے کہ جس زور سے وہ آج کل پھیلا ہوا ہے۔ اُس کی تعلیم نہایت **مستقیم اور قوی اور سلیم ہے گویا احکام قدرتی کا ایک آئینہ ہے اور قانون فطرت کی ایک عکسی تصویر ہے۔** اور بینائی دلی اور بصیرتِ قلبی کے لئے ایک آفتابِ چشم افروز ہے اور عقل کے اجمال کو تفصیل دینے والا اور اُس کے نقصان کا جبر کرنے والا ہے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ دوم ص ۹۱۔۹۲)

ایک بیش قیمت علمی تحقیق

(از قلم محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

فضل عمر فاؤنڈیشن ٹھوس علمی تحقیقات کو فروغ دینے کے لئے ہر سال جو صلائے عام دیتی ہے یہ ایک ایسا سلسلہ ہے جسے خدا کے فضل سے پہلے ہی سال پھل لگنے شروع ہو گئے۔ **ان پھلوں میں ایک خاص طور پر شیریں اور خوشنما اور معطر پھل وہ تحقیقی مضمون ہے جو برادرم مکرم پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب نے بڑی علمی کاوش اور محنت اور کرید کے بعد مرتب فرمایا اور فضل عمر فاؤنڈیشن کی خدمت میں حُسن فتح کے فیصلہ کے لئے پیش کیا۔** عنوان اس مضمون کا ''اسلام کا وراثتی نظام'' ہے۔ جب یہ مضمون مختلف اندرونی اور بیرونی مصنفین کی خدمت میں فیصلہ کے لئے پیش کیا گیا تو سب نے اسے بہت سراہا اور بعض نے تو اچھے نمبر دینے کے علاوہ غیر معمولی تعریفی کلمات اس مضمون کے حق میں لکھے۔ چنانچہ فضل عمر فاؤنڈیشن نے اس مضمون کو ایک نہایت اعلیٰ کوشش قرار دیتے ہوئے انعام کا مستحق قرار دیا اور اس قابل سمجھا کہ اگر مصنّف خود اسے طبع کروا سکیں تو طباعت کے سلسلہ میں ان کی ہر ممکن امداد کی جائے۔ یہ مضمون اب ایک خوشنما کتاب کی صورت میں چھپ کر بام پر آ گیا ہے اور ہر عاشقِ علم کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہے۔

اسلامی وراثت کے قوانین اگرچہ معدودے چند قرآنی آیات میں سمیٹ دیئے گئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ وراثت کی سینکڑوں امکانی صورتوں پر پوری طرح حاوی اور ہر پیدا ہونیوالی الجھن کا حل اپنے اندر رکھتے ہیں۔ **اس قرآنی معجزہ کا پورا لطف اُٹھانا ہر کس و ناکس کا کام نہیں اور جب تک محققین کی سالہا سال کی محنتوں کے نتائج سے استفادہ نہ کیا جائے اور اہل علم کی آنکھ سے ان مسائل کو نہ دیکھا جائے اس معجزہ کی پوری شان ایک عامی کو نظر نہیں آ سکتی۔ اس پہلو سے برادرم پروفیسر غنی صاحب کی تحقیق ایک بلند**

پایہ کوشش ہے اور مختصر قرآنی آیات کی اندرونی وسعتوں میں جھانکنے میں بہت مدد دیتی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔ اس کے علاوہ یہ ایک علمی ضرورت کی بیش قیمت کتاب ہے جو وراثت کی نہایت مشکل اور پیچیدہ امکانی صورتوں کو بھی بڑے عمدہ اور سہل طریق پر حسابی رنگ میں حل کر دیتی ہے۔

دینی علوم سے شغف رکھنے والوں نیز قانون دانوں کے پاس تو اس کا ہونا از بس ضروری ہے۔

(الفرقان ربوہ۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء)

مکرمی پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب کا مقالہ اسلام کا وراثتی نظام جواب کتاب کی صورت میں شائع ہوا ہے اسلامی فقہ کے ایک اہم حصّہ پر تفصیلی روشنی ڈالتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے نہایت محنت اور عرقریزی سے پوری تحقیقات کے بعد یہ مقالہ تیار کیا اور فضل عمر فاؤنڈیشن کے اعلامیہ کے مطابق اسے مستحق انعام قرار دیا گیا ہے۔ پروفیسر صاحب کی یہ تصنیف بہت قابلِ قدر ہے۔جس سے ہمارے قانون دان اصحاب اور دارالافتاء سے تعلّق رکھنے والے بہت فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پروفیسر صاحب کو جزاء خیر عطا فرمائے

والسلام
خاکسار
(ظفراللہ خان)
۱۱ جنوری ۱۹۷۱ء

لاہور

۱۵/ جولائی ۱۹۷۱ء

اسلام کا وراثتی نظام، مصنّفہ پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب کا مجھے جستہ جستہ مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا ہے اور میں بلا توقف یہ بات کہنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ اسلامی قانون کی ایک مشکل اور اہم شق کو فاضل مصنف نے جس محنت اور تندہی سے آسان اور عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔

اسلامی قانون وراثت کے جملہ اصولوں کا وضاحت کے ساتھ بیان اور مثالوں کے ساتھ ان کی تشریحات اور سادہ اسلوب تحریر کے باعث متعلقہ اسلامی قانون کے باب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

اسلام محض عقیدہ نہیں بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کا مدعی ہے اس لئے اس نے انسانی زندگی کے ہر قدم اور ہر موڑ کے لئے ایسے قانون وضع کر دیئے ہیں جو قوانین فطرت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہیں اور جن میں ان انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مختلف مدارج کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کی پوری طرح صلاحیت موجود ہے جن کا منتہائے مقصود ایک متوازن اور خوشحال معاشرہ کا قیام ہے جہاں انسانی اخوت اور مساوات کے بلند اصولوں پر عمل پیرائی زندگی کی کشمکشوں اور تلخیوں میں کمی پیدا کرتے ہوئے اسے خوشگوار بنا سکتی ہے۔

اسلام کا وراثتی نظام اس کے اقتصادی اور معاشرتی نظام کا ایک لازمی جزو ہے اور اسی لئے وراثتی حقوق کی ترتیب میں بھی وہی انصاف، توازن اور اعتدال کے اصول کارفرما ہیں جو ہر شعبہ زندگی میں اسلام کا طرۂ امتیاز ہیں۔ اسلامی قانون کی ہمہ گیری کا اندازہ کیجئے کہ یہ زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہے۔ اسلام نے ہی سب سے پہلے آج سے چودہ سو سال پیشتر عورت کا حق وراثت قائم کیا جس کی تقلید تہذیب یافتہ مغربی ممالک اب ضروری قرار دے رہے ہیں۔ **پروفیسر غنی نے اپنی کتاب میں یہ بات بڑی خوبصورتی سے بتائی ہے کہ اسلام کا قانون وراثت بلاشبہ ایک علمی اور حسابی معجزہ ہے** جس میں وراثت اور ترکہ کی تمام ممکنہ صورتوں کا حل موجود ہے اور اس ضمن میں کوئی ایسی گتھی نہیں جسے خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھایا نہ جا سکے۔

مجھے امید واثق ہے کہ یہ کتاب اپنی افادیت کے لحاظ سے قانونی حلقوں میں پوری طرح مقبول ہوگی۔

سجاد احمد جانؔ (جسٹس)

سپریم کورٹ پاکستان

لاہور

۱۷/جون ۱۹۷۱ء

مکرمی پروفیسر صاحب

اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ

آپ کی تصنیف ''**اِسلام کا وراثتی نظام**'' بعض بنیادی شرعی حقائق کی بہت عمدہ شرح کرتی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے ایک ایسے اہم مسئلے پر قلم اٹھایا ہے، جو اسلامی نظام معاشرت اور دراصل ہر نظام معاشرت میں قدم قدم پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ شرف اسلام کے حصّے میں آیا کہ اُس نے اِس مسئلے کا ایسا منصفانہ اور سچا حل پیش کر دیا، جس میں چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ **بلاشبہ اسلامی قانون وراثت قرآن حکیم کا عظیم الشان علمی ومعاشرتی معجزہ ہے۔ آپ نے قرآن وحدیث کے حوالوں سے اِس معجزہ کی تشریح وتفسیر ایسے منطقی اور مربوط انداز میں کی ہے کہ دل بے اختیار مرحبا اور بارک اللہ کہتا ہے۔**

مسئلہ وراثت پر بحث کرتے ہوئے آپ نے استدلال واستخراج کا عمل اس خوبی سے کیا ہے کہ کتاب کے عام قاری کو بھی اس خاص مضمون میں فقہی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے بالتفصیل ایسے واقعات کا شمار کرا دیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے مسئلہ وراثت کے کسی نہ کسی پہلو پر فیصلہ کن رائے کا اظہار فرمایا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

یہ کتاب اُردو کے علمی ذخیرہ میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ یہاں ایک دقیق مسئلہ سادہ اور سلیس عبارت میں بیان ہوا ہے اور پڑھنے والے کو بات سمجھنے میں کہیں الجھن نہیں ہوتی۔ پھر یہ موضوع ایسا ہے کہ علمی وشرعی اصطلاحات کا بکثرت استعمال ناگزیر تھا لیکن آپ نے اپنے پاکیزہ اسلوب بیان سے ہر اصطلاح کا مفہوم آئینے کی طرح صاف کر دیا ہے۔ کتاب کے وہ سب حصے جن میں علمی مباحث کی وضاحت کرنے کے لئے حسابی تفصیلات پیش کی گئی ہیں حد درجہ بصیرت افروز ہیں۔ فقط والسلام

مخلص

پروفیسر حمید احمد خان

سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی

ناظم مجلس ترقی ادب، لاہور

تعارف

اِسلام کا نظام وراثت اپنے اعتدال، توازن اور ترتیب حقوق، نیز متوفی اور ورثاء دونوں کے جذبات کے احترام کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ دنیا کا کوئی دوسرا نظام وراثت خواہ وہ مذاہب عالم کا پیش کردہ ہو یا نظریاتی حکومتوں کا مرتب کردہ، اسلامی نظام وراثت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسلامی نظام وراثت میں ہر ایک وارث کے حقوق کو ایسے حسین اعتدال کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے کہ روح انسانی وجد میں آ جاتی ہے قرآن پاک اور دین اسلام کی اصل زبان چونکہ عربی ہے اسی لئے جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ اس نظام وراثت کی بے نظیر خوبیوں سے بھی پوری طرح واقفیت حاصل نہیں کر سکتے علاوہ ازیں وارثوں کے حصوں کی تعین کا علم حساب سے گہرا تعلق ہے اور پرانا طریق حساب بڑا مشکل اور پیچیدہ نوعیت کا ہے اس لئے بھی اس نظام کے سمجھنے میں مشکل پیش آ جاتی ہے ان ہر دو مشکلات کو ہمارے عزیز بھائی محترم پروفیسر عبدالرشید صاحب غنی ایم، ایس، سی نے بڑی خوبی اور قابلیت کے ساتھ حل کیا ہے اس وقت تک اُردو میں جتنی بھی کتابیں اسلامی نظام وراثت پر لکھی گئی ہیں وہ پرانی طرز کی اور بہت ہی پیچیدہ ہیں لیکن محترم غنی صاحب نے بڑے آسان اور حسین انداز میں اس مضمون کو واضح کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فضلِ عمر فاؤنڈیشن نے آپ کی اس کتاب کو ایک ہزار روپیہ انعام کا مستحق قرار دیا ہے۔ عزیز مکرم نے نہایت پیچیدہ مسائل کو اپنی حساب دانی کی مدد سے آسان رنگ میں پیش کیا ہے اور ہر مسئلہ کو متعدد مثالوں سے حل کر کے دکھایا ہے میرے خیال میں یہ مضمون وکلاء اور جج صاحبان کے لئے بڑا مفید اور ان کے روزمرہ کے کاروبار میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔ **اس مضمون کی ترتیب، اس کے دلائل، جزیات کی تشریح بے انداز محنت سے کی گئی ہے** میں اس قابل قدر سہل المفہوم اور فائدہ بخش کتاب کا تعارف لکھتے ہوئے دلی مسرت محسوس کرتا ہوں اور اس کتاب اور نادر کوشش پر لائق مصنف کی خدمت میں مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ فشکر اللّٰہ تعالیٰ سعیہ ونفع بہ خلقہ ووسع افادتہ۔ آمین یارب العٰلمین۔

خاکسار ملک سیف الرحمٰن دارالافتاء

ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

اسلام دین فطرت ہے اس کی تعلیم فطرت کے ہر تقاضے کو باحسن طریق پورا کرتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تعلیم باری تعالیٰ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی اور باری تعالیٰ عزّ اسمہ خالقِ دو جہان ہے لہٰذا یہ تعلیم نہایت مستقیم ،قوی، قابل عمل اور قانون فطرت کی ایک عکسی تصویر ہے جس طرح عکس اپنے اصل کے ساتھ ہر جہت اور ہر لحاظ سے مطابقت رکھتا ہے بعینہٖ اسلامی تعلیم انسانی فطرت صحیحہ سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے۔ پہلے یہ فطرت کے تمام تقاضوں کو پوری طرح نمایاں کرتی ہے اور پھر ان کو احسن ترین اسلوب سے پورا کرتی ہے۔ پھر یہ تعلیم ہمہ گیر تعلیم ہے انسانی فطرت کا کوئی ایسا تقاضا نہیں یا انسان کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کے بارہ میں اسلام نے تعلیم نہ دی ہو اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے موجودہ وقت کے امام حضرت میرزا غلام احمد صاحب (قادیانی) مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:۔

''میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسانی فطرت کا پورا پورا نقشہ قرآن ہے''

(البلاغ المبین ص ۱۱)

''قرآن شریف کی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں میں سے اس کی تعلیم بھی ہے کیونکہ وہ انسانی فطرت اور انسانی مصالح کے سراسر مطابق ہے''

(خاتمہ چشمہ معرفت ص ۴۳)

سو یہ قرآن پاک ہی ہے جس کی تعلیم انسانی فطرت پر پوری اترتی ہے۔ دوسرے مذاہب والوں کی تعلیم نہ یہ تقاضے پورے کر سکتی ہے اور نہ ہی ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب عین فطرت کے مطابق ہے اور تمام دنیا کے لئے ہے یہ خوبی صرف اور صرف قرآن پاک کو حاصل ہے جو اس بات کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور اپنے اس دعوے کو براہین قاطعہ سے

ثابت بھی کرتا ہے۔

انسان کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کی تکمیل کے ذرائع کا بیان قرآن مجید میں موجود نہ ہو اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے ایسے عظیم الشان علوم رکھ دیئے ہیں جن سے ہر طالب حق رہتی دنیا تک اپنی عقل اور فہم کے مطابق حصہ لیتا رہے گا۔ دوسری کتب فطرت کے تقاضوں کو مکمل طور پر تو کیا جزوی طور پر بھی پورا نہیں کرتیں ہمیشہ ہمیش کے لئے محفوظ رہنا اور رہنمائی کرنا کجا وہ تو اپنے وقت میں بھی نہ انسانی دست برد سے بچ سکیں اور نہ بہت سے فطرتی تقاضوں اور انسانی ضروریات کے بارہ میں کسی قسم کی تعلیم پیش کر سکیں۔ یہ خوبی صرف اور صرف قرآن پاک کو ہی حاصل ہے کہ اس نے ہر زمانہ میں پیدا ہونے والی ہر الجھن اور ہر مسئلہ کا تسلی بخش حل بنی نوع انسان کو دیا۔ اور اس کی تعلیم افراط وتفریط سے مُبرّا اور ہر لحاظ سے نقطۂ وسط پر قائم ہے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۔ ’’قرآن شریف کی تعلیم جس پہلو اور جس باب میں دیکھو اپنے اندر حکیمانہ پہلو رکھتی ہے۔ افراط یا تفریط اس میں نہیں ہے بلکہ وہ نقطہ وسط پر قائم ہوئی ہے اور اسی لئے اس امت کا نام بھی اُمّۃ وّسطاً رکھا گیا ہے‘‘

(الحکم ۳۰؍اپریل ۱۹۰۳ء)

۲۔ ’’قرآن شریف میں سب باتیں موجود ہیں اوّل آخر کے لوگوں کا اس میں ذکر موجود ہے وہ معارف سے بھرا ہوا ہے اور عین اعتدال کا مذہب ہے فطرت انسانی کی ہر ایک شاخ اور ہر ایک پہلو کا علاج اس میں درج ہے‘‘۔

(تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء)

اسلام نے انسان کو زندگی کے ہر شعبہ کے بارہ میں ایک کامل اور بے مثال تعلیم دی ہے۔ جس پر اگر وہ عمل کرے تو دنیوی مشکلات سے بھی بچ جاتا ہے اور اپنے خالق و مالک کی رضا بھی حاصل کر لیتا ہے اس نے بنی نوع انسان کو ایسی اعلیٰ روحانی تعلیم پیش کی جو دوسرے مذاہب پیش نہ کر سکے۔ بہترین اقتصادی نظام دیا جو کسی اور کو نہیں ملا تھا۔ اسی طرح بہترین تمدنی و معاشرتی واخلاقی نظام دیا جو کسی اور کو نہیں ملا تھا۔ اسی طرح بہترین تمدنی و معاشرتی واخلاقی نظام پیش کئے اور بین الاقوامی تنازعات کے تصفیہ کے لئے ایسا دستور رائج کیا جس

کی بنیاد سراسر مساوات اور امن پر ہے۔

اسلام نے مذکورہ بالا نظاموں کی طرح دنیا کو ایک **نظام وراثت** بھی عطا فرمایا دوسرے مذاہب والے اس نظام کی حکیمانہ تعلیم کے بارہ میں عموماً خاموش ہیں۔ مرنے کے بعد انسان جو مال اور جائداد چھوڑ جاتا ہے اسے کیا کیا جائے؟ اسلام نے اس سوال کا ایسا پر معارف جواب دیا ہے جس کی نظیر باقی تمام مکتبہ ہائے فکر پیش نہیں کر سکتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس ضرورت کو دیکھتے ہوئے چند ایسے اصول مقرر فرما دیئے جن سے ورثاء کے درمیان ترکہ کی تقسیم نہایت منصفانہ طریق پر عمل میں آتی ہے۔ انسان جب اس دار فانی سے کوچ کر جاتا ہے تو ان چیزوں پر جنہیں وہ اپنی زندگی میں اپنی ملکیت سمجھ رہا تھا۔ اس کا کوئی تصّرف نہیں رہتا۔ اس لئے ضرورت تھی کہ یہ جائداد لازماً میت کے ورثاء میں تقسیم کی جائے۔ سو اسلام نے اس تقسیم کے لئے ایسے اصول جاری کر دیئے جن سے ہر قسم کے اختلافات اور باہمی کشمکش جن کے نتیجہ میں نسلوں تک بغض، کینہ اور دشمنی کے جراثیم جنم لیتے ہیں ختم کر دیئے اور ہر ایک وارث کو اس کا پورا پورا حق دلا کر ایک باوقار طریق سے زندگی بسر کرنے کا اہل بنا دیا۔ نیز ہر قسم کے خاندانی تنازعوں کا ہمیشہ ہمیش کے لئے قلع قمع کر دیا۔

اسلام نے ترکہ کی تقسیم کے لئے ایک ایسا کارآمد، مفید اور قابل عمل نظام وراثت رائج کیا ہے جو ہر ملک، ہر دور، ہر جگہ کے حالات پر پورا اتر سکے، غرض اسلامی قانون وراثت قرآن کریم کے علمی معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔

ایک تو اس طرح کہ یہ قانون اسلام کے بے نظیر قانونِ اقتصاد کا ایک اہم جزو ہے۔ اسلامی قانونِ اقتصاد کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ انسان کو اس کی محنت کاوش اور دماغ سوزی کے جائز ثمرات سے محروم نہیں کرتا۔ جس طرح اشتراکیت کرتی ہے اور دوسری طرف ایسے منصفانہ اصولوں پر پیداوار اور ذرائع پیداوار کو تقسیم کرتا ہے کہ ذرائع پیداوار چند ہاتھوں میں جمع نہ ہونے پائیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند انسان ذرائع پیداوار پر قابض ہو کر باقی انسانوں کو ترقی سے محروم کر دیتے ہیں۔ جن ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے وہاں یہی کچھ ہو رہا ہے انسانوں کے درمیان اس مہلک تفاوت کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو قوانین دیئے ہیں ان میں سے ایک نہایت اہم قانون

قانون وراثت ہے اس کے نتیجہ میں جائداد کی تقسیم ایسے طور پر ہوتی چلی جاتی ہے کہ ایک فرد یا خاندان دوسرے افراد یا خاندان کی ترقی میں حائل نہیں ہوسکتا اور یہ ممکن نہیں رہتا کہ کوئی طبقہ زیادہ دیر تک بغیر محنت کئے باپ دادا کی پیدا کردہ جائداد پر دادعیش دیتا رہے۔

دوسرے اس طرح کہ اس قانون میں تمام افراد کے جائز حقوق ادا کئے گئے ہیں اور کسی حقدار کو محروم نہیں رہنے دیا گیا اور خود یہ کتنا پیارا اور حکیمانہ اصول ہے کہ چونکہ رشتہ داریاں خدا تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ ہیں اس لئے حقوق وراثت بھی اسی طرف سے قائم ہوں۔ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ کس کا کتنا حق بنتا ہے۔ اگر یہ بات انسان کی عقل اور اس کے جذبات پر چھوڑی جاتی تو لازمی تھا کہ کسی نہ کسی رنگ میں اور کسی نہ کسی جگہ بے انصافی اور ظلم راہ پا جاتا پھر اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ اگر انسان اپنی طرف سے تقسیم کا کوئی طریقہ اختیار کرتے تو شکایت کا موقع پیدا ہو جاتا۔ بیٹا کہتا کہ مجھے حق سے کم ملا اور بیٹی کہتی کہ میرا حق اس سے زیادہ تھا۔ اسلام میں چونکہ حقوق اور فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں اسی لئے کسی کو شکوہ کا موقع نہیں رہتا۔ اسی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ. (النساء:۱۲)

تیسرے اس طرح کہ یہ قانون ایک علمی اور حسابی معجزہ ہے۔ ورثے کے مسائل اور صورتیں چند ایک نہیں ہزاروں ہیں بلکہ ایک لحاظ سے لا تعداد ہیں اور کسی انسان کے لئے خواہ وہ کتنا ہی بڑا حساب دان کیوں نہ ہو اور خواہ وہ اپنی ساری عمر اسی ایک مسئلہ پر صرف کر دے یہ ممکن نہیں کہ وہ ایسا عمومی قانون وضع کر سکے جو وراثت کی تمام ممکنہ صورتوں پر منطبق ہوتا ہو۔ اور تمام مسائل کا حل اس میں آ جائے۔ چہ جائیکہ ایک ایسی قوم جو حساب میں اتنی کم مایہ تھی کہ اس کے اکثر افراد بس انگلیوں پر ہی گننا جانتے تھے۔ ایسی قوم سے تعلق رکھنے والا ایک اُمّی ؐ (فداہ ابی و امی) دنیا کو ایک ایسا قانون دیا کہ تقسیم وراثت کی جتنی بھی ممکن صورتیں ہیں یا ہوسکتی ہیں وہ قانون ان سب کا حل پیش کرتا ہو۔ ایسا قانون صرف علاّم الغیوب کی طرف سے ہی مہیا کیا جا سکتا ہے جس کے علم کامل سے کوئی چیز باہر نہیں۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اگر دنیا کے سارے انسان اور مدبر اور فلاسفر اور حکیم اور حساب دان بھی مل جائیں تو قرآن کریم کی سورتوں میں سے کسی ایک سورت اور اس کی تعلیمات میں سے

کسی ایک تعلیم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔فرماتا ہے:۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ۚ

فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ؕ (الطّور:۳۴،۳۵)

یعنی کیا وہ یہ کہتے کہ یہ کلام اِس بندے (محمدؐ) نے خود بنا لیا ہے اور یہ اُس کی اپنی کاوش کا نتیجہ ہے فرمایا نہیں۔ ایسا نہیں اگر وہ قرآن پر غور کریں تو خود اپنے اعتراض کے بودے پن کو محسوس کر لیں گے اور انہیں اِس نظریہ پر کبھی اطمینان قلب حاصل نہیں ہو سکتا کہ نعوذ باللہ کسی انسان نے یہ کلام بنایا ہے اور کسی بشر کی ذہنی کاوش اور عقلی عرق ریزی کا نتیجہ ہے فرمایا اس کا ثبوت ہم یہ دیتے ہیں کہ کوشش کر کے دیکھ لیں ان کو معلوم ہو جائے گا کہ انسان کی عقلی استعدادیں قرآنی تعلیمات کے بلند معیار تک پہنچنے سے قاصر ہیں اور کوئی دانا سے دانا آدمی ساری عمر کی محنت اور کاوش کے بعد بھی کوئی ایسی علمی تحقیق پیش نہیں کر سکتا جو خدا تعالیٰ کی بیان کردہ باتوں میں سے کسی ایک کا بھی مقابلہ کر سکے۔

یہی وراثت کا مسئلہ لے لیجیئے۔ دنیا کے تمام حساب دان ملکر کوشش تو کر دیکھیں کہ قرآنی فارمولا کے سوا کوئی ایسا فارمولا دنیا کے سامنے پیش کریں جو تقسیم وراثت کی تمام ممکنہ صورتوں پر حاوی ہو۔ اسلامی قانون کی حکمتوں کو چھوڑ دیں صرف ایسی حسابی صورت پیدا کر دیں خواہ وہ کتنی ہی بے حکمت کیوں نہ ہو، لیکن اس میں صرف اتنی خوبی ہو کہ تمام ممکنہ صورتوں پر منطبق ہو سکے۔ اگر وہ اس کی کوشش کریں تو انہیں پتا چل جائے گا کہ کتنا عظیم الشان اور کتنا سچا دعویٰ تھا جو قرآن کریم نے ان الفاظ میں کیا۔

فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ؕ (الطور : ۳۵)

پس اسلام کا قانون وراثت ایک ایسا ہمہ گیر قانون ہے جو وراثت کی ہر ممکن صورت پر منطبق ہو جاتا ہے اور ترکہ کی تقسیم کے لئے ایک ایسا کارآمد، مفید اور قابل عمل نظام ہے جس کی نظیر دنیا میں اور کہیں نہیں ملتی۔ دوسرے ادیان کے مقابلہ میں اسلام کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے اور یہ قرآن پاک کا عظیم الشان اعجاز ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کو ایسا نظامِ وراثت دیا جو اُن کے ہر قسم کے مسائل اور ہر قسم کی مشکلات کا حل پیش کرتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک دنیا کے تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کی خاطر ہمیشہ ہمیش کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

سورۃ نساء میں خدا تعالیٰ نے نہایت وضاحت کے ساتھ ترکہ کی تقسیم کے بارہ میں ہدایات بیان فرمائی ہیں اور تمام ورثاء کے حصے مقرر فرما دیئے ہیں جن کی پوری پوری وضاحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے فرما دی تھی چونکہ یہ علم خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حصوں کے بارہ میں ہے اس لئے اسے **علم الفرائض** کہا جاتا ہے۔ فریضۃً کے لفظی معنے ہیں مقرر شدہ۔ طے شدہ اور فرائض اس کی جمع ہے۔ تقسیم وراثت کا قانون بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو خبردار کیا کہ ممکن ہے کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ فلاں فرد کا حصہ اتنا کیوں ہے؟ فلاں شخص کا حصہ کیوں نہیں۔ فرمایا:۔

اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا ط فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا.

(النسآء : ۱۲)

’’یعنی تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ دادوں اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہارے لئے نفع رساں ہے یہ اللہ کی طرف سے فرض مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ یقیناً بہت جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انسانی عقل اس بات کا فیصلہ نہیں کرسکتی کہ کونسی چیز اس کے لئے بہتر ہے اس تقسیم یعنی حصّوں کی حکمتوں کو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کی رہنمائی کے لئے یہ تعلیم نازل فرمائی ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سیکھنے اور لوگوں کو سکھانے کے لئے تاکید فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ نصف علم ہے بہت سے صحابہ کرامؓ نے اس علم کو خوب سیکھا اور دوسروں کو سکھلایا۔ اُن میں سے مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماہرین فن کی حیثیت رکھتے تھے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت عمر فاروق خلیفہ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (عول کا مسئلہ انہی کا ایجاد کردہ ہے)

۳۔ حضرت عثمان غنی خلیفہ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت علی مرتضٰی خلیفہ رابع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین نے بھی اس علم کو محنت سے سیکھا اور دوسروں کو سکھایا پھر ہمارے ائمہ اربعہ نے یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے سنت اور احادیث نبویہ اور اجماع امت کی روشنی میں نظامِ وراثت کے تمام مسائل کو کمال احسن بسط اور تفصیل سے منضبط کیا اور عامۃ الناس کی رہنمائی فرمائی۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بعد اُن کے نہایت قابل، ذہین شاگردانِ رشید حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ نے اس شعبۂ علم میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

موجودہ دَور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند جلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دور ہے اس لئے اس وقت ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اپنے پیارے نبی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اس علم کو خود سیکھیں اور دوسرے لوگوں کو سکھلائیں اور عملاً اسے اپنے درمیان رائج کریں اور کروائیں کیونکہ ایسا کرنے سے انسان جنت کا وارث بن جاتا ہے اور فلاح سے ہمکنار ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسی سورۃ میں فرماتا ہے۔

تِلْکَ حُدُوْدُاللّٰہِ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ط وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (سورۃ نساء آیت: ۱۴)

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں انہیں وہ ان باغوں میں جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی داخل کرے گا اور وہ اُن میں رہتے چلے جائیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

باب دوم

اسلامی احکامِ وراثت کی ابتداء

اور زمانہ جاہلیت کا ذکر

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کے زمانہ کو جس میں انتہا درجہ کے شرک و کفر اور ظلم کا دور دورہ تھا۔ زمانہ جاہلیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں گمراہی اپنے عروج پر تھی۔ طرح طرح کی بدرسوم، فسق و فجور، لوٹ مار اور قتل و غارت جاری تھی۔ انسان حیوانیت کے درجہ سے بھی نیچے جا گرا تھا۔ غلامی کی رسم اپنے جوبن پر تھی اور غلاموں سے اس قسم کا ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا جس کو پڑھ کر انسانی روح کانپ اٹھتی ہے۔ عورتوں کو وہ انسان ماننے کے لیے تیار ہی نہ تھے، ان سے نہایت بہیمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینا ان کا معمول تھا۔ کمزور لوگ طاقت والوں کے ہر قسم کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بنے رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ گمراہی اور تاریکی کے ایسے عمیق اور گھناؤنے دَور میں جب کہ زمین اپنے مکینوں (انسانوں) کے فساد سے اس قدر تنگ پڑ گئی وراثت کے منصفانہ اصول کیا ہوں گے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی قیاس ہوتا ہے کہ انسانی تمدّن کی ابتداء ہی سے کچھ نہ کچھ اصول اور طریق ایسے ہوں گے جس کے مطابق مرنے والے کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہوگا۔ جب اس نقطۂ نگاہ سے ہم اوراقِ تاریخ کو پلٹتے ہیں تو ہمیں وراثت کے بارہ میں توریت میں یہ تقسیم نظر آتی ہے۔

> ’’بنی اسرائیل سے کہہ کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اُس کا کوئی بیٹا نہ ہو تو اُس کی مِیراث اُس کی بیٹی کو دینا اگر اُس کی کوئی بیٹی بھی نہ ہو تو اس کے بھائیوں کو اُس کی میراث دینا اگر اُس کے بھائی بھی نہ ہوں تو تم اُس کی میراث اُس کے باپ کے بھائیوں کو دینا۔ اگر اُس کے باپ کا بھی کوئی بھائی نہ ہو تو جو شخص اُس کے گھرانے میں اُس کا سب سے قریبی رِشتہ دار

ہوا سے اُس کی میراث دینا وہ اس کا وارث ہوگا۔ اور یہ حکم بنی اسرائیل کے لئے جیسا خداوند نے موسیٰ کو فرمایا واجبی فرض ہوگا۔‘‘

(گنتی ۸-۱۱/ ۲۷)

زمانہ جاہلیت میں بھی وراثت کی تقسیم کے کوئی خاص مستقل قسم کے قوانین نظر نہیں آتے البتہ یہ چند طریق بعض قبائل میں رائج تھے۔

۱۔ عرب میں کہیں کہیں مشترکہ جائیداد کا رواج تھا۔ یعنی ہر قسم کی جائیداد میں خاندان کے تمام مرد برابر کے حصے دار سمجھے جاتے تھے ہر شخص کی کمائی خاندانی ملکیت شمار ہوتی تھی اور کوئی فرد خاندانی جدی جائیداد کو اپنے لئے منتقل کرنے کا مجاز نہ تھا۔ نرینہ اولاد پیدا ہوتے ہی مشترکہ خاندانی جائیداد میں برابر کی حصہ دار ہو جاتی تھی، اس جائیداد کے حصہ دار صرف خاندانی مرد ہی ہوتے تھے۔ عورتوں کا کوئی حصہ نہ ہوتا تھا۔

۲۔ کہیں یہ دستور تھا کہ باپ کی وفات کے بعد اس کا بڑا لڑکا ہی تمام جائیداد کا وارث ہوتا تھا۔ دوسرے چھوٹے لڑکے خواہ وہ جوان بھی ہوں حصہ دار نہیں ہوتے تھے اور میت کی بیوی / بیویاں اور لڑکیاں بھی سب محروم ہوتی تھیں اگر میت کی کوئی اولاد نرینہ نہ ہوتی تو پھر اس کے بھائی یعنی میت کے بچوں کے چچا اس کے وارث ہوتے تھے۔

۳۔ کہیں یہ دستور تھا کہ میت کا ترکہ خاندان کے اُن افراد (ذکور) میں برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا جو عملی لحاظ سے جنگ میں حصہ لینے کے قابل ہوں۔ ان میں میت کے بیٹے بھائی شامل ہوتے تھے۔ اس طرح کمزور افراد یعنی کم سِن بچے اور بچیاں اور بوڑھے ماں باپ محروم رہ جاتے تھے۔

۴۔ کہیں جائیداد کو عہد معاہدہ سے تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ دو اشخاص باہمی اقرار کر لیتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ایک کا قرضہ، تاوان اور قتل دوسرے کا قرضہ، تاوان اور قتل شمار ہوگا۔ جس کی ادائیگی کرنا یا بدلہ لینا زندہ رہنے والے ساتھی پر واجب ہوگا۔ اور زندہ رہنے والا مرنے والی کی جائیداد کا وارث ہوگا۔ اس طریق سے بھی میت کی تمام جائیداد اس کے ساتھی کو مل جاتی تھی اور اس کی اپنی اولاد اور قریبی رشتہ دار جائداد سے محروم رہ جاتے تھے۔ اس معاہدے کی ایک اور شکل یہ بھی تھی کہ

بعض لوگ کسی غیر کے بیٹے کو اپنے بیٹا یعنی متبنّٰی بنا لیتے تھے اور بعض اس منہ بولے بیٹے کو کل جائیداد کا وارث بنا لیتے (اگر نرینہ اولاد نہ ہو) یا اسے حقیقی بیٹوں کے برابر یا ان سے بھی زیادہ حصہ دے دیتے تھے۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے خواہ کوئی بھی صورت ہو عورت ہر حالت میں جائیداد سے محروم رہتی تھی۔ وہ اپنے والد، بھائی، خاوند اور بیٹے کی جائیداد سے بکلی محروم تھی عورت اپنے ان رشتہ داروں کی جائیداد پر غیروں کے قبضہ کو نہایت صبر سے برداشت کرتی۔ اس کے پاس سوائے آنسوؤں کے اور کچھ نہ ہوتا تھا۔

اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تو آپ نے وہاں پہنچ کر ہر مہاجر صحابی کو کسی انصاری صحابی کا بھائی بنا دیا اس طرح وہ ایک دوسرے کی جائیداد کے وارث بھی بن گئے۔

کچھ عرصہ بعد سورۂ بقرہ کی یہ آیات نازل ہوئیں جن سے رسول اکرمؐ سمجھ گئے کہ اب وراثت کے بارہ میں احکام جلد نازل ہونے والے ہیں۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَاۨ ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (آیت : ۱۸۱)

"جب تم میں سے کسی پر موت (کا وقت) آ جائے تو تم پر بشرطیکہ وہ (مرنے والا) بہت سا مال* چھوڑے۔ والدین اور قریبی رشتہ داروں کو امر معروف کی وصیت کر جانا فرض کیا گیا ہے۔ یہ بات متقیوں پر واجب ہے۔"

(تفسیر صغیر)

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَاسَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (بقرۃ : ۱۸۲)

---

* خَیْر کے معنے مطلق مال کے بھی ہوتے ہیں اور بہت سے مال کے بھی۔ اس جگہ آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالِ کثیر مراد ہے۔

’’مگر جو شخص اس وصیت کو سننے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ صرف انہی پر ہوگا جو اسے بدل دیں اللہ یقیناً خوب سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔‘‘

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے لئے امر معروف کی (یعنی احکام وراثت پر عمل کرنے کی) وصیت کرنے کو فرض قرار دیا ہے اور دوسری آیت میں موصی کی اس وصیت میں کسی قسم کی تبدیلی کے خلاف تنبیہ کی گئی ہے۔ غرض یہ ہے کہ ترکہ کی تقسیم اور وصیت احکامِ وراثت کے مطابق ہو۔ وصیت کرنے والا احکامِ وراثت کے مطابق وصیت کرے اور ترکہ تقسیم کرنے والے اس وصیت کی ایسی تشریح نہ کریں جو احکام وارثت کے خلاف ہو۔ ورنہ یہ لوگ گنہگار ہوں گے اور اس گناہ کا وبال ان پر پڑے گا۔ ان مندرجہ بالا آیات کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کبیر سورہ بقرہ حصہ دوم کے صفحہ ۳۶۵-۶۶ پر تحریر فرماتے ہیں:-

’’اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے متعلق مرنے والے کو جو وصیت کرنے کا حکم دیا ہے اس کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسی وصیت ہے جس کی تعلیم دی گئی ہے۔ جب کے شریعت نے خود احکام وراثت کو سورۃ نساء میں تفصیلاً بیان کر دیا ہے اور ان کے نزول کے بعد رشتہ داروں کے نام وصیت کرنا بے معنے بن جاتا ہے سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ وصیت کے احکام چونکہ دوسری آیات میں نازل ہو چکے ہیں اس لئے یہ آیت منسوخ ہے۔ اب اس پر عمل کی ضرورت نہیں۔ مگر ہمارے نزدیک قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ قرآنی آیات کی منسوخی کا عقیدہ محض قلّتِ تدبّر کی بنا پر ظہور میں آیا ہے جب مسلمانوں کو کسی آیات کا مفہوم پوری طرح سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ منسوخ ہے اور اس طرح کئی کئی سو آیات تک انہوں نے منسوخ قرار دے دیں .... یہی طریق انہوں نے یہاں بھی اختیار کر لیا ہے مگر اس آیت کے جو معنے ہم کرتے ہیں اگر اس کو مدنظر رکھا جائے تو یہ حکم بڑا ہی پُرحکمت نظر آتا ہے اور اسے منسوخ قرار دینے

کی کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔ درحقیقت یہاں وصیت کا لفظ صرف عام تاکید کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے والدین اور اقربین کے متعلق تو وصیت کرنے کا حکم دیا ہے۔مگر اولاد کو ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ قلبی تعلق کے لحاظ سے اولاد کا ذکر بھی ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ یہ بات بتاتی ہے کہ یہاں مال کی تقسیم کا مسئلہ بیان نہیں کیا جا رہا۔ بلکہ ایک عام تاکید کی جا رہی ہے اور اولاد کی بجائے والدین اور اقربین کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس آیت کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہ حکم جنگ اور اس کے مشابہ دوسرے حالات کے متعلق ہے چنانچہ اس سے چند آیات پہلے وَالصّٰبِرِیۡنَ فِی الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِیۡنَ الۡبَاۡسِ ؕ میں لڑائی کا ذکر آ چکا ہے۔ اس طرح آگے چل کر وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ میں پھر جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور چونکہ جنگ میں بالعموم نوجوان شامل ہوتے ہیں جن کے ہاں یا تو اولاد ہوتی ہی نہیں یا چھوٹی عمر کی ہوتی ہے۔اس لئے والدین اور اقربین کے حق میں وصیت کرنے کا حکم دیا اور اولاد کا ذکر چھوڑ دیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آ جائے یا وہ کسی ایسے خطرناک مقام کی طرف جانے لگے جہاں جانے کا نتیجہ عام حالات میں موت ہوا کرتا ہے اور پھر اس کے پاس مال کثیر بھی ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ وصیت کر دے کہ اس کی جائیداد حکم الٰہیہ کے مطابق تقسیم کی جائے تا کہ بعد میں کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو اور یہ تاکید بجائے اس کے کہ کسی اور کو کی جائے۔ اپنے رشتہ داروں کو کرے .... رہا یہ سوال کہ معروف کیا ہے؟ سو ایک تو احکامِ وراثت معروف ہیں ان پر عمل کرنے کی تاکید ہونی چاہیئے۔ دوسرے بعض حقوق ایسے ہیں جو احکام وراثت سے باہر ہیں اور جن کو قاعدہ میں تو بیان نہیں کیا گیا مگر مذہبی اور اخلاقی طور پر انہیں پسند کیا گیا ہے اور اُن کے لئے شریعت نے ۱/۳ تک وصیت کر دینے کا دروازہ کھلا رکھا

ہے مثلاً اگر وہ چاہے تو کچھ روپیہ غرباء کی بہبودی کے لئے وقف کر دے اور اُس کی اپنے رشتہ داروں کو تاکید کر جائے۔''

اسی طرح صفحہ ۳۶۸ پر حضورؓ فرماتے ہیں:-

''اگر کوئی شخص وصیت کرے اور بعد میں کوئی دوسرا شخص اس میں تغیر و تبدل کر دے تو اس صورت میں تمام تر گناہ اس شخص کی گردن پر ہوگا جس نے وصیت میں ترمیم و تنسیخ کی۔ یہ تغیر دو صورتوں میں ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ لکھانے والا تو کچھ اور لکھائے اور لکھنے والا شرارت سے کچھ اور لکھ دے یعنی لکھوانے والے کی موجودگی میں ہی اُس کے سامنے تغیر و تبدل کر دے دوسری صورت یہ ہے کہ وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد اُس میں تغیر و تبدل کر دے یعنی وصیت میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے مطابق عمل نہ کرے بلکہ اُس کے خلاف چلے۔ ان دونوں صورتوں میں اس طرح گناہ کا وبال صرف اُسی پر ہوگا جو اُسے بدل دے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ اس میں کسی قرآنی حکم کی طرف اشارہ ہے اور وہ حکم وراثت کا ہی ہے ورنہ اس کا کیا مطلب کہ بدلنے کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا وصیت کرنے والے پر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر اس وصیت کی تفصیلات شرعی نہیں تو بدلنے والے کو گناہ کیوں ہو۔ اس کے گناہ گار ہونے کا سوال تبھی ہو سکتا ہے جب کہ کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہو۔ اور وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ مرنے والا تو یہ وصیت کر جائے کہ میری جائیداد احکام اسلام کے مطابق تقسیم کی جائے، لیکن وارث اس کی وصیت پر عمل نہ کریں ایسی صورت میں وصیت کرنے والا تو گناہ سے بچ جائے گا، لیکن وصیت تبدیل کرنے والے وارث گناہ گار قرار پائیں گے۔''

حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رقم فرمودہ تفسیر سے یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ آیات اُن احکام وراثت پر (جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والے تھے) عمل کرنے کے بارہ میں ہیں اور اس کی بڑی سختی سے تاکید کی گئی ہے۔

اسی اثناء میں حضرت اوس بن ثابتؓ کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیوی اور تین بچیاں چھوڑیں۔ حضرت اوسؓ کے کارپردازوں نے زمانہ جاہلیت کے رواج کے مطابق ان کی کل جائیداد ان کے چچازاد بھائیوں کے حوالہ کر دی۔ اُن کی بیوی اور بچیاں محروم رہ گئیں۔ حضرت اوسؓ کی زوجہ محترمہ بہت گھبرائیں اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ سنایا کہ کس طرح اوسؓ کے چچازاد بھائیوں نے اُن کی تمام جائیداد پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور اب وہ خود اور اس کی بچیاں خالی ہاتھ رہ گئی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی وراثت کے بارہ میں احکام نازل فرمائے گا اس لئے آپ نے انہیں تسلی دے کر صبر سے کام لینے کا ارشاد فرمایا نیز فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) خود بھی انتظار فرماتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوٰلِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۖ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿ (النساء : ۸)

’’اور مردوں کا بھی اور عورتوں کا بھی اس مال میں سے جو اُن کے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں ایک حصہ ہے خواہ اس ترکہ میں سے تھوڑا بچا ہو یا بہت۔ یہ ایک معین حصہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔‘‘

چنانچہ اس آیت کے نزول سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ شریعت اسلامیہ نے جائیداد میں عورت کا حصہ مقرر کر دیا ہے، لیکن یہ کہ کتنا؟ اس کے لئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) منتظر تھے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوسؓ کے بھائیوں کو کہلا بھیجا کہ اوسؓ کی جائیداد کو بحفاظت رکھیں اور خدا تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کریں۔

اسی دوران میں ایک اور جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن ربیعؓ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے اور ان کی جائیداد پر بھی حسب رواج اُن کے بھائیوں نے قبضہ کرلیا اور ان کی بیوی اور دو بچیاں بالکل محروم رہ گئیں ان کی زوجہ محترمہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی تسلی دیکر صبر کرنے کو کہا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عنقریب اس کا فیصلہ فرما دیں گے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت سعدؓ کی بیوی دوبارہ حاضر ہوئیں اور اپنے حالات سنائے۔ حضور پہلے ہی تقسیم کے بارہ میں ہدایت کے منتظر تھے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:-

یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ ؕ وَ لِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ

(سورہ نساء آیت ۱۲)

اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر اولاد عورتیں ہی عورتیں ہوں جو دو سے اوپر ہوں تو ان کے لئے بھی جو کچھ اس مرنے والے نے چھوڑا ہو اس کا دو تہائی (۲/۳) مقرر ہے اور اگر ایک ہی عورت ہو تو اس کے لئے (ترکہ کا) آدھا ہے اور اگر اس مرنے والے کے اولاد ہو تو اس کے ماں باپ کے لئے یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ میں سے چھٹا حصہ مقرر ہے اور اگر اس کے اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ مقرر ہے، لیکن اس کے بھائی بہن موجود ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ مقرر ہے۔ یہ سب حصے اس کی وصیت اور اس کے قرض کی ادائیگی کے بعد ادا ہوں گے۔ (تفسیر صغیر)

سو اِس حکم کی تعمیل میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوسؓ کے بھائیوں کو کہلا بھیجا کہ اللہ تعالیٰ نے جائداد میں عورتوں کا حصہ معین طور پر مقرر فرما دیا ہے اس لئے تم ۲/۳ اوسؓ کی بچیوں کو اور ۱/۸ حصہ اس کی زوجہ کو دے دو اور باقی مال تمہارا[۱] حصہ

[۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ذوی الفروض کو حصہ دلانے کے بعد جو کچھ باقی بچا وہ میت کے قریبی رشتہ دار کو جو اس صورت میں عصبہ (میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار یعنی چچا) کو دلوایا اور ہر قسم کے دیگر طریقے منسوخ ہو گئے۔

ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے مال میں سے ۲/۳ ان کی بچیوں کو اور ۱/۸ ان کی زوجہ محترمہ کو دلوایا اور باقی مال حضرت سعدؓ کے بھائیوں کو ملا۔

دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا دن تھا جب اس روئے زمین پر عورت کو بھی مرد کی طرح جائداد میں مستقل حصہ دار قرار دیا گیا کوئی اور مذہب یا تمدن ایسی مثال نہ پیش کر سکا۔ کسی ملک یا قوم نے ترکہ میں عورت کے حق کو تسلیم نہ کیا یہ صرف اسلام ہی ہے جس نے عورتوں کو معاشرہ میں صحیح باوقار باعزت مقام دے کر انہیں ان کے حقوق عملی طور پر دلوائے۔ اور ان کی حالت کو یکسر بدل دیا۔ اس طرح ترکہ میں دوسرے متعلقہ رشتہ داروں کے حقوق معین کر کے اسلام نے بنی نوع انسان کو ایک ایسا وراثتی لائحہ عمل دیا جس کے ذریعہ ہر مستحق کو اس کا حق مل جاتا ہے ہر قسم کی خانہ جنگیاں ختم ہو جاتی ہیں اور کسی حقدار کو بھی بے سہارا نہیں چھوڑا جاتا۔ یہ احکامِ وراثت ایسے مکمل ہیں کہ ہر ملک میں، ہر قوم کے لئے اور ہر دور میں قابل عمل مفید اور بابرکت ہیں۔ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ یہ احکام اس قدر واضح اور منصفانہ ہیں کہ اس کی مثال دنیا میں اور کسی جگہ نہیں ملتی یوں معلوم ہوتا ہے کہ احکامِ وراثت کے دفتر ان چند آیات میں قلمبند کر دیئے گئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر عقل انسانی اس بات کو ماننے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ یہ احکام کسی انسانی ذہن کی کاوش کا نتیجہ نہیں ہو سکتے یقیناً یہ کسی علیم، حکیم اور احکم الحاکمین ہستی کے نازل کردہ ہیں جس نے اس قدر اختصار کے ساتھ ایسے بلیغ وحکیمانہ احکام دیئے۔ جن سے تمام حقوق باحسن طریق ادا ہو جاتے ہیں۔

دوسرے احسانوں کی طرح یہ بھی دنیا پر قرآن پاک کا ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے دوسرے ضروری نظاموں کے ساتھ ساتھ ایک صحت مند، تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والا اور ہر حال میں قابل عمل وراثتی نظام جاری فرمایا اور ان کے ایک بہت اہم بنیادی ضروری اور فطری تقاضے کو پورا فرمایا۔

باب سوم

آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبویؐ

دَرْ بَارہٗ

میراث

قرآن پاک کی اُن آیات کو اور نیز احادیث نبوی کو مع ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے جن میں احکامِ وراثت بیان ہوئے ہیں۔ یا ان کی تشریح کی گئی ہے۔

ا۔ وراثت میں عورتوں کا حق

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّاتَرَکَ لْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ لْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْكَثُرَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًاo (سورۃ نساء : آیت ۸)

''اور مردوں کا بھی اورعورتوں کا بھی اس (مال) میں سے جوان کے ماں باپ اورقریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں ایک حصہ ہے خواہ اس ترکہ میں سے تھوڑا بچا ہو۔ یا بہت۔ یہ ایک معین حصہ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔''

۲۔ غیر وارثوں کا حق

(یعنی ان رشتہ داروں کو جن کے حصے شریعت نے معین نہیں فرمائے) اور یتٰمیٰ اور مساکین کو بھی کچھ دینے کا حکم ہے۔

وَ اِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنُ فَارۡزُقُوۡهُمۡ مِنۡهُ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا۔ (سورۃ النساء آیت ۹)

''اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت (دوسرے) قرابت دار اور یتیم اور مسکین بھی آ جائیں تو اس میں سے کچھ انہیں بھی دے دو اور انہیں مناسب (اور عمدہ) باتیں کہو۔ عام طور پر حسن سلوک کے علاوہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر مرنے والے کی طرف سے غرباء کے لئے وظائف مقرر ہوں تو انہیں جاری رکھا جائے۔''

۳۔ یتیم پوتے یا بھتیجے کے متعلق خصوصاً اور دوسرے یتامیٰ کے بارے میں عموماً حالات کے مطابق ضرور کچھ نہ کچھ دینے کا تاکیدی ارشاد:۔

وَلۡیَخۡشَ الَّذِیۡنَ لَوۡ تَرَکُوۡا مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَیۡهِمۡ فَلۡیَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لۡیَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًاo (سورۃ نساء آیت ۱۰)

اور جو لوگ ڈرتے ہوں کہ اگر وہ اپنے بعد کمزور اولاد چھوڑ گئے تو اس کا کیا بنے گا۔ ان کو (دوسرے یتیموں کے متعلق بھی) اللہ کے ڈر سے کام لینا چاہئے اور چاہئے کہ وہ صاف اور سیدھی بات کہیں۔

۴۔ یتامیٰ کا مال کھانے والوں کے لئے انتباہ

ان رشتہ داروں کے لئے سخت انتباہ ہے جو اپنے خاندان کے ان یتامیٰ کی جائداد کو ضائع کر دیں جو ابھی چھوٹے ہیں اور اپنی جائداد کو بوجہ اپنی کم عمری کے سنبھال نہیں سکتے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ؕ وَسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًاo (سورۃ نساء: آیت ۱۱)

جو لوگ ظلم سے یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھرتے ہیں اور وہ یقیناً شعلہ زن آگ میں داخل ہوں گے۔

۵۔لڑکے اورلڑکی کے حصے میں نسبت

یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ

(سورۃ النساء آیت ۱۲)

اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دوعورتوں کے حصہ کے برابر ہے (یعنی بیٹے کا حصہ بیٹی سے دُگنا ہے)

۶۔اگراولادلڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں تو ان کا جائداد میں حصہ

فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَہُنَّ ثُلُثَا مَاتَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَہَا النِّصۡفُ ؕ (سورۃ نساء آیت ۱۲)

اوراگرصرف لڑکیاں ہوں جو دو یا دو سے زیادہ ہوں تو اُن کے لئے جو کچھ مرنے والے نے چھوڑا ہواس کا دوتہائی (۲/۳) مقرر ہے اوراگر میت کی صرف ایک ہی لڑکی ہوتو اس کے لئے ترکہ کا نصف (۱/۲) مقرر ہے۔

۷۔ والدین یعنی ماں اور باپ کا حصہ

الف۔ **وَلِاَبَوَیۡہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ ۚ**

(سورۃ نساء آیت ۱۲)

اگر میت کی اولاد ہوتو اس کے ماں باپ کے لئے یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے اس ترکہ میں سے چھٹا (۱/۶) حصہ مقرر ہے۔

ب۔ **فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗۤ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ ۚ** (سورۃ نساء آیت ۱۲)

اگر میت کی اولاد نہ ہواوراس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا (۱/۳) حصہ مقرر ہے۔ (باقی کا ۲/۳ والد کو مل جائے گا)

ج۔ **فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ**

اوراگر بھائی بہن موجود ہوں تو ماں کا حصہ ۱/۶ ہے۔

د۔ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ (سورہ نساء آیت ۱۲)
مذکورہ وارثوں میں حصوں کی تقسیم وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔

۸۔ ترکہ کی تقسیم

انسان کی رائے پر نہیں چھوڑی گئی بلکہ علیم وحکیم خدا تعالیٰ نے خود وارثوں کے حصے مقرر کردیئے ہیں۔

اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَاتَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (سورۃ نساء آیت ۱۳)

تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ دادوں اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہارے لئے زیادہ نفع رساں ہے یہ اللہ کی طرف سے فرض مقرر کیا گیا ہے۔ اللہ یقیناً بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

۹۔ ترکہ میں خاوند کا حصہ

الف۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَاتَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ
(سورۃ نساء آیت ۱۳)

اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ جائیں اگر ان کی اولاد نہ ہو تو ان کے ترکہ کا آدھا ($\frac{1}{2}$) حصہ تمہارا ہے۔

ب۔ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ (سورۃ نساء آیت ۱۳)
اگر ان کی اولاد موجود ہو تو جو کچھ انہوں نے چھوڑا اس کا چوتھا ($\frac{1}{4}$) حصہ تمہارا ہے۔

ج۔ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ (سورۃ نساء آیت ۱۲)
خاوند کے یہ حصے وصیت اور قرض کی ادائیگی کے بعد بچے ہوئے مال میں سے ادا ہوں گے۔

۱۰۔ بیوی کا حصہ

الف۔ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ج (سورۃ نساء آیت ۱۲)
اگر تمہارے ہاں اولاد نہ ہو تو جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اس میں سے چوتھا (۱/۴) حصہ تمہاری بیویوں کا ہے۔

ب۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ (سورہ نساء آیت ۱۲)
اور اگر تمہارے ہاں اولاد ہو تو جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اس میں سے آٹھواں (۱/۸) حصہ تمہاری بیویوں کا ہے۔

ج۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ (سورہ نساء آیت ۱۲)
یہ حصے تمہاری وصیت اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ادا ہوں گے۔

۱۱۔ مادری (اخیافی) بہن بھائیوں کا حصہ

الف۔ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ج فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ
(سورہ نساء آیت ۱۲)
اور جس مرد یا عورت کا ورثہ تقسیم کیا جاتا ہے اگر اس کا باپ نہ ہو نہ اولاد ہو اور اس کا کوئی بھائی یا بہن (ماں کی طرف سے) ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا (۱/۶) حصہ ہوگا اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تیسرے حصے میں شریک ہوں گے۔

ج۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ لا غَيْرَ مُضَآرٍّ ج وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ (سورہ نساء آیت ۱۲)
یہ حصے تمہاری وصیت اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد (بچے ہوئے مال کے لحاظ سے) ہوں گے۔ اس تقسیم میں کسی کو ضرر پہنچانا مقصود نہیں ہونا چاہئے (اور یہ) اللہ کی طرف سے تمہیں حکم دیا گیا ہے اور اللہ خوب جاننے والا (اور) بردبار ہے۔
یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جو بھی اللہ (تعالیٰ) اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے گا انعام پائے گا اور جو نافرمانی کرے گا عذاب کا مستحق ہوگا۔
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ

تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا وَ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ۝ (سورۃ نساء آیت ۱۴)

یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے انہیں وہ اُن باغوں میں جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی داخل کرے گا (اور) وہ ان میں رہتے چلے جائیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَمَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ یُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِیۡهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ۝ (نساء:۱۵)

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے آگے نکل جائے۔ اسے وہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ایک لمبے عرصہ تک رہتا چلا جائے گا اور اس کے لئے رسوا کرنے والا عذاب مقدر ہے۔

۱۲۔ عینی (حقیقی) اور علاتی (باپ کی طرف سے) بہن بھائیوں کا حصہ

یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِی الۡکَلٰلَةِ ؕ اِنِ امۡرُؤٌا هَلَکَ لَیۡسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخۡتٌ فَلَهَا نِصۡفُ مَاتَرَکَ ۚ وَهُوَ یَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنۡ کَانَتَا اثۡنَتَیۡنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّاتَرَکَ ؕ وَاِنۡ کَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ وَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ۝ (نساء:۱۷۷)

وہ تجھ سے کلالہ کے متعلق پوچھتے ہیں (اس جگہ اس کلالہ کا ذکر ہے جس کے بہن بھائی ماں اور باپ کی طرف سے ہوں یا صرف باپ کی طرف سے ہوں) ...... تو کہہ دے اللہ تمہیں کلالہ کے متعلق حکم سناتا ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے کہ اس کے اولاد نہ ہو۔ اور اس کی ایک بہن ہو تو جو کچھ اس نے چھوڑا ہو اس کا نصف اس بہن کا ہوگا اور اگر وہ بہن مر جائے اور اس کے اولاد نہ ہو تو وہ (یعنی اس کا بھائی) اس کے سب ترکہ کا وارث ہوگا اور اگر دو بہنیں ہوں تو جو کچھ اس بھائی نے چھوڑا ہو اس کا دو تہائی (۲/۳) اُن کا ہوگا۔ اور اگر وہ وارث بھائی بہنیں ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو ان میں سے مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے یہ باتیں تمہارے گمراہ ہو جانے کے خدشہ کی بناء پر بیان کرتا ہے اور اللہ ہر ایک امر کو خوب جانتا ہے۔

احکامِ وراثت کی تفسیری وتشریحی احادیث

۱۔ ترکہ پہلے اہل فرائض کے لئے پھر زیادہ قریبی رشتہ داروں کے لئے ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْحِقُوا الْفَرَآئِضَ بِاَھْلِھَا فَمَابَقٰی فَھُوَ لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ

(صحیح بخاری کتاب الفرائض)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ''میراث کو اہل فرائض پر تقسیم کردو اور جو باقی رہے وہ زیادہ قریبی مرد کا حصہ ہے'' (یہاں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچ رہے وہ عصبہ کو دینے کا حکم ہے جسے اگلے باب میں بیان کیا جائے گا۔)

۲۔ آیت میراث کا نزول

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ جَاءَ تِ امْرَأَۃُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ بِابْنَتَیْھَا مِنْ سَعْدٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) ھَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ قُتِلَ اَبُوْھُمَا مَعَکَ یَوْمَ اُحُدٍ شَھِیْدًا وَّ اِنَّ عَمَّھُمَا اَخَذَمَا لَھُمَا وَلَمْ یَدَعْ لَھُمَا مَالاً وَلَاتُنْکِحَانِ اِلَّا لَھُمَا مَالٌ ۔ قَالَ یَقْضِی اللّٰہُ فِیْ ذٰلِکَ فَنَزَلَتْ اٰیَۃُ الْمِیْرَاثِ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی عَمِّھِمَا فَقَالَ اَعْطِ ابْنَتَیْ سَعْدِ الثُّلُثَیْنِ وَاَعْطِ اُمَّھُمَا الثُّمُنَ وَمَابَقِیَ فَھُوَلَکَ

(ترمذی۔ ابواب الفرائض باب ۳)

حضرت جابر روایت کرتے ہیں کہ سعد بن ربیع کی بیوی سعد بن ربیع کی دو بیٹیوں کے ہمراہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا! یارسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دونوں لڑکیاں سعد بن ربیع کی ہیں جو اُحد کی لڑائی میں آپ کے ساتھ (کافروں سے جنگ کرتے ہوئے) شہید ہوگیا ہے۔ اب ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے اور ان (لڑکیوں) کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ مال نہ ہونے کی صورت میں ان سے کوئی نکاح بھی نہیں کرتا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔ اس معاملہ کا فیصلہ خدا تعالیٰ کرے گا۔ (صبر کرو) چنانچہ میراث کی آیت نازل ہوئی (یعنی **یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ**.........الخ آپ نے فوراً لڑکیوں کے چچا کو بلایا اور فرمایا سعد کی بیٹیوں کو ۲/۳ دو تہائی مال دے دو اور ۱/۸ لڑکیوں کی والدہ کو اور باقی جس قدر بچے وہ تیرا ہے۔

۳۔ بھانجے کو میراث کا ملنا

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ (صحیح بخاری کتاب الفرائض)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہر قوم کا بھانجہ اُن ہی میں سے ہے“ یعنی بھانجہ کو بھی ذوی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے میراث میں حصہ ملتا ہے۔

۴۔ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ

(صحیح بخاری وصحیح مسلم باب الفرائض)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان محارب کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور نہ محارب کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے۔[1]

۵۔ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوسکتا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ (سنن ابن ماجہ جلد دوم ابواب الفرائض صفحہ ۳۶۵ (۸۹۸ ح)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوسکتا۔

۶۔ کلالہ کی میراث کے بارے میں سوال اور جواب

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْکَلَالَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکْفِیْکَ مِنْ ذٰلِکَ الْاٰیَةُ الَّتِیْٓ اُنْزِلَتْ فِی الصَّیْفِ فِیْ اٰخِرِ سُوْرَةِ النِّسَآءِ. (موطا امام مالک باب الفرائض صفحہ ۶۵۱)

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کی میراث کے بارہ میں دریافت کیا آپ نے فرمایا سورۃ نساء کی آخری آیت جو کہ گرمیوں میں نازل ہوئی ہے تیرے لئے کافی ہے۔

نوٹ: کلالہ کی میراث کے بارہ میں دو آیات نازل ہوئی ہیں۔ پہلی آیت تو

وَاِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَةً (سورۃ نساء آیت ۱۳)

والی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کلالہ (مرد یا عورت) فوت ہو جائے اور والدہ کی طرف سے اس کا ایک بھائی یا بہن (یعنی اخیافی بھائی یا بہن) ہو تو اسے چھٹا (۱/۶) حصے ملے گا۔ اگر زیادہ ہوں تو یہ سب (اخیافی بہن بھائی) ایک تہائی (۱/۳) میں برابر کے شریک ہوں گے۔ دوسری آیت

یَسْتَفْتُوْنَکَ ط قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَةِ الخ (نساء:۱۷۷) ہے۔

جو گرمیوں میں نازل ہوئی تھی۔ یہاں اس کلالہ کا ذکر ہے جس کے حقیقی (عینی) یا علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی بہن موجود ہوں۔ اسی لئے انہیں باپ کا حصہ دیا گیا ہے اور وہ آپس میں عصبہ بن جاتے ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے کہ اس کے اولاد نہ ہو اور اسکی ایک بہن ہو تو جو کچھ اس نے چھوڑا ہو اس کا نصف (۱/۲) اس بہن کا ہوگا۔ اور اگر وہ بہن مر جائے اس کے اولاد نہ ہو اور اس

---

[۱] ایک ہی مذہب کے مختلف فرقے کے پیروکار ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔

کا ایک بھائی ہو وہ اس کے سب ترکہ کا وارث ہوگا اگر فوت ہونے والے بھائی کی دو بہنیں ہوں (اس کی اولاد نہ ہو) تو جو کچھ اس بھائی نے چھوڑا اس کا دو تہائی (۲/۳) اُن بہنوں کا ہوگا۔ اگر میت کے وارث بھائی بہنیں ہوں مرد (بھی) اور عورتیں بھی تو ان میں سے مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ ان دونوں آیات میں کلالہ کی دو مختلف صورتوں کا ذکر ہے پہلی آیت نمبر ۱۳ سورہ نساء میں اس کلالہ کا ذکر ہے جس کے صرف اور صرف مادری (اخیافی) بہن بھائی زندہ ہوں انہیں حسب حالات کلالہ کے ترکہ کا ۱/۶ یا ۱/۳ ملے گا۔

دوسری آیت نمبر ۱۷۷ میں اس کلالہ کا ذکر ہے جس کے حقیقی (یعنی عینی) یا علاتی (باپ کی طرف سے) بہن بھائی موجود ہوں انہیں مذکورہ بالا قواعد کے مطابق حصہ ملے گا اور اگر اس کلالہ کے حقیقی۔ علاتی بہن بھائیوں کے ساتھ ساتھ اخیافی (مادری) بہن بھائی بھی ہوں تو اخیافی کو ۱/۶ یا ۱/۳ (جو بھی صورت ہو) دے کر باقی ترکہ دو اور ایک کی نسبت سے حقیقی اور علاتی بھائیوں بہنوں میں تقسیم ہوگا۔

۷۔ دادی اور نانی کا حصہ

وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ اِذْلَمْ تَكُنْ دُوْنَهَا اُمٌّ (ابوداؤد) (مشکوۃ باب الفرائض فصل ۳)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دادی اور نانی کا چھٹا (۱/۶) حصہ مقرر ہے اگر ماں حاجب نہ ہو۔

۸۔ شرعی وارث کو اس کے حق سے زیادہ دینے سے اجتناب:

(یعنی کسی شرعی وارث کے حق میں وصیت نہیں ہوسکتی)

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى قَدْ اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ.

(ترمذی۔ ابواب الوصایا۔ باب ۴)

اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کا حق مقرر کر دیا ہے اس لئے کسی ایسے وارث کے لئے جس

کا حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے وصیت نہیں ہو سکتی۔

۹۔احکامِ وراثت سیکھنے اور سکھلانے کا تاکیدی حُکم

تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ

(سنن ابن ماجہ مترجم صفحہ ۳۵۲ جلد ۲)

علم میراث خود سیکھو دوسروں کو بھی سکھلاؤ کیونکہ یہ نصف علم ہے۔

باب چہارم

ترکہ یا میراث

تجہیز و تکفین ـــــ ادائیگی قرض ـــــ وصیت

کسی شخص کی وفات پر اس کی تمام پس ماندہ اشیاء کو ترکہ یا میراث کہتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کی جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ، یا جو کسی کے ذمہ قرض ہو سب شامل ہے البتہ ایسی اشیاء جن پر متوفی کا مالک ہونا ثابت نہیں وہ اس کی میراث یا ترکہ میں شامل نہیں ہوں گی۔

میراث کی تقسیم سے پہلے تین چیزیں مقدم ہیں۔

۱۔ تجہیز و تکفین ۲۔ ادائیگی قرض ۳۔ وصیت

متوفی کے ترکہ میں سے سب سے پہلے اس کی تجہیز و تکفین کے اخراجات ادا کئے جائیں۔ یہ یاد رہے کہ تجہیز و تکفین نہایت سادہ رنگ میں ہو اور شرعی طریقوں سے سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کی جائے۔ مسلمانوں کے بعض فرقے میت کی تجہیز و تکفین پر اس قدر رقم خرچ کر دیتے ہیں اور ایسے ایسے چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ترکہ کا بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا ہے یہ اسراف بالآخر یتیم بچوں کے حصوں پر بری طرح اثر انداز ہو کر انہیں معاشی لحاظ سے مفلوج کر دیتا ہے اور قیامت کے دن بھی یقیناً اس غلط طرز عمل کا مؤاخذہ ہوگا۔ کیونکہ یہ سب کچھ سنت نبوی اور شرعی طریقوں کے خلاف ہے۔ بلکہ اگر کوئی وارث یا قریبی رشتہ دار میت کی تجہیز و تکفین کا خرچ خود برداشت کرنا چاہے تو ورثا کی رضا مندی سے برداشت کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی متمول آدمی کسی غریب کے کفن دفن کے اخراجات ادا کرنا چاہے تو اس غریب کے وارثوں پر یہ لازم نہیں کہ وہ اس کی پیشکش کو ضرور قبول کریں وہ اسے ردّ بھی کر سکتے ہیں۔ بیوی کی تجہیز و تکفین کے اخراجات بذمہ خاوند ہیں اس کے ترکہ سے وضع نہیں ہوتے۔

اگر کوئی متوفی بہت ہی غریب اور بالکل لاوارث ہو تو اس کی تجہیز و تکفین کے

اخراجات بیت المال سے ادا ہونے چاہئیں، لیکن اگر کوئی بیت المال وغیرہ قائم نہیں تو پھر یہ رقم اہالیان محلّہ، قصبہ یا شہر سے جمع کر لی جائے اور تجہیز وتکفین کر دی جائے۔

۲۔قرض

اگر مرنے والے کے ذمہ کچھ قرض ہو تو تجہیز وتکفین کے اخراجات کے بعد جو کچھ باقی بچے اس میں سے سب سے پہلے یہ قرض ادا کیا جائے۔ جیسا کہ سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳ میں ارشاد ہے۔ سوال ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک میں تو پہلے وصیت کا ذکر ہے پھر دَیْنٍ یعنی قرض کا، لیکن عملاً پہلے قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور پھر موصی کی وصیت کو پورا کرتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے مال میں سے ہی وصیت کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے کے مال کے بارہ میں وصیت نہیں کر سکتا۔ اب اگر ایک شخص پانچ ہزار روپے چھوڑ کر فوت ہوتا ہے اور اس نے زید کا ایک ہزار روپیہ قرض بھی دینا ہے تو اصل میں اس نے اپنے پیچھے صرف چار ہزار روپے چھوڑے ہیں اور وہ ان چار ہزار روپے کے بارہ میں ہی وصیت کر سکتا تھا زید کے ایک ہزار روپے کے بارہ میں وصیت کرنے کا مجاز نہیں تھا۔ اس لئے قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے اور یہ بات سنت وحدیث سے بھی ثابت ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّكُمْ تَقْرَؤُنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْدَيْنٍ وَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَاِنَّ اَعْيَانَ بَنِى الْاُمِّ يَرِثُوْنَ دُوْنَ بَنِى الْعَلَّاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ اَخَاهُ لِاَبِيْهِ وَاُمِّهٖ دُوْنَ اَخِيْهِ لِاَبِيْهِ

(ترمذی۔ ابواب الفرائض باب ۵)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز لوگوں سے کہا کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْدَيْنٍ جس میں قرض سے پہلے وصیت کا ذکر ہے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق یہ تھا کہ آپ وصیت سے پہلے قرض کو ادا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ حقیقی بھائی ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے سوتیلے بھائی وارث نہیں ہوتے۔ اس حدیث سے

ظاہر ہے کہ وصیت پر عمل کرنے سے پہلے قرض کی ادائیگی ضروری ہے۔ ویسے بھی انسان کو اپنے قرضے اپنی زندگی میں ہی ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگنی اور پوری پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق یہ تھا کہ آپ ان اشخاص کا جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جن کے ذمہ قرضہ ہو اوران کا ترکہ اس قرضہ کی ادائیگی کا متحمل نہ ہوسکتا ہو۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَاقَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا لَافَصَلّٰى عَلَيْهِ ثُمَّ اُتِيَ بِجَنَازَةٍ اُخْرٰى فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا ثَلَا ثَةُ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا ثَـلَاثَـةُ دَنَانِيْرَ قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ اَبُوْقَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ

(صحیح بخاری کتاب حوالات)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا۔ لوگوں نے کہا حضور اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا اس پر کوئی قرض ہے لوگوں نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کیا اس نے مال چھوڑا ہے، لوگوں نے کہا کہ نہیں پھر آپ نے اس کی نماز پڑھا دی۔ اس کے بعد دوسرا جنازہ لایا گیا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی بھی نماز جنازہ پڑھا دیں آپ نے فرمایا کیا اس پر کوئی قرض ہے لوگوں نے کہا ہاں حضور آپ نے دریافت فرمایا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے لوگوں نے کہا! تین اشرفیاں پس آپ نے نماز جنازہ پڑھا دی۔ اس کے بعد تیسرا جنازہ لایا گیا اور حضور کی خدمت میں عرض کی گئی کہ حضور اس کا جنازہ پڑھا دیں آپ نے دریافت فرمایا کیا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے (لوگوں نے جواب دیا) حضور نہیں آپ نے فرمایا کیا اس کے ذمہ کچھ قرض ہے لوگوں نے کہا ہاں تین

اشرفیاں۔ آپ نے فرمایا تم لوگ خود ہی اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ لو۔ ابوقتادہ نے عرض کی یا رسول اللہ اس کے قرضہ کی ادائیگی میرے ذمہ رہی آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ اس پر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کسی ایسے مرد کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہو تو آپ پوچھتے کیا اس نے اتنا مال چھوڑا ہے جس سے قرضہ ادا کیا جا سکے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ قرضہ کی ادائیگی کے بقدر مال چھوڑا ہے تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے ورنہ صحابہؓ سے فرماتے تم اپنے دوست کی نماز جنازہ پڑھو۔ پھر جب خداوند تعالیٰ نے آپ کو فتوحات مرحمت فرمائیں تو آپ نے فرمایا میں مومنوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب کا تعلق رکھتا ہوں۔ پس جو شخص کوئی مال چھوڑے بغیر فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو۔ اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو مال وہ چھوڑے اور اس پر کوئی قرضہ نہ ہو تو یہ مال اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح مسلم مع شرح علامہ نوری صفحہ ۹۸۲)

مندرجہ بالا احادیث سے قرض کی ادائیگی کی اہمیت پر واضح روشنی پڑتی ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اسے بحالت مجبوری اگر قرض لینا پڑ ہی جائے تو قرض لیتے وقت خلوص دل سے اس کی ادائیگی کی نیت کرے اور ادائیگی کی کوشش بھی کرتا رہے کیونکہ اگر نیت صحیح ہو تو خدا تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے پورا کرنے کی توفیق دے ہی دیتا ہے جیسا کہ ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ یُرِیْدُ اَدَاءَ هَا اَدَّی اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَهَا یُرِیْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ. (صحیح بخاری کتاب الاستقراض صفحہ ۴۵۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال قرض لے اور وہ اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ اس کے ادا کرنے کے سامان کر دے گا اور جو شخص لوگوں کا مال لے اور ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ضائع کر دے گا۔

متوفی کے ترکہ سے صرف وہی قرضہ قابل ادا ہے جس کی تحریر اس کی طرف سے اس کی زندگی میں ہی لکھی ہوئی موجود ہو یا اس نے اپنی وفات سے پہلے اس قرضہ کا اقرار اپنے ورثاء کے سامنے کیا ہو یا چند معتبر لوگوں کی گواہی سے وہ قرضہ ثابت ہو جائے ورنہ ایسے قرضہ کی ادائیگی کے ورثاء ذمہ دار نہیں جس کی نہ تو تحریر ملتی ہو اور نہ ہی متوفی نے کبھی اپنی زندگی میں اس کا اقرار کیا ہو اور نہ ہی کوئی ایسے معتبر لوگ ملتے ہوں جو اس قرضہ کی گواہی دے سکیں۔

زوجہ کا حق مہر خاوند کے ذمہ ایک قرض ہوتا ہے جس کا وہ نکاح کے وقت لوگوں کے سامنے اقرار کرتا ہے اور نکاح فارم کی صورت میں فی زمانہ اس قرضہ کی تحریر بھی دی جاتی ہے اس قرضہ کی ادائیگی نہایت اہم اور ضروری ہے اس لئے چاہیئے کہ اپنی بیویوں کے حق مہر اپنی زندگی میں ہی ادا کر دیئے جائیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں حق مہر ادا نہ کر سکے تو اس کے ورثاء کو چاہیئے کہ ترکہ کی تقسیم سے پہلے اس قرضہ کی بھی ادائیگی کر دیں۔ پھر ترکہ تقسیم کروائیں۔ جیسا کہ اِن آیات سے ظاہر ہے۔

ان تمام احادیث سے عیاں ہے کہ قرضہ کی ادائیگی از بس ضروری ہے خواہ متوفی خود اپنی زندگی میں ادا کرے یا وفات کے بعد اس کے ورثاء ادا کریں اس لئے اگر ترکہ قرضہ کا کفیل ہو سکتا ہو تو پھر پہلے تمام قرضہ ادا کیا جائے بعد میں میراث تقسیم ہو۔ لیکن اگر متوفی کے ذمہ قرضہ زیادہ ہو اور اس کا ترکہ کم ہو تو اس صورت میں اس کا کل ترکہ قرض خواہوں میں قرضہ کی نسبت سے تقسیم کر دیا جائے اور جو قرضہ رہ جائے اس کو چاہے قرض خواہ معاف کر دیں چاہے آخرت پر چھوڑ دیں۔ یہ بات ایک مثال سے زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ فرض کیجئے۔

زید کے ذمہ ایک ہزار روپیہ قرض ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۵۰۰ روپے الف کے ہیں ۳۰۰ روپے ب کے اور ۲۰۰ روپے ج کے۔ زید کا ترکہ صرف ۵۰۰ روپے ہے۔ اب یہ ترکہ الف۔ ب۔ ج میں ان کے قرضوں کی رقوم کے تناسب سے تقسیم ہوگا۔ یعنی ۵۰۰ روپے الف، ب اور ج میں ۵، ۳ اور ۲ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔ اس لئے

الف کا حصہ = ۵۰۰ × ۵/۱۰ = ۲۵۰ روپے
ب کا حصہ = ۵۰۰ × ۳/۱۰ = ۱۵۰ روپے
ج کا حصہ = ۵۰۰ × ۲/۱۰ = ۱۰۰روپے

یعنی الف کو اپنے ۵۰۰ قرضہ کی بجائے ۲۵۰ ملیں گے اور ب اور ج کو ۳۰۰ اور ۲۰۰ کی بجائے بالترتیب ۱۵۰ روپے اور ۱۰۰ روپے ملیں گے۔ باقی قرضہ کی رقم جو متوفی کے ترکہ سے پوری نہ ہوسکے اس کی ادائیگی وارثوں پر قانوناً لازم نہیں ہاں اگر وہ (ورثاء) ادا کردیں تو مستحسن ضرور ہے اس لئے اگر ورثاء بآسانی قرضہ کی ادائیگی کرسکیں تو ضرور کر دینی چاہئے۔ (تا کہ مرنے والے کی گردن قرض سے آزاد ہوجائے) لیکن اگر ورثاء ادا نہ کرسکیں یا نہ کرنا چاہیں تو قرض خواہ کو اپنا قرضہ معاف کو دینا چاہئے اور اس کی جزاء کی امید خداوند کریم سے رکھے چنانچہ روایت ہے کہ ایک بہت بڑا مالدار آدمی تھا اس نے اپنے ملازموں سے کہا ہوا تھا کہ وہ جب کسی مقروض کے پاس قرض وصول کرنے کے لئے جائیں اور وہ تنگ دست ہوتو اسے مہلت دے دیا کریں اور اگر وہ ادا ہی نہ کر سکے تو معاف کر دیا کریں۔ شائد اللہ تعالیٰ ہم پر بھی رحم فرمائے جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے سوا اس کا کوئی اور نیک عمل موجود نہیں تھا۔ **اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسا تو لوگوں کو معاف کر دیا کرتا تھا ہم نے بھی تیری خطائیں معاف کیں اور وہ جنت میں داخل ہوا۔**

۳۔ تیسری چیز جو تقسیم ترکہ پر مقدم ہے وہ وصیت ہے قرآنِ پاک کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو وصیت کرنے کا ارشاد فرمایا ہے ملاحظہ ہو آیت نمبر ۱۸۱ سورۃ بقرہ:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝

جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو تم پر بشرطیکہ مرنے والا بہت سا مال چھوڑے والدین اور قریبی رشتہ داروں کو امرِ معروف کی وصیت کر جانا فرض کیا گیا ہے۔ یہ بات متقیوں پر واجب ہے اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کبیر سورۃ بقرہ جلد دوم صفحہ ۳۶۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

’’مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس وصیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی وارث کو جس کا شریعت نے حصہ مقرر کر دیا ہے اس کے حق سے زیادہ دے دے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔

اِنَّ اللہَ اَعْطٰی کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلاَ وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ (ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کا حق مقرر کر دیا ہے اس لئے کسی وارث کے لئے جس کا اللہ تعالیٰ نے حصہ مقرر کر دیا ہے۔ وصیت نہیں ہوسکتی۔ پس یہ آیت نہ منسوخ ہے اور نہ بلاضرورت۔ بہت دفعہ مرنے کے بعد ورثاء میں تقسیم مال پر جھگڑا ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ غیر رشتہ دار بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں اتنا روپیہ دینے کا اس نے وعدہ کیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی کہ مرنے والے کو وصیت کر دینی چاہئے تا کہ کوئی جھگڑا نہ ہو اور یہ سوال نہ اُٹھے کہ مرنے والے نے علاوہ رشتہ داروں کے اوروں کے حق میں بھی وصیت کی ہے اور یہ وصیت رشتہ داروں کے سامنے ہونی چاہئے۔‘‘

پس ہر قسم کے جھگڑوں اور خاندانی فتنوں سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وصیت کر دی جائے کہ ترکہ احکام شریعت اسلامیہ کے مطابق تقسیم ہو اور ایسے رشتہ داروں کے حق میں حسب حالات کچھ وصیت کر دی جائے۔ جن کے حصے معین طور پر قرآن پاک میں مقرر تو نہیں، لیکن ان کی مدد کرنا اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی طور پر واجب ہو (مثلاً یتیم پوتا، یتیم بھتیجا اور یتیم بھانجا ......) اسی طرح ترکہ کا کچھ حصہ مختلف نیک کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت کی جاسکتی ہے یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اپنی میراث سے کتنے حصہ تک کی وصیت کرسکتا ہے؟ اس بارہ میں بھی شریعت اسلامی نے نہایت احسن رنگ میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کی ہے۔ چنانچہ ذیل کی احادیث ملاحظہ ہوں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضًا اَشْفَیْتُ عَلَی الْمَوْتِ فَاَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ مَالًا کَثِیْراً اَوَّلَیْسَ یَرِثُنِیْ اِلَّا ابْنَتِیْ

اَفَاُوْصِیْ بِمَا لِیْ کُلِّہٖ قَالَ لَاقُلْتُ فَثُلُثَیْ مَالِیْ قَالَ لَاقُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ اَقُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ اِنَّکَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَآءَ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَھُمْ عَالَۃً یَّتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَاِنَّکَ لَن تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِیْ بِھَاوَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا اُجِرْتَ بِھَا حَتّٰی لُقْمَۃَ تَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ اِمْرَأَتِکَ (صحیح بخاری ومسلم)(مشکوٰۃ ربع دوم صفحہ۲۷۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ فتح مکّہ کے سال میں مَیں ایسا سخت بیمار ہوا کہ موت کے کنارے پہنچ گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس بہت سا مال ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کردوں آپ نے فرمایا نہیں میں نے عرض کیا دو تہائی مال کی وصیت کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں میں نے عرض کیا کہ آدھے مال کی وصیت کر دوں فرمایا نہیں میں نے عرض کی کیا ایک تہائی مال کی وصیت کر دوں آپ نے فرمایا ہاں تہائی مال کی۔ اور تہائی مال بھی بہت ہوتا ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو خوشحال اور مال دار چھوڑ جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تو اُن کو مفلس چھوڑے اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور تُو جو کچھ خدا کی خوشنودی اور رضا مندی کی خاطر اس کی راہ میں خرچ کرے گا۔ تجھے اس کا اجر (ضرور) دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ تجھے اس لقمہ کا بھی ثواب ملے گا جو تو اپنی بیوی کے مونہہ میں ڈالے۔ گویا ورثاء کے لئے مال چھوڑنا جب کہ رضاء الٰہی مقصود ہو یہ بھی نیکی ہے۔

۲۔ یہی حدیث یوں بھی بیان ہوئی ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ عَادَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَرِیْضٌ فَقَالَ اَوْصَیْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِکَمْ قُلْتُ بِمَالِیْ کُلِّہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ فَمَا تَرَکْتَ لِوَلَدِکَ قُلْتُ ھُمْ اَغْنِیَآءَ بِخَیْرٍ فَقَالَ اَوْصِ بِالْعُشْرِ فَمَا زِلْتُ اُنَاقِصُہٗ حَتّٰی قَالَ اَوْصِ بِالثُّلُثِ وَ الثُّلُثُ کَثِیْرٌ (مشکوٰۃ ربع دوم صفحہ۲۷۸)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میری علالت کے ایام میں رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی آپ نے دریافت فرمایا کیا تو نے وصیت کا ارادہ کیا ہے میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا کتنے مال کی۔ میں نے عرض کی خدا کی راہ میں سارے مال کی وصیت کرنے کا ارادہ ہے فرمایا۔ اپنی اولاد کے لئے تو نے کیا چھوڑا ہے میں نے عرض کی وہ مالدار ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دسویں حصہ کی وصیت کر۔ میں اس مقدار کو کم ہی سمجھتا رہا یعنی زیادہ کا اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا تہائی کی وصیت کر دے اور تہائی بھی بہت زیادہ ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام وصیت کرنے کے بارہ میں صحابہؓ کو تاکید فرمایا کرتے تھے اور کہ وصیت زیادہ سے زیادہ ترکہ کے ۱/۳ حصہ تک کی جا سکتی ہے اس سے زیادہ جائز نہیں۔ نیز یہ کہ یہ وصیت خدا تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بارہ میں ہو یا ایسے رشتہ دار یا رشتہ داروں کے حق میں ہو جن کا حصہ قرآن نے مقرر نہیں فرمایا، لیکن ان کی مدد کرنے کو پسند فرمایا ہے۔

پس شرعی وارثوں کے حق میں وصیت منع ہے اس لئے اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں اپنے کسی غیر وارث رشتہ دار کے حق میں وصیت کی ہو، لیکن کچھ عرصہ بعد حالات بدل جائیں اور جس شخص کے حق میں وصیت کی گئی تھی وہ شرعی وارث بن جائے تو پھر اس صورت میں وہ وصیت خود بخود منسوخ ہو جائے گی۔

مثلاً فرض کیجئے رفیق نامی ایک شخص کا ایک بیٹا موجود ہے اور ایک حقیقی بہن۔ رفیق نے اپنی زندگی میں وصیت کی کہ اس کی جائداد کا ۱/۶ حصہ اس کی بہن کو دیا جائے۔ (بیٹے کے ہوتے ہوئے بہن وارث نہیں ہوتی) بقضائے الٰہی رفیق کا بیٹا فوت ہو گیا تو اس صورت میں بہن شرعی وارث بن گئی اور شرعی وارث کے حق میں وصیت نہیں ہو سکتی اس لئے یہ وصیت اب خود بخود منسوخ ہو جائے گی اور بہن اپنا شرعی حصہ (۱/۲) حاصل کرے گی۔

وصیت کرتے وقت قرآن پاک کے اس ارشاد کو ضرور یاد رکھنا چاہئے۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِىٰ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ (سورة نساء آیت ۱۳)

یعنی وصیت سے کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ ایسی وصیت جس سے کسی شرعی وارث یا وارثوں کو نقصان پہنچے ممنوع ہے اور اس کا پورا کیا جانا واجب نہیں۔ اسی طرح اگر

کوئی شخص کسی ایسے کام کی وصیت کرتا ہے جس پر اس کے ترکہ کے ۱/۳ سے زائد خرچ ہوتا ہو تو اس وصیت کا پورا کرنا بھی واجب نہیں ترکہ کے ۱/۳ حصہ تک اس وصیت پر عمل کیا جا سکتا ہے یا پھر تمام ورثاء سے اجازت لے کر ثواب کی خاطر اسے پورا کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میرے ترکہ سے ۳۵۰۰۰ ہزار سے فلاں جگہ مسجد بنا دیں اور اس کی جائداد یعنی ترکہ کا ۱/۳ حصہ صرف ۳۰۰۰۰ ہزار روپے بنتا ہو تو ۳۰۰۰۰ ہزار کی رقم سے مسجد تعمیر کرا دی جائے اور اگر اس کے تمام شرعی وارث اجازت دیں تو بقیہ ۵۰۰۰ بھی ترکہ سے تعمیر مسجد پر خرچ کئے جا سکتے ہیں ورنہ ترکہ کے ۱/۳ حصہ تک کی رقم خرچ کرنے سے وصیت کی تعمیل ہو جائے گی۔

مثال

زید نے وصیت کی کہ اس کے ترکہ سے ۱۵۰۰ روپے خرچ کر کے محلّہ کی مسجد میں کنواں بنوا دیں۔ مگر اس کی وفات پر اس کے ترکہ کی مالیت بعد از ادائیگی قرضہ ۳۶۰۰ روپے ثابت ہوئی اور اس نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث چھوڑے تھے تو بیٹے اور بیٹی کا حصہ بتائیے۔

کل ترکہ	=	۳۶۰۰ روپے
ترکہ کا $\frac{۱}{۳}$	=	۱۲۰۰ روپے
وصیت	=	۱۵۰۰ روپے

چونکہ وصیت ۱/۳ سے زائد کی ہے اس لئے میت کے ورثاء بیٹا اور بیٹی کی اجازت مزید ۳۰۰ خرچ کے لئے ضروری ہے اگر یہ دونوں اس پر راضی ہوں کہ ان کے والد کی وصیت کو پورا کر دیا جائے تو پھر ترکہ سے ۱۵۰۰ روپے نکال کر کنواں بنوا دیں اور باقی ۲۱۰۰ روپے میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم کر دیں اس طرح سے بیٹے کا حصہ

= ۲۱۰۰ × ۲/۳ = ۱۴۰۰ روپے

بیٹی کا حصہ =۲۱۰۰ × ۱/۳ = ۷۰۰ روپے ہوگا۔

نوٹ:

اور اگر دونوں اجازت نہ دیں تو پھر وصیت کی تعمیل میں صرف ۱۲۰۰ روپیہ ہی خرچ کیا جا سکتا ہے اور اگر ان میں سے ایک اجازت دے تو پھر اس کے حصہ سے بقیہ ۳۰۰ لے کر

وصیت پوری کریں۔ دوسرے کو اس کا پورا شرعی حصہ دے دیں۔

اسی طرح اگر اغراض وصیت کو پورا کرنے کے بعد وصیت کردہ مال میں سے کچھ بچ جائے تو پھر وہ بقیہ رقم بھی باقی ترکہ کے ساتھ ملا کر وارثوں میں تقسیم کر دی جائے۔

اگر کوئی شخص اپنے یتیم یا مسکین رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے مثلاً ۵۰۰۰ ہزار روپے زید کے بچوں میں برابر تقسیم کر دیں اور زید کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوں تو یہ رقم (۵۰۰۰ روپے) ان بچوں میں برابر برابر تقسیم ہونی چاہئے بشرطیکہ ۵۰۰۰ کی رقم میت کے ترکہ کے ۱/۳ سے کم یا زیادہ سے زیادہ ۱/۳ کے برابر ہو۔

جس شخص کے لئے وصیت کی جائے اس کا وصیت کے وقت زندہ ہونا لازمی ہے موصی کی وفات کے وقت اس کا زندہ ہونا ضروری نہیں یا یوں سمجھ لیجئے کہ کسی وفات یافتہ شخص کے لئے وصیت جائز نہیں۔ البتہ اگر وہ شخص وصیت کئے جانے کے بعد موصی کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے تو وصیت جاری رہے گی اور جس شخص کے لئے وصیت کی گئی تھی اب اس کی جگہ اس کے وارث وصیت کے مستحق ہوں گے۔

مثال: زید نے عمر کے لئے وصیت کی کہ اس کے ترکہ سے عمر کو ۲۵۰۰ روپے دے دیئے جائیں۔ عمر اس وصیت کے دو سال بعد فوت ہو گیا اور موصی زید اس کے ایک سال بعد فوت ہوا۔ اگر زید کا ترکہ ۹۰۰۰ روپے ہو اور زید کے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں وارث ہوں تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ اس طرح اگر عمر کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہوں تو وصیت کی مالیت میں عمر کی اولاد کا حصہ بتائیے۔

زید کا حصہ = ۹۰۰۰ روپے

وصیت کی مالیت = ۲۵۰۰ (جو کہ زید کے ترکہ کے ۱/۳ سے کم ہے)

قابل تقسیم ترکہ مابین ورثاء زید = ۹۰۰۰ - ۲۵۰۰ = ۶۵۰۰ روپے

یہ ۶۵۰۰ روپے زید کے ایک بیٹے اور تین بیٹیوں میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے زید کے بیٹے کا حصہ = ۶۵۰۰ × ۲/۵ = ۲۶۰۰ روپے

زید کی ہر بیٹی کا حصہ = ۶۵۰۰ × ۱/۵ = ۱۳۰۰ روپے

وصیت کی رقم (۲۵۰۰ روپے) عمر کے ورثاء میں بطور ترکہ تقسیم ہوگی کیونکہ وہ خود

فوت ہو چکے ہیں۔ اور اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی موجود ہیں اس لئے ۲۵۰۰ روپے ان میں ۱:۲ کی نسبت سے تقسیم ہوں گے۔

عمر کے ہر بیٹے کا حصہ = ۲۵۰۰ × ۲/۵ = ۱۰۰۰ روپے

عمر کی بیٹی کا حصہ = ۲۵۰۰ × ۱/۵ = ۵۰۰ روپے

قرض اور وصیت کی بحث سے اب یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایک مقروض آدمی جس کا ترکہ اس کے قرضہ کا بمشکل متحمل ہے وصیت نہیں کر سکتا۔

اسی طرح موصی کو چاہئے کہ غیر شرعی چیزوں کے لئے یا بدرسوم کے لئے وصیت کرنے سے اجتناب کرے، لیکن اگر کوئی شخص ایسے کاموں کے بارہ میں وصیت کر بھی دے تو وارثوں پر اس کا پورا کرنا ہرگز ہرگز واجب نہیں اور انہیں اس کی تعمیل نہیں کرنی چاہئے۔

وصیت کرتے وقت موصی کا ہوش و حواس میں ہونا لازمی ہے (بہتر ہے کہ وصیت رشتہ داروں کے روبُرو کی جائے) اور وصیت پر کم از کم دو اشخاص کی شہادت ضروری ہے جو وصیت کی تصدیق کریں اور اس بات کی گواہی دیں کہ متوفی نے اپنی زندگی میں بقائمی ہوش و حواس وصیت کی تھی۔ وصیت ترکہ کے ۱/۳ حصہ تک کی جا سکتی ہے۔

اگر میت کا کسی قسم کا کوئی وارث موجود نہیں اور اس کے ذمہ کسی قسم کا قرضہ بھی نہیں تو پھر وہ کل مال کی وصیت بھی کر سکتا ہے۔ اپنی جائداد کسی غیر شخص کو بھی دے سکتا ہے اور کل جائداد فی سبیل اللہ بھی وقف کر سکتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو وصیت کی ترغیب دلاتے رہتے تھے تا کہ بعد میں ورثاء کو کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ ہو۔ چنانچہ اب ہمیں اس مقدس فریضہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور اس حدیث کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاحَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَّهٗ شَيْءٌ (يُرِيْدُ اَنْ) يُوْصِيْ فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَوَصِيَّتُهٗ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهٗ.

(بخاری کتاب الوصایا۔ نیز مسلم۔ کتاب الوصیۃ)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان کے

پاس معاملات میں یا تعلقات میں کوئی بات وصیت کے قابل ہو اسے چاہئے کہ دو راتیں گزارنے سے پہلے یعنی بہت جلد اس کے متعلق وصیت لکھ دے۔

باب پنجم

وراثتی اصطلاحات

ذوی الفروض

ذوی الفروض میت کے وہ رشتہ دار (ورثاء) ہیں جن کے حصے شریعت اسلامیہ نے مقرر کر دیئے ہیں۔ فرض کے معنے معین اور مقرر کے ہیں فروض اس کی جمع ہے۔ ذوی الفروض کے معنے ہوئے ''مقررہ حصوں والے'' یعنی ایسے وارث جن کے حصے شریعت اسلام میں مقرر شدہ ہیں۔

تجہیز و تکفین کے مصارف، قرضہ اور وصیت کی ادائیگی کے بعد متوفی کا جو ترکہ بچے اس میں سے سب سے پہلے انہیں (ذوی الفروض) کو ان کے مقرر شدہ حصوں کے مطابق مال و اسباب دیا جاتا ہے۔ ایسے وارث کل بارہ ہیں جن میں سے چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں۔ یعنی

مرد:

۱۔ باپ ۲۔ دادا ۳۔ شوہر ۴۔ اخیافی بھائی

عورتیں:

۱۔ ماں ۲۔ بیوی ۳۔ بیٹی ۴۔ حقیقی بہن ۵۔ علاتی بہن ۶۔ اخیافی (مادری) بہن ۷۔ پوتی ۸۔ دادی اور نانی

عصبات

عصبات سے مراد میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو اس کے نسب میں کسی عورت کے واسطہ کے بغیر شریک ہوں اور خود بھی ذکور ہوں۔ اس لحاظ سے بھتیجا متوفی کا عصبہ ہے کیونکہ

بھائی کا بیٹا ہے بھانجا عصبہ نہیں کیونکہ میت کی بہن کا بیٹا ہے یعنی اس کی وراثت میں عورت کا واسطہ ہے۔ اسی طرح بھتیجی عصبہ نہیں کیونکہ وہ خود عورت ہے بھانجی یا نواسی وغیرہ بھی عصبہ نہیں کیونکہ بھی عورتیں ہیں اور ان کے اور میت کے درمیان واسطہ بھی عورت کا ہے۔ البتہ اگر مرد عصبہ کے کوئی عورت بھی شامل ہو تو وہ (عورت) بھی اس مرد کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہے (اسے عصبہ بالغیر کہتے ہیں) مثلاً اگر میت کے بیٹے کے ساتھ اس کی بیٹی بھی موجود ہو تو پھر یہ بیٹی بھی بیٹے کے ساتھ (جو کہ عصبہ ہے) عصبہ بن جاتی ہے۔ اگر میت کا کوئی بیٹا نہیں تو پھر اس کی بیٹی یا بیٹیاں بھی عصبہ نہیں بنیں گی بلکہ بمطابق حالات اپنا مقررہ حصہ حاصل کریں گی اور ذوی الفروض میں شمار ہوں گی۔ **ترکہ میں عصبات کا کوئی معین حصہ مقرر نہیں بلکہ ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے وہ عصبات حاصل کرتے ہیں۔** ان کا تفصیلی ذکر اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

ذوی الارحام

ذوی الارحام میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا تعلق میت سے کسی عورت کے واسطہ سے ہو یا وہ خود ایسی عورت یا عورتیں ہوں جو ذوی الفروض میں یا عصبات میں شامل نہ ہو سکیں۔ گویا میت کے وہ تمام نسلی قرابت دار جو نہ ذوی الفروض میں شامل ہوں اور نہ عصبات میں۔ ذوی الارحام کہلاتے ہیں۔ مثلاً نواسہ، بھانجا، نواسی، بھانجی، پھوپھی، بھتیجی وغیرہ سب ذوی الارحام ہیں۔ ان کے اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ ہے یا پھر وہ خود عورتیں ہیں یا ان میں سے بعض میں دونوں شرطیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی واسطہ بھی عورت کا ہے اور خود بھی عورتیں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی ذوی الفروض یا عصبات میں شامل نہیں۔

لیکن بیٹی، پوتی، بہنیں بے شک بذات خود تو عورتیں ہیں، لیکن ذوی الارحام نہیں کیونکہ حسب حالات یہ سب یا تو ذوی الفروض میں شامل ہو جاتی ہیں یا عصبات میں۔

ا۔ شریعت اسلام میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ مقرر یا معین نہیں ہے۔ یہ لوگ میت کی جائداد کے اس وقت وارث بنتے ہیں۔ جب نہ تو میت کے ذوی الفروض میں سے کوئی زندہ ہوں اور نہ ہی عصبات میں سے، البتہ اگر ذوی الفروض میں سے صرف خاوند یا

بیوی زندہ ہوں اور کوئی ایسا رشتہ دار زندہ نہ ہو جو عصبہ ہو تو خاوند یا بیوی کو اس کا مقررہ حصہ دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ ذوی الارحام کو دیا جاتا ہے۔ کیونکہ مسئلہ ردّ کی صورت میں (جس کا ذکر آگے آئے گا) خاوند یا بیوی کو ان کے مقررہ حصہ کے علاوہ قابل ردّ مال میں سے اور کچھ نہیں دیا جاتا۔ مختصراً یاد رکھیئے کہ خاوند یا بیوی باوجود ذوی الفروض ہونے کے ذوی الارحام کی توریث میں مانع نہیں ہوتے۔ جبکہ وہ متوفی کے تنہا وارث ہوں۔ ذوی الارحام کی تفصیل اور ان کی اقسام باب ہشتم میں ملاحظہ فرمائیے۔

جدّ صحیح

اس سے مراد وہ وارث مرد ہیں کہ ان کے اور متوفی کے درمیان کوئی عورت واسطہ نہ ہو۔ مثلاً دادا، پڑدادا، سکڑ دادا، علیٰ ہذا القیاس۔ (اس سلسلہ کے تمام دادا اجداد صحیح کہلاتے ہیں)

جدّ فاسد

اس سے وہ وارث از قسم ذکور مراد ہیں کہ ان کے اور متوفی کے درمیان کوئی عورت واسطہ ہو مثلاً نانا، پڑنانا، سکڑنانا علیٰ ہذا القیاس۔ (اس سلسلہ کے تمام نانا اجداد فاسد کہلاتے ہیں)

جدہ صحیحہ

اس سے مراد وہ وارث عورتیں ہیں کہ ان کے اور متوفی کے درمیان کوئی جدّ فاسد واسط نہ ہو۔ مثلاً دادی، نانی، پڑدادی، پڑنانی سکڑ دادی وغیرہ۔

جدۂ فاسدہ

اس سے مرادہ وہ وارث عورتیں ہیں کہ ان کے اور متوفی کے درمیان کوئی جدّ فاسد داخل ہو۔ مثلاً نانا کی ماں، جدۂ فاسدہ ہے۔

جدّ فاسد اور جدۂ فاسدہ کی تعریف میں عورت کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جدّ فاسدہ اور جدہ فاسد تمام ذوی الارحام میں شامل ہوتے ہیں۔

غرض مسلمان متوفی کی متروکہ جائداد میں سے مصارف تجہیز و تکفین قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد سب سے پہلے ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اگر کچھ بچ رہے تو وہ عصبات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس طرح ذوی الفروض اور عصبات کی موجودگی میں ذوی الارحام کو متوفی کے ترکہ سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ البتہ صرف اور صرف ایک صورت ہے جس میں ذوی الفروض کے ساتھ ذوی الارحام کو بھی حصہ مل جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عصبات میں سے کوئی فرد موجود نہ ہو۔ اور ذوی الفروض میں سے صرف متوفی کی زوجہ یا متوفیہ کا خاوند زندہ ہو۔ ان تمام صورتوں کو آسان اور عام فہم امثال سے واضح کیا جاتا ہے۔

مثال نمبر ا:

ایک متوفیہ نے والدہ، دو اخیافی بہنیں اور شوہر وارث چھوڑے۔ اگر اس کا ترکہ بعد از ادائیگی وصیت وغیرہ ۶۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

حل: متوفیہ کے تمام وارث والدہ، اخیافی بہنیں اور شوہر ذوی الفروض ہیں۔

اس لئے والدہ کا حصہ = ۱/۶

خاوند کا حصہ = ۱/۲

دو اخیافی بہنوں کا حصہ = ۱/۳

اس طرح ذوی الفروض کا کل حصہ = $\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۲} + \frac{۱}{۳}$

$= \frac{۲+۳+۱}{۶} = ۱$

(یعنی پوری جائداد ذوی الفروض میں ہی تقسیم ہوگئی)

۶۰۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۶۰۰۰ × ۱/۶ = ۱۰۰۰ روپے

۶۰۰۰ روپے میں ہر اخیافی بہن کا حصہ = ۶۰۰۰ × ۱/۶ = ۱۰۰۰ روپے

۶۰۰۰ روپے میں خاوند کا حصہ = ۶۰۰۰ × ۳/۶ = ۳۰۰۰ روپے

نوٹ: اگر والدہ اخیافی بہنوں اور شوہر کے ساتھ اس متوفیہ کا کوئی بھتیجا یا چچا وغیرہ بھی ہوتے جن کا شمار عصبات میں ہوتا ہے تو وہ محروم رہتے۔ کیونکہ جائداد ذوی الفروض میں تقسیم

ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور باقی کچھ نہیں بچتا۔ اگر ذوی الفروض کو دینے کے بعد کچھ بچتا تو وہ عصبہ کو ملتا ہے۔اس مثال میں کچھ بچتا ہی نہیں۔اس لئے بھتیجا یا چچا جو بھی موجود ہو محروم رہے گا۔

مثال نمبر۲:

ایک متوفی نے زوجہ، دو بیٹیاں، والدہ اور ایک بھائی چھوڑا۔ بعد منہائی ضروری مصارف و ادائیگی وصیت و قرضہ اگر اس کی جائداد ۲۴۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

حل: زوجہ، دو بیٹیاں، والدہ ذوی الفروض ہیں اور بھائی عصبہ ہے۔

اس لئے ذوی الفروض کے حصے یہ ہوں گے۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳ ہر ایک کا حصہ ۱/۳

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = $۱ - \left(\frac{۱}{۸} + \frac{۲}{۳} + \frac{۱}{۶}\right) = ۱ - \frac{۳+۱۶+۴}{۲۴} = ۱ - \frac{۲۳}{۲۴} = \frac{۱}{۲۴}$ حصہ

ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو یہ (۱/۲۴ حصہ) بچا ہے یہ عصبہ کا حصہ ہے اور بھائی کو ملے گا جو عصبہ ہے۔

اس لئے ۲۴۰۰ روپے میں بیوی کا حصہ = ۲۴۰۰ × ۱/۸ = ۳۰۰ روپے

اس لئے ۲۴۰۰ روپے میں ایک بیٹی کا حصہ = ۲۴۰۰ × ۱/۳ = ۸۰۰ روپے

اس لئے ۲۴۰۰ روپے میں دوسری بیٹی کا حصہ = ۲۴۰۰ × ۱/۳ = ۸۰۰ روپے

اس لئے ۲۴۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۲۴۰۰ × ۱/۶ = ۴۰۰ روپے

اس لئے ۲۴۰۰ روپے میں بھائی کا حصہ = ۲۴۰۰ × ۱/۲۴ = ۱۰۰ روپے

مثال نمبر۳:

ایک متوفی نے اپنے پیچھے ۴ بھانجے ۵ لڑکے اور ۴ لڑکیاں چھوڑیں۔ اگر اس کا ترکہ بعد منہائی ضروری مصارف وادائیگی وصیت وغیرہ ۱۴۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

اس مثال میں لڑکے اور لڑکیاں عصبات میں شامل ہیں۔ بھانجے ذوی الارحام ہیں۔عصبات کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملا کرتا یعنی یہ (ذوی الارحام)

محروم رہتے ہیں اس لئے جائداد تمام کی تمام عصبات میں تقسیم ہو گی اس طرح کہ ہر لڑکے کو لڑکی سے دگنا حصہ ملے یا یوں سمجھئے کہ حصوں کے لحاظ سے ایک لڑکا دو لڑکیوں کے برابر ہوتا ہے۔اس طرح اس جائداد کے کل ۱۴ سہام (حصے) ہوں گے جن میں سے ہر لڑکے کو دو سہام اور ہر لڑکی کو ایک سہم ملے گا۔

اس لئے ۱۴۰۰ روپے میں ہر ایک لڑکے کا حصہ = ۱۴۰۰ × ۲/۱۴ = ۲۰۰ روپے

۱۴۰۰ روپے میں ہر ایک لڑکی کا حصہ = ۱۴۰۰ × ۱/۱۴ = ۱۰۰ روپے

نوٹ: اگر کسی متوفی کے تمام ورثاء صرف ذوی الفروض ہی ہوں (اور عصبہ کوئی نہ ہو) تو اُن کو اُن کے مقررہ حصے دینے کے بعد اگر کچھ باقی بچ جاوے تو وہ بھی ان ذوی الفروض کے درمیان ان کے شرعی حصوں کی نسبت کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جاتا ہے (ماسوائے زوج یا زوجہ کے جنہیں قابل ردّ مال میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا) مسئلہ ردّ کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ البتہ اگر والد بھی زندہ ہو جو ذوی الفروض میں شامل ہے اور تمام ذوی الفروض کو (بشمول والد) اُن کے مقررہ حصے دینے کے بعد کچھ ترکہ بچ رہے۔تو پھر والد (اپنے مقررہ حصے کے علاوہ) باقی بچا ہوا ترکہ بھی بطور عصبہ حاصل کرے گا۔ زوج اور زوجہ کے ساتھ اگر والد کے علاوہ متوفی کا کوئی عصبہ ہو تو باقی ماندہ تمام ترکہ اس کا حق ہے۔ہاں اگر زوج یا زوجہ کے ساتھ (والد کے بغیر) ایک سے زیادہ ذوی الفروض موجود ہوں تو باقی ماندہ ترکہ ان ورثاء میں ان کے حصوں کے تناسب کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جائے گا، لیکن اگر زوج یا زوجہ کے ساتھ کوئی دوسرا ذوی الفروض یا عصبہ موجود نہیں۔ ذوی الارحام میں سے کوئی وارث موجود ہے تب زوج یا زوجہ کا حصہ نکالنے کے بعد باقی ماندہ ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ گویا ذوی الفروض کی موجودگی میں ذوی الارحام کو صرف اسی صورت میں حصہ مل سکتا ہے جبکہ متوفی کا وارث صرف زوج یا زوجہ ہو اور دوسر کوئی ذوی الفروض یا عصبہ موجود نہ ہو۔

مثال نمبر ۴:

ایک متوفی نے زوجہ، دو نواسے اور تین نواسیاں چھوڑیں اگر اس کا ترکہ قابل تقسیم مابین ورثاء ۸۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتائیے؟

حل: زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی = ۱ - ۱/۸ = ۷/۸ یہ ۷/۸ حصہ نواسے اور نواسیوں میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا اس لئے

ایک نواسے کا حصہ = ۷/۸ × ۲/۷ = ۲/۸

ایک نواسی کا حصہ = ۷/۸ × ۱/۷ = ۱/۸

۸۰۰۰ روپے میں بیوی کا حصہ = ۸۰۰۰ × ۱/۸ = ۱۰۰۰ روپے

ہر ایک نواسے کا حصہ = ۸۰۰۰ × ۲/۸ = ۲۰۰۰ روپے

ہر ایک نواسی کا حصہ = ۸۰۰۰ × ۱/۸ = ۱۰۰۰ روپے

اس طرح زوجہ کو ایک ہزار دو نواسوں کو چار ہزار اور تین نواسیوں کو تین ہزار روپے ملے۔

موانع میراث

خداوند تعالیٰ نے جو حکیم اور علیم ہستی ہے افراد کی ضروریات کے مدّنظر اور اُن کی بھلائی اور بہبودی کی خاطر متوفی کے ترکہ میں مختلف حالات میں اس کے ورثاء کے مختلف حصے مقرر فرمائے ہیں۔ جن کی بناء متوفی کے ساتھ ان کے تعلق اور رشتہ داری پر ہے۔ اب اگر کسی وجہ سے ان تعلقات پر کوئی زد پڑے تو پھر لازماً ایسا وارث جو اس زد کا باعث ہوا اپنے حصہ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایسے اسباب یا امور جن کی وجہ سے وارث میراث سے محروم ہو جاتا ہے انہیں موانع میراث کہتے ہیں۔ یہ چار[۱] ہیں۔

۱۔ مورث کا قتل

۲۔ غلامی

۳۔ اختلاف مذہب یا دین

۴۔ موت کے وقت کا معلوم نہ ہوسکنا۔ یعنی جہل ترتیب موت۔ کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں۔

۱۔ مورث کا قتل

---

۱ بعض نے ۹ مانع میراث بیان کئے ہیں اور بعض نے پانچ

قاتل اپنے مقتول کے مال کا وارث نہیں ہوتا۔ خواہ ایسا قاتل ذوی الفروض میں شمار ہوتا ہو یا عصبات میں یا ذوی الارحام میں۔ چنانچہ مروی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَاتِلُ لَایَرِثُ.

(ترمذی۔ ابواب الفرائض باب ۱۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

''کہ قاتل مقتول کے مال کا وارث نہیں ہوتا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بالغ وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو پھر وہ (وارث) ترکہ سے بالکل محروم کر دیا جاتا ہے۔ یہاں قتل سے مراد وہ قتل ہے جس سے کفارہ یا قصاص لازم آئے۔ اوراس کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ قتل عمد: (قتل بالارادہ) وہ قتل ہے جو جان سے مار ڈالنے کے ارادہ سے ہو۔ خواہ کسی بھی ہتھیار سے کیا جائے۔ مثلاً تلوار، بندوق، پستول، کلہاڑی وغیرہ سے۔

ب۔ قتل شبہ عمد: وہ قتل جو ہو تو جان سے مار ڈالنے کے ارادہ سے مگر کسی ایسی چیز کے ذریعہ سے ہو جو ہتھیاروں Weapons میں شمار نہ ہوتی ہو۔ مثلاً لاٹھی وغیرہ۔

ج۔ قتل خطاء: وہ قتل ہے جس میں قتل کی نیت نہ ہو۔ مثلاً غلطی سے بندوق کی صفائی کرتے وقت گولی کا چل جانا یا کسی شکار کو نشانہ بنانا، کسی غلطی سے کسی مورث کا مر جانا۔ قتل عمد کی صورت میں قصاص لازم آتا ہے۔ باقی دو میں کفارہ۔

نوٹ:۔ قتل شبہ خطا اور قتل بسبب (جو قتل شبہ میں ہی شامل ہے) مانع میراث نہیں۔ قتل بسبب یہ ہے کہ جیسے کسی شخص نے دوسرے شخص کی زمین میں کوئی گڑھا کھودا اور اس گڑھے میں اس کا کوئی مورث گر کر مر گیا۔ یہ قتل بسبب ہوگا۔ جو مانع میراث نہیں کیونکہ نہ اس میں قصاص واجب ہے اور نہ ہی کفارہ۔ البتہ اگر کوئی ظالم باپ اپنے بیٹے کو عمداً مار ڈالے تو اگرچہ شرعاً اس کا قصاص نہیں ہے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لَایُقْتَلُ الْوَالِدُ بِوَلَدِہٖ

لیکن حضور کے دوسرے ارشادات کی روشنی میں ایسا باپ اپنے بیٹے کی میراث سے محروم رہے گا۔

۲۔غلامی

فی زمانہ تو بظاہر کہیں غلامی کا رواج نہیں ، لیکن اگر کسی جگہ ہو یا آئندہ کہیں پیدا ہو جائے تو چونکہ غلام کی اپنی ملکیت تو ہوتی نہیں ۔ کہیں سے اس کو کچھ ملے تو وہ بھی اس کے مالک کی ملکیت بن جاتا ہے۔ اس لئے اس کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جائے تو متوفی کے مال میں سے غلام کو میراث نہ ملے گی ۔ کیونکہ اگر کسی غلام کو ترکہ کا حصہ دلایا جائے تو وہ اس غلام کے مالک کو مل جائے گا۔ گویا یہ مال ایسے شخص کو پہنچ جائے گا جو کسی لحاظ سے بھی اس مال کا قطعاً حقدار نہ تھا۔ اسی طرح اگر کوئی غلام فوت ہو جائے تو اس کی وفات پر اس کے رشتہ داروں کو اس لئے کچھ نہیں ملتا کہ غلام کی اپنی ملکیت کچھ بھی نہیں ہوتی ۔ لہٰذا غلامی بھی مانع میراث ہے۔

۳۔اختلاف دین (مذہب کا مختلف ہونا)

حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمٰعِیْلَ حَمَّادٌ عَنْ حَبِیْبٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرٍو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی.

(سنن ابی داؤد کتاب الفرائض جلد دوم)

موسیٰ بن اسماعیل، حماد نے حبیب معلم سے اس نے عمرو بن شعیب سے اس نے اپنے والد سے اور اس نے اپنے دادا (حضرت) عبداللہؓ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مختلف مذہب رکھنے والے (جو محارب ہوں) ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے یعنی اگر مورث اور وارث کے مذہب مختلف ہوں (اور حربی کیفیت رکھتے ہوں) تو وارث کو مورث کی جائداد سے حصہ نہیں ملتا۔

نوٹ: حضور علیہ السّلام نے جس ماحول میں یہ ارشاد فرمایا اُس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں اختلاف دین سے مراد صاف طور پر ایک کا مسلم اور دوسرے کا حربی غیر مسلم ہونا ہے،

لیکن ہمارے بعض کوتاہ اندیش اور متعصب قسم کے مولویوں نے اس حدیث کو اسلام میں ہی مسلمانوں پر چسپاں کر دیا۔ اور اختلاف دین سے مراد انہوں نے اختلاف جماعت یا فرقہ لے کر ایک فرقے کے ممبروں کو دوسرے فرقے کے ممبروں کی میراث سے محروم کرنے کا فتوے' صادر کر دیا۔ حالانکہ ایک مسلمان کہلانے والا وارث اپنے مسلمان کہلانے والے مورث کی جائداد سے کس طرح محروم ہوسکتا ہے اگر وہ کچھ بھی صحیح سوچتے تو انہیں علم ہو جاتا کہ یہاں اختلافِ دین سے مراد عناد کی حد تک بڑھا ہوا اختلاف مذہب ہے نہ کہ اختلاف فرقہ اہل السنّت والجماعت شعیہ، شافعی، حنبلی، دیوبندی، چکڑالوی اور احمدی یہ تمام مذہب اسلام کے مختلف فرقے یا جماعتیں ہیں۔ یہ مذاہب (یا ادیان) نہیں۔ اس لئے مذہب اسلام کے ان فرقوں کے پیروکار ایک دوسرے کی میراث کے حق سے اس حدیث کی رُو سے ہرگز ہرگز محروم نہیں کئے جاسکتے۔

۴۔ موت کے وقت کا معلوم نہ ہونا

میراث سے محروم ہونے کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگوں کی وفات بیک وقت ہوا اور ان کی موت کے بارہ میں یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں ایسے حالات حادثات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک باپ مع اپنی بیوی دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے کشتی کے ذریعہ دریا پار کر رہا تھا کہ اچانک کشتی الٹ گئی اور وہ تمام غرق ہو گئے چونکہ یہ سب ایک ساتھ ہی دریا میں جا گرے اس لئے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں۔ اسی طرح فرض کرو کہ ایک ہی خاندان کے کچھ افراد جو ایک ہی کمرہ میں تھے اچانک اس کمرہ کی چھت گرنے سے ایک ساتھ ہی فوت ہو گئے ان حالات میں ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ گویا یہ تمام لوگ ایک ہی ساتھ وفات پا گئے ہیں۔ پس ایسے وفات یافتہ لوگوں میں سے کوئی شخص بھی کسی دوسرے شخص کا وارث نہیں ہوگا۔ لہٰذا وقتِ موت کا معلوم نہ ہوسکنا بھی مانع میراث ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ وہ حادثہ میں شامل بعض اشخاص سے بعد میں فوت ہوا ہے تو وہ اپنے سے پہلے فوت ہونے والے افراد کے موجودہ ورثاء میں شامل ہوگا۔ جن میں تمام ترکہ بعد منہائی ضروری

مصارف وادائیگی دین و وصیت بمطابق احکام شریعت تقسیم ہوگا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِّنْ عُلَمَآئِهِمْ اَنَّهٗ لَمْ يَتَوَارَثْ مَنْ قُتِلَ يَوْمَ الْجَمَلِ وَيَوْمَ صِفِّيْنٍ وَّ يَوْمَ الْحَرَّةِ ثُمَّ كَانَ يَوْمَ قُدَيْدٍ فَلَمْ يُوْرَث اَحَدٌ مِّنْهُمْ مِّنْ صَاحِبِهٖ شَيْئًا اِلَّا مِنْ عُلِمَ اَنَّهٗ قُتِلَ قَبْلَ صَاحِبِهٖ (موطا امام مالک کتاب الفرائض)

ربیعہ بن عبدالرحمٰن اور بعض علماء سے مروی ہے کہ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ حرّہ میں جو لوگ قتل ہوئے انہیں دوسرے کے ورثاء میں شریک نہیں کیا گیا تھا۔ پھر جنگ قدید ہوئی تب بھی (اِس جنگ میں مرنے والوں میں سے) کوئی شخص اپنے (مرنے والے) ساتھی کا وارث نہ بنایا گیا۔ سوائے اس شخص کے جس کے متعلق معلوم ہو گیا ک وہ اپنے ساتھی (وارث) سے پہلے قتل ہوا تھا۔ یعنی ایسے مقتول کا کوئی وارث اگر ان جنگوں میں شامل تھا اور یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ وارث اپنے مورث سے بعد قتل ہوا تو اسے مقتول مورث کے ترکہ میں اپنے حصہ دیا گیا۔

مثال:

ایک شخص محمد نعیم کے رشتہ داروں میں والدہ، چار بیٹے، دو پوتے دو بیٹیاں اور ایک زوجہ موجود ہیں۔ محمد نعیم مع اپنی بیوی اور دو بیٹوں محمد کریم اور محمد سلیم کے دریا پار کر کے اپنے سُسرال جانا چاہتا ہے۔ دو بیٹے محمد وسیم اور محمد حلیم اور دو پوتے محمد ادریس ابن محمد کریم اور محمد لقمان ابن محمد سلیم اور دو بیٹیاں اپنی والدہ کے پاس چھوڑ جاتا ہے۔ اچانک دوران سفر دریا میں حادثہ پیش آ جانے سے محمد نعیم اس کی زوجہ اور دونو بیٹے محمد کریم اور محمد سلیم فوت ہو گئے۔ اب محمد نعیم کی بیوی اور یہ دونوں بیٹے محمد نعیم کے ترکہ میں وارث نہیں ہوں گے۔

محمد نعیم

محمد کریم　　محمد سلیم　　محمد وسیم　　محمد حلیم　　رقیہ　　زنیب

محمد ادریس　　محمد لقمان

اور ترکہ اب نعیم کی والدہ، دو بیٹوں (محمد سلیم اور محمد حلیم) اور دو بیٹیوں (رقیہ اور زینب) میں

تقسیم ہو گا۔

نعیم کی والدہ کا حصہ　　=۱/۶ باقی =۱ - $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۵}{۶}$

یہ ۵/۶ حصہ عصبات یعنی دونو بیٹوں اور دونو بیٹیوں میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔اس لئے محمد وسیم محمد حلیم میں سے ہر ایک کا حصہ = $\frac{۵}{۶}$ × $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۵}{۳۶}$

محمد ادریس اور محمد لقمان جو متوفی محمد نعیم کے پوتے ہیں اپنے دادا کی میراث سے محروم رہیں گے البتہ اپنے اپنے والد محمد کریم اور محمد سلیم کے ترکہ کے وارث ہوں گے۔

نوٹ: بعض اماموںؒ اور دوسرے مصنفوں نے اختلافِ دارین کو بھی مانع وراثت قرار دیا ہے یعنی مختلف مما لک میں رہائش رکھنے والے ورثاء اپنے مورث کے ترکہ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ اِختلافِ دارین کو مطلقاً مانع میراث قرار نہیں دیتے۔ دراصل اِختلافِ مما لک کوئی مانع میراث نہیں۔ جائداد کا حصہ وارث کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں بآسانی پہنچایا جا سکتا ہے۔سوائے اس کے کہ متعلقہ مما لک میں ہر قسم کے سفارتی تعلقات ختم ہو چکے ہوں اور وہ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوں،لیکن بظاہر آج کل ایسی صورتِ حالات کہیں نظر نہیں آتی کیونکہ دنیا اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں ایک خاندان کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ وہ زمانہ گیا جبکہ انسان اپنے ہی ملک میں سفر کرنے کے لئے کئی کئی مہینے پیدل چلتے تھے۔ اب ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانا ہر لحاظ سے نہایت سہل ہو چکا ہے۔ علاوہ ازاں سفیروں کے ذریعہ یہ کام بہت آسان ہو جاتا ہے ایک وارث جو ایران بیٹھا ہوا اپنے مورث کی جائداد سے جو انگلستان میں فوت ہوا ہوا اپنے ملک کے سفیر کے ذریعے اپنا حصہ وصول کر سکتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک حوالہ تنویر الحواشی فی توضیح سراجی صفحہ ۱۳ سے درجِ ذیل ہے۔

> ''اختلافِ دارین کی علامت یہ ہے کہ دو ملک کے بادشاہ الگ الگ سلطنت میں اور مستقل فوج ولشکر کے ساتھ ایک دوسرے سے آمادۂ جنگ و پیکار رہتے ہوں۔ کسی کی آبرو اور جان محفوظ نہ ہو،لیکن اگر دو مختلف ملک ہونے کے باوجود آپس میں صلح اور معاہدہ ہو تو اسے ایک ہی ملک مان کر آپس کی وراثت جاری رکھی جائے گی۔''

اس لئے موجود دور میں اختلافِ دارین بظاہر مانع میراث قرار نہیں پاتا۔

حجب

ترکہ کی تقسیم کے بارے میں کچھ ضوابط اور قیود مقرر ہیں۔مختلف درجوں میں ایک متوفی کے بہت سے وارث ہو سکتے ہیں ان وارثوں کے حصوں کے بارے میں آئندہ ہم پڑھیں گے کہ بعض رشتہ داروں کی موجودگی میں دوسرے ورثاء کے حصہ میں یا تو کمی آ جاتی ہے یا وہ بالکل محروم رہ جاتے ہیں۔ایسے رشتہ داروں کو جو کسی دوسرے رشتہ داروں کی وجہ سے محروم ہو جاتے ہیں یا کسی قسم کی ان کے حصوں میں کمی آ جاتی ہے علم وراثت میں مجوب کہا جاتا ہے۔حجب کے لفظی معنی روک کے ہیں۔حجب کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ حجب حرمان

۲۔ حجب نقصان

۱۔حجب حرمان یہ ہے کہ ایک وارث کسی دوسرے وارث کو کلیتًا اس کے حصہ سے محروم کر دے۔مثلاً اگر متوفی کا کوئی بیٹا زندہ ہو تو وہ متوفی کے ہر قسم کے بہن بھائیوں کو محروم کر دے گا۔

۲۔حجب نقصان یہ ہے کہ ایک وارث کی موجودگی کی وجہ سے دوسرے وارث کے حصہ میں کمی (نقصان) پیدا ہو جائے۔مثلاً۔

اگر خاوند کی کی کوئی اولاد کسی بیوی سے بھی موجود ہو تو بیوی کا حصہ $\frac{1}{4}$ سے $\frac{1}{8}$ ہو جاتا ہے۔اسی طرح خاوند کا حصہ $\frac{1}{4}$ سے $\frac{1}{8}$ رہ جاتا ہے اگر وفات یافتہ بیوی کی کوئی اولاد ہو خواہ موجودہ خاوند سے ہو یا پہلے کسی خاوند سے ظاہر ہے کہ اس حجب کی زد میں وہ رشتہ در آئیں گے جو کبھی بھی میراث سے کلیۃً محروم نہیں کئے جا سکتے البتہ حالات کے مطابق اُن کے حصے کم و بیش ہوتے رہتے ہیں۔حجب کا اصول یہ ہے کہ الاقرب ابعد کو مجوب کرتا ہے۔یعنی قریب تر بعید تر کو ترکہ سے محروم کر دیتا ہے۔**الاقرب ثم الاقرب** کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔مثلاً بیٹا تمام پوتے اور پوتیوں کو محروم کر دیتا ہے۔

باپ دادا کو، دادا پڑدادا کو (وعلیٰ ہذا القیاس) مجوب کرتے ہیں۔

دونوں قسم کے حجب کا مفصل بیان :۔

حجب حرمان (محجوب ورثاء کی فہرست)

۱۔ پوتا پوتی محروم ہو جاتے ہیں اگر میت کا بیٹا ہو۔

۲۔ دادا اور پڑدادا وغیرہ محروم ہو جاتے ہیں۔ اگر میت کا باپ زندہ ہو۔

۳۔ بھتیجا محروم ہو جاتا ہے اگر میت کا بیٹا، پوتا، بھائی کوئی بھی موجود ہو۔

۴۔ چچا محروم ہو جاتا ہے اگر میت کا بیٹا، پوتا، باپ، دادا، بھائی، بھتیجا کوئی بھی موجود ہو۔

۵۔ پڑپوتا محروم ہو جاتا ہے اگر میت کا بیٹا، پوتا موجود ہو۔

۶۔ پوتی محروم رہے گی اگر میت کا کوئی بیٹا ہو یا میت کی دو بیٹیاں موجود ہوں۔

۷۔ دادیاں اور نانیاں سب محروم ہو جاتی ہیں اگر میت کی والدہ موجود ہو۔

۸۔ اخیافی (مادری) بہن بھائی سب محروم ہو جاتے ہیں۔ اگر میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، باپ، دادا میں سے کوئی بھی موجود ہو (یعنی اصل یا فرع میں سے کوئی بھی موجود ہو)

۹۔ ہر قسم کے بھائی بہن محروم ہو جاتے ہیں اگر میت کا باپ، دادا یا کوئی بیٹا، پوتا موجود ہو۔

۱۰۔ علاتی بہن محروم ہو جاتی ہے (بشرطیکہ عصبہ کی حیثیت اختیار نہ کرتی ہو) جب کہ دو حقیقی بہنیں یا ایک حقیقی بھائی موجود ہو۔

۱۱۔ پڑدادا محروم ہو گا جبکہ دادا موجود ہو۔

۱۲۔ ذوی الارحام میں سے نانا، نانی، خالہ، ماموں، پھوپھی، بھانجا، بھانجی وغیرہ محروم ہو جاتے ہیں اگر میت کا کوئی نواسہ نواسی موجود ہوں۔

۱۳۔ خالہ، ماموں، پھوپھی، بھانجا، بھانجی محروم ہو جاتے ہیں۔ اگر نانا نانی موجود ہوں۔

۱۴۔ خالہ، ماموں، پھوپھی محروم ہو جاتے ہیں اگر بھانجا بھانجی موجود ہو۔

۱۵۔ دادی محروم ہو جاتی ہے اگر والد، والدہ یا کوئی قریب دادی موجود ہو۔

۱۶۔ نانی، نانی کی ماں یا نانی البعد کو نانی اقرب اگرچہ دوسرے ہی سلسلہ میں کیوں نہ ہو محروم کر دیتی ہے۔

حجب نقصان

وہ وارث جن کا حصہ دوسرے وارثوں کی موجودگی کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے۔

۱۔ باپ۔ باپ کا حصہ $\frac{1}{3}$ سے کم ہو کر $\frac{1}{6}$ ہو جاتا ہے اگر میت کی اولاد ہو یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی کوئی ایک بھی ہو۔

۲۔ ماں ۔ ماں کا حصہ $\frac{1}{3}$ سے کم ہو کر $\frac{1}{6}$ رہ جاتا ہے اگر میت کی اولاد یا ایک سے زیادہ بہن بھائی موجود ہوں۔

۳۔ خاوند۔ خاوند کا حصہ $\frac{1}{2}$ سے کم ہو کر $\frac{1}{4}$ رہ جاتا ہے اگر زوجہ (متوفیہ) کی اولاد ہو۔ خواہ کسی بھی خاوند سے ہو (موجودہ سے ہو یا سابقہ سے)

۴۔ بیوی ۔ بیوی کا حصہ $\frac{1}{4}$ سے کم ہو کر $\frac{1}{8}$ رہ جاتا ہے اگر خاوند کی اولاد ہو (خواہ کسی بھی بیوی کے بطن سے ہو)

۵۔ پوتی۔ پوتی کا حصہ $\frac{1}{2}$ سے کم ہو کر $\frac{1}{6}$ رہ جاتا ہے اگر میت کی ایک بیٹی بھی موجود ہو۔

۶۔ علاتی (پدری) بہن۔ علاتی بہن کا حصہ نصف ($\frac{1}{2}$) سے کم ہو کر $\frac{1}{6}$ رہ جاتا ہے اگر حقیقی بہن بھی موجود ہو۔

۷۔ دادا ۔ دادا کو (اگر باپ زندہ نہ ہو تب) $\frac{1}{3}$ کی بجائے $\frac{1}{6}$ ملے گا اگر میت کی اولاد موجود ہو۔

اوپر ان رشتہ داروں کی تفصیل دی گئی ہے جن کے حصے کم ہو جاتے ہیں۔ نیچے ان رشتہ داروں کی تفصیل درج کی جاتی جن کی وجہ سے دوسرے رشتہ داروں کے حصے کم ہوتے ہیں۔ اس طرح دہرانے سے حجب نقصان کا مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا چونکہ تقسیم ترکہ کے لئے اس مسئلہ پر پورا عبور ضروری ہے۔ اس لئے اسے بڑے غور سے پڑھنا اور یاد کر لینا چاہئے۔

حجب نقصان (حاجب ورثاء کی فہرست)

۱۔خاوند یا بیوی

اگر میت کی بیوی یا خاوند زندہ ہو اور ماں باپ بھی تو والدہ کو کل مال کا ثلث نہیں دیا جاتا بلکہ بیوی یا خاوند جو بھی ہو اس کے حصہ دلوانے کے بعد جو بچتا ہے[۱]۔اس کا ثلث دیا جاتا ہے۔

۲۔حقیقی بھائی

اگر میت کے ۲ یا دو سے زیادہ حقیقی بھائی ہوں تو والدہ کو $\frac{1}{3}$ کم کر کے $\frac{1}{6}$ دلوایا جاتا ہے۔اسی طرح اگر ایک بھائی اور ایک بہن ہو یا دو بہنیں ہوں تو بھی $\frac{1}{6}$ دلوایا جاتا ہے۔

۳۔حقیقی بہن

ا۔ اگر ایک حقیقی بہن بھی ہو تو علاتی بہن کا حصہ ۱/۲ سے کم ہو کر ۱/۶ رہ جاتا ہے۔

ب۔ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو والدہ کا حصہ ۱/۳ سے کم ہو کر ۱/۶ ہو جاتا ہے۔

۴۔بیٹا یا پوتا

اگر میت کا کوئی بیٹا یا پوتا ہو تو

ا۔ والدہ کا حصہ ۱/۳ سے کم ہو کر ۱/۶ رہ جاتا ہے۔

ب۔ خاوند کا حصہ ۱/۲ سے کم ہو کر ۱/۴ رہ جاتا ہے۔

ج۔ بیوی کا حصہ ۱/۴ سے کم ہو کر ۱/۸ رہ جاتا ہے۔

۵۔بیٹی

اگر میت کی کوئی بیٹی ہو تو

ا۔ خاوند کا حصہ ۱/۲ سے کم ہو کر ۱/۴ رہ جاتا ہے۔

ب۔ بیوی کا حصہ ۱/۴ سے کم ہو کر ۱/۸ رہ جاتا ہے۔

ج۔ باپ یا ماں کا حصہ ۱/۳ سے کم ہو کر ۱/۶ رہ جاتا ہے۔

---

[۱] اس میں بعض اماموں نے اختلاف کیا ہے وہ کل مال کا ۱/۳ دلانے کے حق میں ہیں۔

٦۔ پوتی یا پڑپوتی

اگر میت کی بیٹی نہ ہوتو پھر پوتی بیٹی والی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔اور انہی وارثوں کے لئے حاجبِ نقصان ہے جن کے لئے بیٹی حاجب ہے یعنی وہ زوجہ شوہر اور ماں باپ کا حصہ اسی نسبت سے کم کر دیتی ہے جس نسبت سے بیٹی کرتی ہے۔

حجب حرمان (حاجب ورثاء کی فہرست یعنی وہ وارث جو دوسروں کو محروم کر دیتے ہیں)

١۔ باپ ا ۔ دادا اور دادی کو محروم کر دیتا ہے۔

ب۔ ہر قسم کے بھائی بہنوں (اعیانی، علاتی اور اخیافی) کو محروم کر دیتا ہے۔

٢۔ بیٹا ا ۔ میت کے ہر قسم کے بہن بھائی کو محروم کر دیتا ہے۔

ب۔ پوتے پوتی، بھائی، چچا، بھتیجا وغیرہ کو جو کہ عصبات میں شامل ہیں محروم کر دیتا ہے۔

٣۔ پوتا یہ بھی انہی وارثوں کو محروم کرتا ہے جنہیں بیٹا محروم کرتا ہے۔یعنی

ا۔ میت کے ہر قسم کے بہن بھائی کو محروم کر دیتا ہے۔

ب۔ جملہ عصبات ابعد کو محروم کر دیتا ہے۔

٤۔ ماں ہر قسم کی نانیوں اور دادیوں (جدات صحیحہ) کو محروم کر دیتی ہے۔

٥۔ بیٹی: ا ۔اخیافی بہن بھائیوں کو محروم کر دیتی ہے۔

ب ۔ اگر دو بیٹیاں ہوں تو پوتی کو محروم کر دیتی ہیں بشرطیکہ پوتی یا پوتیاں عصبہ نہ بن جاتی ہوں

٦۔ حقیقی بھائی: علاتی بھائیوں کو اور ہر قسم کے بھتیجوں کو اور چچاؤں کو اور ان عصبات کو جو ان سے کم درجہ کے ہیں محروم کر دیتا ہے۔

۷۔ علاتی بھائی: ہر قسم کے بھتیجوں، چچاؤں اور ان کی اولاد کو محروم کر دیتا ہے۔

وہ رشتہ دار جو شرعاً وارث نہیں ہو سکتے۔

ا۔ سوتیلی ماں یا سوتیلا باپ اپنی سوتیلی اولاد کے ترکہ سے حصہ نہیں پا سکتے۔ اسی طرح سوتیلی اولاد اپنے سوتیلے ماں باپ کے ترکہ سے حصہ نہیں پا سکتی۔ یعنی پہلے خاوند سے بیوی کی اولاد موجود خاوند کے ترکہ میں حصہ کی حق دار نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح موجودہ خاوند بیوی کے پہلے خاوند کے بچوں کے ترکہ میں حق دار نہیں ہوسکتا۔

خاوند کی وہ اولاد جو کسی دوسری بیوی کے بطن سے ہو اپنی (سوتیلی) ماں سے کسی قسم کا حصہ نہیں پا سکتی۔ اسی طرح ماں اپنے اُن بچوں کے ترکہ سے حصہ نہیں پاتی۔ جو کہ اس کے بطن سے نہیں۔ البتہ ایسے رشتہ داروں کو کسی اور جہت سے میراث پہنچتی ہو تو وہ محض سوتیلے پن کی وجہ سے محروم نہیں ہوں گے۔ مثلاً اگر سوتیلا لڑکا بھتیجا بھی ہو۔ اسی طرح اگر سوتیلی ماں خالہ بھی ہو۔ سوتیلا باپ چچا بھی ہو اور کوئی اور نزدیکی عصبہ یا ذوی الارحام موجود نہ ہوں جو انہیں مکمل طور پر محجوب کر دیں تو ان سوتیلے رشتہ داروں کو میراث سے حصہ ملے گا۔

۲۔ شوہر کے تمام رشتہ دار بیوی کے ترکہ سے کچھ حصہ نہیں پاتے اسی طرح بیوی کے تمام رشتہ دار شوہر کے ترکہ سے کچھ حصہ نہیں پاتے۔

شوہر کے تمام رشتہ دار یعنی اس کے ماں باپ اپنی بہو کی جائداد سے اور بہن بھائی اپنی بھابھی کی جائداد سے بلحاظ کسی وراثت کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے۔ اسی طرح بیوی کے تمام رشتہ داروں یعنی اس کے ماں باپ، بہن بھائی کو اپنے داماد یا بہنوئی کی وراثت سے کسی قسم کا تعلق نہیں سوائے اس کے کہ وہ متوفی کے ساتھ کوئی اور رشتہ دار بھی رکھتے ہوں۔ مثلاً دامادی کے علاوہ کوئی شخص متوفی یا متوفیہ کا بھتیجہ بھی ہو۔ اس طرح بہو ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بھتیجی یا بھانجی بھی ہو تو انہیں اس جہت سے میراث پہنچنے کا جواز ہر وقت موجود ہے۔ بشرطیکہ کوئی اور نزدیکی عصبہ یا ذوی الارحام موجود نہ ہو جو ان کو محجوب کر دے۔

۳۔ پوتی اور نواسی کا خاوند

پوتی کا میراث میں حصہ ہے۔لیکن پوتی کے خاوند کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ (خاوند) میت کا پوتا یا نواسہ بھی ہو۔اسی طرح نواسی کا میراث سے تعلق ہے۔مگر نواسی کے خاوند کا کچھ تعلق نہیں۔سوائے اس کے کہ وہ میت کا پوتا یا نواسہ بھی ہو۔

۴۔ پھوپھا خالو کا حصہ

پھوپھی اپنے بھتیجوں کی وارث ہے اور بھتیجے اس کے وارث ہیں۔لیکن پھوپھی کے خاوند (پھوپھا) کو اپنی بیوی کے بھتیجوں کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح خالو کو بھی اپنی بیوی کے بھانجوں کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ کسی اور جہت سے وارث ہونے کا امکان ہوسکتا ہے۔

۵۔ خدمت گزاری، غمخواری اور مالی امداد

کسی کو کسی کا وارث نہیں بنا دیتی

بعض لوگ اپنی ناواقفیت کی بناء پر اپنے مخلص خدمت گذاروں غمخواروں یا مالی طور پر امداد کرنے والوں کو شرعی وارث سمجھ لیتے ہیں۔ یہ درست نہیں۔شرعی وارث وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دیئے ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کو اپنی جائداد سے ضرور کچھ دینا یا دلوانا چاہتا ہے تو اسے اپنے حقِ وصیت سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے فائدہ اٹھا کر ان کے حق میں وصیت کر دینی چاہیئے۔بہتر ہو کہ اس پر عمل درآمد بھی اپنی زندگی میں ہی کروا دے۔

٦۔ کوئی مونہہ بولا بیٹا یا دینی بھائی وارث نہیں ہوسکتا

اسلامی احکام وراثت کے نزول کے بعد ہر قسم کے مونہہ بولے یا دینی بھائی اور مونہہ بولے بیٹے، بھتیجے وغیرہ جائداد سے حصہ نہیں پاتے۔مواخات کا سلسلہ (بھائی بھائی بنانا) جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد انصار اور مہاجر

صحابہ کرامؓ میں جاری فرمایا تھا اور جس کی وجہ سے وہ وراثت میں بھی ایک دوسرے کے حق دار بن جاتے تھے۔ احکام وراثت کے نزول کے بعد ختم ہوگیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل شروع ہوگیا تھا۔ اس لئے کوئی بھی مونہہ بولا بھائی یا بہن شرعی وارثوں کی طرح وارث نہیں ہوسکتے۔

۷۔ زنا کی وجہ سے ہرگز کوئی تعلق میراث قائم نہیں ہوتا

اسلام نے زنا جیسی بدی کو ہر طرح سے معاشرہ سے دُور کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے اس بدی کے نتیجہ میں جو بچہ پیدا ہو وہ زانی کا وارث نہیں بن سکتا۔ اور نہ زانی اس کا وارث بن سکتا ہے۔ یہ امتناع اس لئے بھی ضروری ہے تا کہ بنی نوع انسان ایک پاک اور صاف معاشرہ قائم کرسکیں اور کوئی کسی کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کسی طور پر نہ کرسکے اس لئے ولدالزنا اپنے زانی باپ کے ترکہ میں میراث کا حق دار نہیں اسی طرح یہ زانی باپ اپنے اس ولدالزنا کے ترکہ کا حق دار نہیں اور نہ زانیہ زانی کے ترکہ سے حصہ پاسکتی ہے اور نہ ہی زانی زانیہ کے ترکہ سے حصہ پاسکتا ہے۔ البتہ ایسا بچہ اپنی ماں کا وارث ہے اور ماں اس کی وارث۔

چند ایسے امور جن کی بنا پر شریعت اسلامی کی رُو سے کسی وارث کو قطعاً محروم نہیں کیا جاسکتا، لیکن ناقص معاشرہ اور بدرسوم کے نتیجہ میں لوگ بعض وارثوں کو محروم کردیتے ہیں۔

ا۔ بعض خاندان اپنی نوجوان بیوہ بہو/ بیوہ بیٹی کو خواہ وہ جوانی میں ہی بیوہ ہو جائے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ سسروال والے یہی چاہتے ہیں کہ وہ جیسے بھی ہو اپنی بقیہ زندگی ان کے دَر پر ہی گزار دے اگر وہ نکاح ثانی کرے یا کرنے کی کوشش کرے تو اسے اس کے وفات یافتہ خاوند کی جائداد سے مع اس کے بچوں کے (اگر کوئی ہوں) محروم کر دیتے ہیں۔ جائداد پر خود قبضہ کر بیٹھتے ہیں اور نکاح ثانی کو اپنی جھوٹی عزت کا سوال بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ** (نور: ۳۳) کے مطابق بیواؤں کی دوسری شادی کرنے کا حکم ہے۔ پس انہیں وہی کرنا چاہیئے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لئے کوئی حیلہ اختیار نہ کیا جائے ورنہ ایسا شخص ہر لحاظ سے نقصان اٹھائے گا۔ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کامیاب ہوسکتا ہے اس لئے ایسے لوگوں کو جو کہ بیوگان کو نکاح ثانی سے اس لئے روکتے ہیں

یا روکنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں وہ وراثت کا حصہ اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب سے بہت ڈرنا چاہئے اور وہی کچھ کرنا چاہئے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور جو سنت نبوی سے ثابت ہے کہ اسی میں بنی نوع انسان کی بہتری اور فلاح مضمر ہے۔ ایک عورت شریعت کی حدود و قیود کے اندر رہ کر یکے بعد دیگرے جتنے نکاح چاہے کر سکتی ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس وجہ سے اسے اس کے شرعی حصہ میراث اور حق مہر سے محروم کرے بیوگی میں رہ کر اپنی جوان عمر گزارنے کو اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا نیز اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے احکام کی فرمانبرداری کرنے میں ہے نہ کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے میں اور فطرتی تقاضوں کو کچل دینے میں۔ دوسری شادی نہ کرنا یا نہ کروانا۔ ہندوؤں کی رسم ہے جس سے مسلمانوں کا کوئی واسطہ نہیں اس لئے اسے ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کے تحت زندگی گزارنی چاہئے اور اس کی رضا کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔

۲۔ میلان طبع یا رغبت

بعض دفعہ ایک شخص جس کی ایک سے زیادہ (چار تک) بیویاں ہوں کسی خاص بیوی کی طرف بہت جھک جاتا ہے۔ انصاف کا پیمانہ اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے جس کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور اپنی اس چہیتی بیوی کو یا اس کی اولاد کو دوسروں کی نسبت اپنی زندگی میں بذریعہ ہبہ یا کسی اور طریقے سے زیادہ دے دیتا ہے یا دینا چاہتا ہے اور دوسری بیویوں کو نقصان پہنچاتا ہے جن کی طرف اسے رغبت کم ہے یا ہے ہی نہیں ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کی اجازت نہیں دیتے تمام بیویاں مساوی طور پر خاوند کے $\frac{1}{4}$ یا $\frac{1}{8}$ ترکہ کی وارث ہیں نیز کسی شرعی وارث کے حق میں وصیت بھی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کسی بھی وارث کو اس کے شرعی حصّے سے زیادہ نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں دو احادیث درج ذیل ہیں:۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَعْطَانِىْ اَبِىْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَاارْضٰى حتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ اِنِّىْ

اَعْطَيْتُ ابْنِيْ مِنْ حَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَامَرَتْنِيْو اَنْ اُشْهِدَکَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَوَلَدِکَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَافَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِ لُوْابَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّةً. (صحیح بخاری کتاب الھبۃ)

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے کچھ عطیہ دیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہ نے کہا کہ مَیں راضی نہیں ہوں۔ جب تک تم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بناؤ جس پر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے کچھ عطیہ دیا ہے۔ اور عمرہ کہتی ہے کہ مَیں آپ (رسول اللہؐ) کو گواہ بناؤں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اپنے تمام بیٹوں کو اسی قدر دیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔ حضرت نعمان کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے دی ہوئی چیز واپس لے لی۔''

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کو بہرصورت اپنی اولاد اور بیویوں (اگر ایک سے زائد ہوں) کے درمیان انصاف قائم رکھنا چاہئے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔

جو لوگ احکام شریعت پر عمل نہیں کرتے اور اپنے کسی بھی وارث کو اس کا شرعی حصّہ دینے سے گریز کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتے ہیں۔ چنانچہ مروی ہے۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّمِنْ مِّيْرَاثِ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(ابن ماجہ۔ ابواب الوصایا)

''حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے وارث کی میراث سے بھاگے (یعنی مرتے وقت ایسی تدبیریں کرے کہ وارثوں کو ان کا مفروضہ حصّہ نہ ملے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت کی میراث نہ دے گا۔

۳۔ نافرمانبرداری

بعض دفعہ والدین اپنے نافرمانبردار بچوں کو ان کے کسی ناپسندیدہ سلوک کی وجہ سے اپنی جائداد سے محروم کر دیتے ہیں۔ ایسے والدین کو معلوم ہونا چاہئے کہ انہیں کسی وارث کو اس کے شرعی حصّہ سے محروم کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ شریعت نے اُن کے بچوں کا حق تسلیم کیا ہے اس لئے وہ انہیں ملے گا۔ سوائے اس کے کہ کوئی بچہ ذہنی لحاظ سے معذور ہو جس سے جائداد کے ضائع ہونے کا ڈر ہو۔ ایسی صورت میں ایسے بچوں کے لئے نگران مقرر کر دیئے جائیں اور ان کا شرعی حصّہ بطور امانت محفوظ رکھا جائے اور ان بچوں پر ان کی ضروریات کے مطابق خرچ ہوتا رہے۔

۴۔ کم سنی، چھوٹی عمر

ابھی تک مسلمانوں کے بعض خاندانوں میں رواج ہے کہ والد کے فوت ہونے پر یا ان کے بوڑھے ہو کر معذور ہونے پر بڑا بیٹا یا اگر بیٹا نہ ہو تو بڑی بیٹی تمام جائداد کی مالک بن جاتی ہے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو ان کا شرعی حق نہیں دیا جاتا۔ یہی کہا جاتا ہے کہ وہ ان کی خدمت میں رہ کر گزر اوقات کریں۔ اس طرح یہ بچے جو چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ بڑے ہو کر سخت معاشی بحران سے دوچار ہوتے ہیں اور بڑی کس مپرسی کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے تو اُس وارث کے حق کو بھی تسلیم کیا ہے جو ابھی حمل کے مراحل سے گزر رہا ہو اور تاکید فرمائی ہے کہ اس کا انتظار کر کے یا اس کا حصّہ نکال کر ترکہ تقسیم کیا جائے۔ اس لئے ایسے بچوں کے بالغ ہونے پر اُن کے حصّے ضرور اُن کے حوالے کر دینے چاہئیں۔ کیونکہ اُن کی کم سنی کسی لحاظ سے بھی مانع میراث نہیں۔

اسی قسم کے بہت سے اور امور بھی ہیں جو لوگوں نے اپنے طور پر خود معاشرہ میں رائج کر لئے ہیں یہ سب کسی نہ کسی بد رسم کا نتیجہ ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ ایسی رسوم کو ترک کر کے اسلامی احکام وراثت کے مطابق تمام ورثاء کو وہ پورے پورے حصّے دے دے۔ جو ان کا حق ہے اور ایسے لوگوں کو وراثتی مال میں سے حصّہ دینے سے اجتناب کرنا چاہئے جن کا کوئی حق نہیں بنتا۔

بابِ ششم

ذوی الفروض

اور مختلف حالات میں اُن کے مختلف حصّے !

پچھلے باب میں بیان ہو چکا ہے کہ ایسے رشتہ دار جن کے حصّے خدائے علیم وحکیم نے مقرر ومعین فرما دیئے ہیں وہ وراثتی اِصطلاح میں ذوی الفروض کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور ان کی تعداد ۱۲ ہے جس میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ باپ ۲۔ دادا ۳۔ شوہر ۴۔ اخیافی بھائی

۵۔ والدہ ۶۔ بیوی ۷۔ بیٹی ۸۔ پوتی

۹۔ حقیقی ہمشیرہ ۱۰۔ علاتی ہمشیرہ ۱۱۔ اخیافی ہمشیرہ ۱۲۔ دادی ونانی (جدّات صحیحہ)

جو حصّے مختلف رشتہ داروں کو مختلف حالات میں دیئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱/۸ ، ۱/۶ ، ۱/۴ ، ۱/۳ ، ۱/۲ ، ۲/۳

بعض انہیں اس طرح لکھتے ہیں۔

۱/۲ ، ۱/۴ ، ۱/۸ ، ۱/۶ ، ۱/۳ ، ۲/۳

والد کا حصّہ

والد کو مختلف حالات میں جو حصّے دیئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

الف۔ جب میت نے کوئی بیٹا یا بیٹے کی مذکر اولاد یا پوتے کی مذکر اولاد چھوڑی ہو تو والد کو صرف ۱/۶ حصّہ ملتا ہے۔

ب۔ اگر میت کی اولادِ نرینہ کسی درجہ میں بھی نہ ہو یعنی نہ بیٹا ہو نہ پوتا نہ پڑپوتا تو میت کے والد کو نہ صرف چھٹا حصّہ ملتا ہے بلکہ تمام ذوی الفروض موجودہ کو ان کے حصّے ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ بھی والد بطور عصبہ حاصل کر لیتا ہے۔ گویا

دوسرے ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی تمام ترکہ بھی والد کو ہی دے دیا جاتا ہے۔

ج۔ اگر میت کی کوئی بھی اولاد نہ ہو تو زوج یا زوجہ کو اس کا معین حصہ (۲/۱یا ۴/۱) دے کر باقی جو بچے اس کا ۳/۱ والدہ کو اور ۳/۲ والد کو دے دیا جاتا ہے۔ یعنی والد کسی صورت میں بھی کلیۃً محروم نہیں ہوسکتا۔ یہ تینوں صورتیں مثالوں کے ذریعے واضح کی جاتی ہیں۔

مثال نمبر۱:

ایک متوفی نے دو بیویاں، والد، ۵ لڑکے اور ۷ لڑکیاں چھوڑیں اگر اس کا ترکہ بعد منہائی مصارف تجہیز وتکفین و تدفین اور ادائیگی قرض و وصیت ۲۴۰۰۰ روپے ہو تو ہر کا حصہ بتاؤ۔

چونکہ متوفی کی اولاد موجود ہے اس لئے والد کو چھٹا (۶/۱) حصہ ملے گا۔

والد کا حصہ = ۶/۱

دو بیویوں کا حصہ = ۸/۱ ہر بیوی کا حصہ = ۱۶/۱

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۶}) = ۱ - \frac{۴+۳}{۲۴} = \frac{۱۷}{۲۴}$

یہ ۲۴/۱۷ جو باقی بچا ہے عصبات میں یعنی لڑکے اور لڑکیوں میں تقسیم ہوگا۔ اس طرح کہ ہر لڑکے کو لڑکی سے دُگنا ملے۔ اس طرح ۵ لڑکوں اور ۷ لڑکوں کے کل ۱۷ سہام (حصے) بنے جن میں سے دو سہام ہر بیٹے کو اور ایک سہم ہر بیٹی کو ملے گا۔

اس لئے لڑکے کا حصہ $= \frac{۱۷}{۲۴} \times \frac{۱}{۱۷} = \frac{۱}{۱۲}$

لڑکی کا حصہ $= \frac{۱۷}{۲۴} \times \frac{۱}{۱۷} = \frac{۱}{۲۴}$

۲۴۰۰۰ روپے میں دو بیویوں کا حصہ $= ۲۴۰۰۰ \times \frac{۱}{۸} = ۳۰۰۰$

اس طرح ایک بیوی کا حصہ = ۱۵۰۰ روپے

والد کا حصہ $= ۲۴۰۰۰ \times \frac{۱}{۶} = ۴۰۰۰$ روپے

ایک لڑکے کا حصہ $= ۲۴۰۰۰ \times \frac{۱}{۸} = ۲۰۰۰$ روپے

ایک لڑکی کا حصہ $= ۲۴۰۰۰ \times \frac{۱}{۲۴} = ۱۰۰۰$ روپے

مثال نمبر ۲:

ایک متوفی نے ایک بیوی، والدہ، ایک بیٹی اور والد چھوڑے اگر اس کا قابل تقسیم ترکہ ۷۲۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

یہاں تمام ورثاء ذوی الفروض ہی ہیں اس لئے انہیں حصّے دینے کے بعد جو بچتا ہے وہ بھی والد بطور عصبہ حاصل کر لے گا۔

والد کا حصہ $= ۱/۶$

والدہ کا حصہ $= ۱/۶$

بیوی کا حصہ $= ۱/۸$

بیٹی کا حصہ $= ۱/۲$

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۲}) = ۱ - \frac{۱۲+۳+۴+۴}{۲۴} = ۱ - \frac{۲۳}{۲۴} = \frac{۱}{۲۴}$

یہ ۱/۲۴ بھی والد کو مل جائے گا کیونکہ اور کوئی عصبہ موجود نہیں (یعنی میت کی ذکور اولاد نہیں)

اس لئے والد کا کل حصہ $= ۱/۶ + \frac{۱}{۲۴} = \frac{۵}{۲۴}$

۷۲۰۰ روپے میں والد کا حصہ $= ۷۲۰۰ \times ۵/۲۴ = ۱۵۰۰$ روپے

۷۲۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ $= ۷۲۰۰ \times ۱/۶ = ۱۲۰۰$ روپے

۷۲۰۰ روپے میں بیوی کا حصہ $= ۷۲۰۰ \times ۱/۸ = ۹۰۰$ روپے

۷۲۰۰ روپے میں بیٹی کا حصہ $= ۷۲۰۰ \times ۱/۲ = ۳۶۰۰$ روپے

نوٹ:۔ یہ حصّے اس طرح بھی نکال جا سکتے ہیں:

والدہ $\frac{۱}{۶}$، بیوی $\frac{۱}{۸}$، بیٹی $\frac{۱}{۲}$، والد کا حصہ $= ۱ - (\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۲}) = \frac{۵}{۲۴}$

مثال نمبر۳ : ایک متوفی نے ایک بیوی والدہ اور والد چھوڑے اس کے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتائیے اگر ترکہ قابل تقسیم مابین ورثاء ۲۴۰۰ روپے ہو۔

زوجہ کا حصّہ = ۱/۴ (کیونکہ میت کی اولاد موجود نہیں)

باقی = ۱ - ۱/۴ = ۳/۴

والدہ کا حصہ = ۳/۴ کا ۱/۳ = ۱/۴

والد کا حصہ = باقی تمام = ۱-(۱/۴ + ۱/۴) = ۱/۲

اس لئے ۲۴۰۰ میں زوجہ کا حصہ = ۲۴۰۰ × ۱/۴ = ۶۰۰ روپے

۲۴۰۰ میں والد کا حصّہ = ۲۴۰۰ × ۱/۴ = ۴۰۰ روپے

۲۴۰۰ میں والد کا حصہ = ۲۴۰۰ × ۱/۲ = ۱۲۰۰ روپے

مثال نمبر۴:

ایک میت نے بیوی، والدہ اور والد وارث چھوڑے۔ اس کے ذمہ بیوی کا حق مہر ۴۰۰۰ روپے قابل ادا ہے اگر اس کی جائداد ۱۲۰۰۰ مالیت کی ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

بیوی کا حق مہر خاوند کے ذمہ قرض ہے اس لئے تقسیم سے پہلے اس کی ادائیگی ہوگی۔

بیوی کا حق مہر = ۴۰۰۰ روپے

قابل تقسیم ترکہ = ۱۲۰۰۰-۴۰۰۰ = ۸۰۰۰ روپے

بیوی کا حصہ = ۱/۴

باقی = ۱ - ۱/۴ = ۳/۴

والدہ کا حصہ = ۳/۴ کا ۱/۳ = ۱/۴

والد کا حصہ = باقی تمام = ۱-(۱/۴ + ۱/۴) = ۱/۲

۸۰۰۰ روپے میں بیوی کا حصہ = ۸۰۰۰ × ۱/۴ = ۲۰۰۰ روپے

۸۰۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۸۰۰۰ × ۱/۴ = ۲۰۰۰ روپے

۸۰۰۰ روپے والد کا حصہ = ۸۰۰۰ × ۱/۲ = ۴۰۰۰ روپے

میت کی بیوی کی کل رقم = ۲۰۰۰ + ۴۰۰۰ (حق مہر) = ۶۰۰۰ روپے

۲۔ دادا کا حصّہ

اگر میت کے والد زندہ ہوں تو دادا کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ دادا کی نسبت باپ زیادہ قریب ہے اس لئے والد کی موجودگی میں دادا کو کسی قسم کا وراثتی حق حاصل نہیں ہے۔ جب والد زندہ نہ ہو تو دادا کو مکمل حقوق بعینہٖ اسی طرح حاصل ہیں۔ جس طرح کہ والد کو اور وہ (دادا) اتنے ہی حصّے کا وارث ہوتا ہے جتنے کا والد یعنی اگر میت کی نرینہ اولاد ہو تو باپ کی طرح ۱/۶ حصہ کا مالک دادا ہوگا اگر نرینہ اولاد نہ ہو تو ۱/۶ حصہ جو اس نے بطور ذوی الفروض حاصل کرنا ہے۔ اس کے علاوہ باقی بچا ہوا مال بھی باپ کی طرح دادا حاصل کرے گا۔ متذکرہ بالا مشق (ج) یعنی تیسری صورت میں کچھ تھوڑا سا فرق ہے۔ ماں کو باقی جائداد کا ثلث نہیں بلکہ کل جائداد کا ثلث دیا جاتا ہے۔ اس طرح ماں کو قدرے زیادہ اور دادا کو قدرے کم ملتا ہے۔

مثال نمبر ۵:

ایک متوفی نے والدہ ایک بیوی اور دادا ورثاء چھوڑے اس کے ترکہ میں ان کے حصے بتائیے۔

یہاں باپ کی بجائے دادا وارث ہے اس لئے والدہ کو کل جائداد کا ۱/۳ حصہ ملے گا۔

والدہ کا حصہ =۱/۳

بیوی کا حصہ =۱/۴

باقی = ۱ - ($\frac{۱}{۳}$ + $\frac{۱}{۴}$) = ۱ - $\frac{۴+۳}{۱۲}$ = $\frac{۵}{۱۲}$ دادا کا حصہ ہے۔

یعنی اگر جائداد کے بارہ سہام کئے جائیں تو والدہ کے ۴، بیوی کے ۳ اور دادا کے پانچ سہام ہوں گے۔

نوٹ : الف ۔ اگر کوئی متوفیہ خاوند، والدہ اور دادا ورثاء چھوڑے تو ان کے حصے یہ ہوں گے۔

خاوند کا حصہ = ۱/۲

والدہ کا حصہ = ۱/۳

دادا کا حصہ = ۱-(۱/۲ + ۱/۳) = ۱/۶

یعنی جائداد کے ۶ سہام کئے جائیں تو خاوند کا ۳، والدہ ۲ اور دادا ایک سہم حاصل کرے گا۔

ب : اگر کوئی متوفی صرف دادا اور دادی وارث چھوڑے تو پھر دادی کا حصہ ۱/۶ ہوگا اور دادا کا ۵/۶ اگر دادی دادا کے درجہ کی نہیں بلکہ کسی اوپر کے درجہ کی ہے تو پھر وہ محروم ہوگی اور تمام جائداد دادا ہی حاصل کرے گا۔

۳۔شوہر کا حصّہ

شوہر بھی اپنی بیوی کے ترکہ سے کبھی محروم نہیں ہوتا۔ اس کے حصہ کی صرف دو صورتیں ہیں۔

الف۔ اگر بیوی کے بطن سے اولاد ہو تو شوہر کو ترکہ کا ۱/۴ حصہ ملے گا۔

ب۔ اگر بیوی کی اولاد نہیں تو شوہر کو بیوی کے ترکہ کا ۱/۲ حصہ ملتا ہے۔

نوٹ :۔ بیوی کی اولاد خواہ پہلے خاوند سے ہو یا موجودہ خاوند سے ہو۔ اولاد موجود ہونے کی صورت میں موجودہ خاوند کو ۱/۴ حصہ ملے گا۔ یہ اولاد (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ) خواہ کسی بھی خاوند سے ہو موجودہ خاوند کو ۱/۴ حصہ ہی ملے گا۔

اسی طرح کسی خاتون کے وہی بچے میراث سے حصہ لے سکیں گے جو کہ اس کے اپنے بطن سے ہوں۔ سوتیلے بچے اور بچیاں اس کے ترکہ سے حصہ نہ پاسکیں گے۔

مثال نمبر ۶ :

ایک متوفیہ نے خاوند، والد اور ایک بیٹا چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

خاوند کا حصہ = ۱/۴ کیونکہ بیٹا موجود ہے۔

والد کا حصہ = ۱/۶

باقی = $1-\left(\frac{1}{4}+\frac{1}{6}\right)=1-\frac{3+2}{12}=\frac{7}{12}$

بیٹے کا حصہ = $\frac{7}{12}$

اس لئے اگر جائداد کے کل ۱۲ سہام کئے جائیں تو تین خاوند کے دو والد کے اور سات بیٹے کے ہوں گے۔

اسی طرح اگر کسی متوفیہ نے خاوند والدہ اور والد چھوڑے ہوں تو

خاوند کا حصہ = $1/2$

والدہ کا حصہ = $\left(1-\frac{1}{2}\right)$ کا $\frac{1}{3}=\frac{1}{6}$

والد کا حصہ = $\frac{1}{6}\times 2=\frac{1}{3}$ یا $\left(\frac{1}{2}-\frac{1}{6}\right)=\frac{1}{3}$

یعنی اگر جائداد کے ٦ حصے کریں تو خاوند کو تین، والدہ کو ایک اور والد کو دو حصے ملیں گے۔

۴۔ اخیافی بھائی کا حصہ

اخیافی (مادری) بھائی انہیں کہا جاتا ہے جو صرف والدہ کی طرف سے اشتراک رکھتے ہوں یعنی جن کی ماں تو ایک ہو والد مختلف ہوں ایسے بھائی بھی ذوالفروض میں شامل ہیں اور انہیں اس وقت میراث سے حصہ دیا جاتا ہے جب نہ میت کی اصل میں سے کوئی زندہ ہو اور نہ ہی فرع میں سے یعنی نہ تو میت کا باپ، دادا، پڑدادا وغیرہ کوئی زندہ ہو اور نہ ہی بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی وغیرہ کوئی موجود ہو اس لئے اگر باپ، دادا، پڑدادا، یا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی میں سے کوئی بھی موجود ہو تو پھر یہ بھائی میراث سے محروم رہیں گے۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر دو صورتیں ہیں۔

الف۔ اگر صرف ایک اخیافی بھائی (یا ایک اخیافی بہن) ہو تو وہ میت کے ترکہ سے چھٹا (١/٦) حصہ حاصل کرے گی۔

ب۔ اگر اخیافی بھائی ایک سے زیادہ ہوں خواہ یہ صرف اور صرف بھائی ہوں یا بہن بھائی ہوں یا صرف بہنیں ہوں تو انہیں کل ترکہ کا ثلث (١/٣) دیا جائے گا۔ جس میں یہ تمام بھائی یا بہنیں یا بہن بھائی برابر کے شریک ہوں گے۔ اس تقسیم میں مرد اور عورت کی تمیز نہیں کی جاتی بلکہ یہ اخیافی بہن بھائی ١/٣ حصہ میں برابر کے

شریک ہوں گے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ حصہ انہیں صرف ماں کے مشترک ہونے کی وجہ سے مل رہا ہے۔ اس لئے ۲ : ۱ کی نسبت یعنی بھائی کو بہن سے دُگنا حصہ دیئے جانے کا اصول مدِنظر نہیں رکھا جاتا اور تمام اخیافی بہن بھائی ۱/۳ میں برابر کے حصّہ دار سمجھے جاتے ہیں۔

مثال نمبر ۷:

ایک میت نے والدہ، ایک اخیافی بھائی اور ایک حقیقی بھائی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

اخیافی بھائی کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱ - (۱/۶ + ۱/۶) = ۲/۳ حقیقی بھائی کا حصہ ہے

یعنی اگر جائداد کے چھ سہام کئے جائیں تو ایک والدہ کو، ایک اخیافی بھائی کو اور ۴ حقیقی بھائی کو ملیں گے۔

مثال نمبر ۸:

کسی میت نے ایک زوجہ، تین اخیافی بہن بھائی اور ایک چچا چھوڑے ہیں ہر ایک وارث کا علیحدہ علیحدہ حصہ بتائیے۔

ورثاء میں سے زوجہ، اخیافی بہن بھائی ذوی الفروض میں شامل ہیں اور چچا عصبہ ہے۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۴ کیونکہ اولاد موجود نہیں۔

تین اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ = ۱/۳ ہر ایک کا حصہ = ۱/۹

چچا کا حصہ = $۱ - (\frac{۱}{۴} + \frac{۱}{۳}) = ۱ - \frac{۴ + ۳}{۱۲} = \frac{۵}{۱۲}$

گویا اگر جائداد کے ۳۶ سہام کئے جائیں تو ۹ زوجہ کے ۴ ہر اخیافی بہن بھائیوں کے اور ۱۵ سہام چچا کے ہوں گے۔

مثال نمبر ۸:

ایک کلالہ متوفی نے تین اخیافی بہن بھائی اور تین حقیقی بھائی وارث چھوڑے ہر

ایک کا حصہ بتاؤ۔

تین اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ = ۱/۳ ہر ایک کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ ÷ ۳ = $\frac{۱}{۹}$

باقی = ۱ - $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۲}{۳}$

تین حقیقی بھائیوں کا حصہ = ۲/۳ اور ایک حقیقی بھائی کا حصہ = ۲/۹

گویا اگر جائداد کے ۹ سہام کیئے جائیں تو ہر اخیافی بھائی بہن کا ایک سہم اور ہر حقیقی بھائی کے دو سہام ہوں گے۔

مثال نمبر ۱۰:

ایک میت نے دو اخیافی بہنیں اور تین حقیقی بھائی اور ایک حقیقی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دو اخیافی بہنوں کا حصہ = ۱/۳

ہر ایک اخیافی بہن کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ × $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۱}{۶}$

باقی = ۱ - $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۲}{۳}$

یہ ۲/۳ حقیقی بھائیوں اور بہن میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

ہر حقیقی بھائی کا حصہ = $\frac{۲}{۳}$ × $\frac{۲}{۷}$ = $\frac{۴}{۲۱}$

ہر حقیقی بہن کا حصہ = $\frac{۲}{۳}$ × $\frac{۱}{۷}$ = $\frac{۲}{۲۱}$

گویا اگر جائداد کے ۴۲ سہام کیئے جائیں تو ہر اخیافی بہن کو ۷ اور حقیقی بہن کو ۴ اور ہر حقیقی بھائی کو ۸ سہام ملیں گے۔

مثال نمبر ۱۱:

ایک میت (کلالہ) نے ایک اخیافی بہن اور ایک حقیقی بہن وارث چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۶

حقیقی بہن کا حصہ = ۱/۲

باقی = ۱ - ($\frac{۱}{۶}$ + $\frac{۱}{۲}$) = $\frac{۱}{۳}$

یہ ۱/۳ بھی اخیافی اور حقیقی بہن میں ان کے حصوں کی نسبت کے لحاظ سے انہیں

لوٹا دیا جائے گا۔اس لئے اخیافی بہن کا کل حصہ = ۱/۴ اور حقیقی بہن کا کل حصہ = ۳/۴

مثال نمبر۱۲:

ایک میت (کلالہ) نے دو اخیافی بھائی، ایک حقیقی بھائی اور ایک علاتی بھائی وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دو اخیافی بھائیوں کا حصہ = ۱/۳

ایک اخیافی بھائی کا حصہ = ۱/۶

حقیقی بھائی کا حصہ = $(۱ - \frac{۱}{۳}) = \frac{۲}{۳}$

علاتی بھائی محروم

مثال نمبر۱۳:

ایک میت (کلالہ) نے خاوند، والدہ، دو اخیافی بھائی اور دو حقیقی بھائی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

خاوند کا حصہ = ۱/۲

دو اخیافی بھائیوں کا حصہ = ۱/۳

دونوں حقیقی بھائی محروم رہتے ہیں، کیونکہ جائداد مندرجہ بالا ذوی الفروض میں ہی ختم ہو جاتی ہے۔

نوٹ: جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہے۔بعض علماء کے نزدیک اخیافی بہن، بھائیوں کی موجودگی میں حقیقی بھائی بہن محروم رہ جاتے ہیں جبکہ میت کے اخیافی بہن بھائی حصے پاتے ہیں۔لیکن ایک روایت میں ایسی صورتوں کے لئے جائداد کو ایسے طریق پر تقسیم کرنا بھی تسلیم کیا گیا ہے جس سے حقیقی بہن بھائی محروم نہیں ہوتے اور وہ روایت یہ ہے۔

"اَخْرَجَ الْحَاكِمُ عَنْ عُمَرَؓ وَ عَلِيٍّؓ وَ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ وَزَيْدٍؓ فِيْ اُمٍّ وَّ زَوْجٍ وَّ اِخْوَةٍ لِاَبٍ وَّاُمٍّ وَّ اِخْوَةٍ لِاُمٍّ اَنَّ الْاِخْوَةَ مِنَ الْاَبِ وَالْاُمِّ شُرَكَاءُ الْاِخْوَةِ مِنَ الْاُمِّ فِيْ ثُلُثِهِمْ وَذٰلِكَ اَنَّهُمْ قَالُوْا هُمْ بَنُوْ اُمٍّ كُلُّهُمْ وَلَمْ تَزِدْهُمُ الْاَبُ اِلَّا قُرْبًا فَهُمْ شُرَكَاءُ

فِے الثُّلُثِ"

(درمنثور سورۃ النساء تحت آیت الکلالۃ)

''حاکم نے (اپنی کتاب مستدرک میں بسلسلہ سند) حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور زیدؓ (ابن حارثہ) سے روایت کی ہے کہ فوت ہونے والا شخص اگر ورثاء ذیل چھوڑ جائے یعنی ماں اور خاوند (یا بیوی) اور حقیقی بھائی اور مادری بھائی تو ان مادری بھائیوں کے تہائی حصہ میں حقیقی بھائی بھی شریک ہوں گے یہ فتویٰ انہوں نے اس بناء پر دیا کہ یہ سب ایک ماں کی اولاد ہیں اور باپ نے تو حقیقی بھائیوں کی قرابت کو اور بھی بڑھا دیا ہے (اس لئے وہ ورثہ سے کیوں محروم رہیں) پس وہ مادری بھائیوں کے ساتھ ان تہائی حصہ میں شریک ہیں۔''

(بحوالہ تفسیر درمنثور مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۶ھ زیر آیت کلالہ سورۃ نساء)

اس روایت کی روشنی میں حقیقی اور اخیافی بھائی ۱/۳ حصہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔ اس لئے ہر ایک کو جائداد کا ۱/۱۲ حصہ ملے گا۔ اس طرح حقیقی بھائی جن کی قوتِ قرابت اخیافی بھائیوں کی نسبت زیادہ ہے محروم نہیں ہوتے۔

۵۔ زوجہ کا حصہ

خاوند کی طرح بیوی بھی اپنے خاوند کے ترکہ سے کبھی محروم نہیں ہوتی البتہ اس کا حصہ حالات کے مطابق کم یا زیادہ ہو جاتا ہے اور اس کی بھی صرف دو صورتیں ہیں۔

الف۔ اگر خاوند کی اولاد ہو (خواہ کسی بھی بیوی کے بطن سے ہو) تو موجودہ بیوی کو یا موجودہ تمام بیویوں کو ترکہ کا ۱/۸ حصہ ملتا ہے۔

ب۔ اگر اولاد (کسی بیوی سے بھی) نہ ہو تو پھر انہیں ترکہ کا ۱/۴ حصہ ملتا ہے۔

نوٹ: بیوی کو حصہ دیتے وقت صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ خاوند کی اولاد ہے یا نہیں یہ ضروری نہیں کہ اولاد موجودہ بیوی سے ہی ہو وہ کسی بھی بیوی کے بطن سے ہو سکتی ہے۔ خواہ وہ بیوی زندہ ہو یا نہ ہو۔ اس لئے جب بھی کوئی اولاد ہو تو زوجہ کو ۱/۸ حصہ ملے گا۔ اور اگر کوئی اولاد نہیں تو اس صورت میں بیوی کو یا بیویوں کو ۱/۴ حصہ ملے گا۔ جس میں یہ سب برابر کی

شریک ہوں گی۔

مثلاً اگر ایک میت تین لڑکے اور دو لڑکیاں جو اس کی پہلی فوت شدہ بیوی کے بطن سے ہیں چھوڑے اور موجودہ بیوی سے کوئی اولاد نہ ہو تو اس صورت میں موجودہ بیوی کو خاوند کی جائیداد کا ۱/۸ حصہ ہی ملے گا۔

مثال نمبر۱۴:

ایک میت نے دو بیویاں چھوڑیں۔ پہلی بیوی کے بطن سے ایک لڑکا اور دوسری کے بطن سے ایک لڑکی موجود ہے اس صورت میں دونوں موجودہ بیویوں کو جائیداد کے ۱/۸ حصہ دیا جائے گا جسے یہ دونوں (بیویاں) باہم برابر تقسیم کر لیں گی۔

اس لئے ہر ایک بیوی کا حصہ = ۱/۱۶

مثال نمبر۱۵:

ایک میت کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں۔ دوسری بیوی سے ایک لڑکی ہے اگر بوقت وفات اس کی پہلی بیوی ہی زندہ ہو تو اسے بھی ترکہ کا ۱/۸ حصہ ہی ملے گا۔

مثال نمبر۱۶:

ایک میت نے چار بیویاں چھوڑیں جن میں سے صرف تیسری بیوی کے بطن سے ایک لڑکا موجود ہے اس لئے یہاں بھی چاروں بیویوں کو ۱/۸ حصہ ملے گا۔ جو ان سب میں برابر برابر تقسیم ہو جائے گا اس لئے ہر بیوی کا حصہ = $\frac{۱}{۸} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۱}{۳۲}$

مثال نمبر۱۷:

ایک شخص کے ہاں پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں اس نے دوسری شادی کی پھر بھی اولاد نہ ہوئی پھر تیسری شادی کی اسی طرح چوتھی کی، لیکن اولاد نہ ہوئی۔ پھر یہ شخص وفات پا گیا۔ چونکہ کسی بھی زوجہ کے بطن سے اس کی اولاد نہیں اس لئے اس کی تمام بیویاں ترکہ کے ۱/۴ میں (برابر کی) شریک ہوں گی۔ لہٰذا ہر ایک بیوی کا حصہ = $\frac{۱}{۴} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۱}{۱۶}$

ان تمام نہایت آسان اور عام فہم مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ خاوند کی کوئی اولاد بھی ثابت ہو جائے تو بیوی یا بیویوں کا حصہ ۱/۴ کی بجائے ۱/۸ ہو جاتا ہے یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور وہ عدت کے دن

گزار رہی ہوتو خاوند کا انتقال ہو جائے تو اس بیوی کو اس خاوند کی جائداد سے اپنا شرعی حصہ پانے سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ اس طلاق کا اعلان خاوند نے تندرستی میں کیا ہو یا بیماری میں اس بیوی کو اس کا حصہ ضرور ملے گا۔ کیونکہ عدت کے ایام کے دوران عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی وہ پہلے ہی خاوند کی زوجہ سمجھی جاتی ہے تو پھر اس اثناء میں وہ جائداد سے کیونکر محروم کی جا سکتی ہے۔ اسے حسب قواعد بالا جنہیں مثالوں سے بھی واضح کیا گیا ہے اپنا حصہ ملے گا۔

اسی طرح عورت اگر خود طلاق (خلع) مانگے اور خاوند دے دے تو پھر اگر عدت کے دوران بیوی کا انتقال ہو جائے تو خاوند بیوی کے ترکہ میں اپنے حصہ کا وارث ہوگا۔ جیسا کہ خاوند کے انتقال ہو جانے کی صورت میں بیوی اس کے ترکہ میں اپنے حصہ کی وارث ہوتی ہے کیونکہ دوران عدت وراثت کے لحاظ سے عورت اپنے سابقہ خاوند کی ہی بیوی شمار ہوتی ہے۔

۶۔ والدہ کا حصہ

اسی طرح والدہ بھی کسی دوسرے رشتہ دار کی موجودگی کی بناء پر اپنے بیٹے یا بیٹی کے ترکہ سے نہ تو کلیتاً محروم ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی صورت میں اس کا حصہ قابل تقسیم ترکہ کے ۱/۶ حصہ سے کم ہو سکتا ہے بلکہ بعض حالات میں ۱/۶ حصہ سے زیادہ مل جاتا ہے۔

والدہ کی میراث کی حسب ذیل صورتیں ہیں۔

الف۔ اگر میت کی کوئی اولاد (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی) موجود ہو تو ماں کو میت کی جائداد کا (۱/۶) چھٹا حصہ ملتا ہے۔

ب۔ اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بہن بھائی ہوں (یہ بھائی بہن خواہ کسی قسم کے ہوں عینی ہوں، علاتی ہوں یا اخیافی ہوں) والدہ کو میت کے ترکہ کا ۱/۶ حصہ ہی ملے گا۔

ج۔ اگر کسی متوفی یا متوفیہ نے زوج، والد اور والدہ یا زوجہ، والد اور والدہ ورثا چھوڑے ہوں تو پھر زوج یا زوجہ کو ان کا شرعی حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا ۱/۳ ماں کا حصہ ہے۔

د۔ اگر مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی بھی صورت نہ ہو یعنی نہ میت کے بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی وغیرہ زندہ ہیں نہ دو یا دو سے زائد کسی قسم کے بہن بھائی موجود ہیں اور نہ ہی میت کی زوج یا زوجہ ہے تو اس صورت میں میت کی والدہ کو کل مال کا ایک تہائی

(۱/۳) ملے گا۔

مثال نمبر ۱۸:

ایک میت نے والدہ، والد، بیوی، دولڑکے اور ایک لڑکی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

والد کا حصہ = ۱/۶

بیوی کا حصہ = ۱/۸

باقی = $۱-(\frac{۱}{۶}+\frac{۱}{۶}+\frac{۱}{۸})=۱-\frac{۱۱}{۲۴}=\frac{۱۳}{۲۴}$

یہ ۱۳/۲۴ حصہ کے دولڑکوں اور لڑکی میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے۔

مثال نمبر ۱۹:

ایک میت نے والدہ، والد اور دو بہنیں وارث چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

والد کا حصہ = باقی تمام یعنی ۵/۶

بہنیں والد کی موجودگی کی وجہ سے محروم رہیں گی۔ اس لئے اگر جائداد کے چھ سہام کئے جائیں تو ایک سہم والدہ کا اور پانچ سہام والد کے ہوں گے۔

مثال نمبر ۲۰:

ایک میت نے والدہ، والد، خاوند وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

خاوند کا حصہ = ۱/۲

باقی = $۱-\frac{۱}{۲}=\frac{۱}{۲}$

والدہ کا حصہ = $\frac{۱}{۲}$ کا $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۱}{۶}$

والد کا حصہ = باقی = $\frac{۱}{۳}$

یعنی اگر جائداد کے چھ سہام کئے جائیں تو خاوند کو ۳، والدہ کو ایک اور والد کو دو

سہام ملیں گے۔

مثال نمبر ۲۱:

ایک میت نے والدہ، والد اور بیوی وارث چھوڑے۔ ہر کا حصہ بتاؤ۔

بیوی کا حصہ = ۱/۴

باقی = ۱ - $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۳}{۴}$

والدہ کا حصہ = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۱}{۴}$

والد کا حصہ = باقی = $\frac{۱}{۲}$

اگر جائداد کے ۴ سہام کئے جائیں تو والدہ کا ایک، والد کے دو اور زوجہ کا ایک سہم ہوگا۔

۷۔ بیٹی کا حصہ

بیٹی بھی کبھی کسی وارث کی موجودگی کی وجہ سے محروم نہیں ہوتی کبھی یہ عصبہ بالغیر (جس کا ذکر اگلے باب میں آئے گا) ہوتی ہے اور کبھی ذوی الفروض میں شمار ہوتی ہے اس کی وراثت کی تین صورتیں ہیں۔

الف۔ اگر میت کی صرف اور صرف ایک بیٹی ہو تو وہ ترکہ کا نصف (۱/۲) حاصل کرتی ہے۔ اور اگر میت کا اس کے سوا اور کسی قسم کا کوئی وارث نہ ہو تو یہ کل مال حاصل کر لیتی ہے ۱/۲ بطور ذوی الفروض کے اور باقی ۱/۲ بھی مسئلہ رد کے مطابق (جس کا ذکر آگے آئے گا) اسے ہی دے دیا جائے گا۔

ب۔ اگر میت کی بیٹیاں ہی بیٹیاں ہوں جو دو یا دو سے زائد ہوں (بیٹا کوئی نہ ہو) تو پھر یہ ترکہ کے ۲/۳ حصہ (دو ثلث) حاصل کرتی ہیں۔ جو ان میں باہم برابر تقسیم ہوتا ہے۔

ج۔ اگر میت کا کوئی بیٹا بھی ان کے ساتھ موجود ہو تو پھر بیٹے کی وجہ سے بیٹیاں بھی عصبہ بن جاتی ہیں جسے عصبہ بالغیر کہتے ہیں۔ اس صورت میں ذوی الفروض کے حصے ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ بیٹے، بیٹیوں میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم کر دیا جاتا ہے گویا ترکہ میں بیٹے، بیٹیوں کا حصہ معین نہیں ہوتا۔ ان کا حصہ موجود ذوی

الفروض کی تعداد اور ان کی اپنی تعداد کے اعتبار سے کم و بیش ہوتا رہتا ہے مگر ہر حال میں بیٹے کا حصہ بیٹی سے دُگنا ہوتا ہے یعنی حصوں کے لحاظ سے ایک بیٹا دو بیٹیوں کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

مثال نمبر۲۲:

ایک میت نے والد، زوجہ اور ایک بیٹی ورثا چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

والد کا حصہ = ۱/۶

باقی = $۱-(\frac{۱}{۸}+\frac{۱}{۲}+\frac{۱}{۶})=۱-\frac{۴+۱۲+۳}{۲۴}=\frac{۵}{۲۴}$

یہ ۲۴/۵ حصہ والد کو بطور عصبہ مل جاوے گا۔ اس طرح والد کا کل حصہ $\frac{۱}{۶}+\frac{۵}{۲۴}=\frac{۹}{۲۴}=\frac{۳}{۸}$ یعنی اگر جائداد کے ۸ حصے کئے جائیں تو بیوی کا ایک، بیٹی کے چار اور باپ کے تین حصے ہوں گے۔

نوٹ: ایسے سوالوں کو مختصر طریق سے اس طرح بھی حل کیا جا سکتا ہے۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

والد کا حصہ = باقی تمام $=۱-(\frac{۱}{۲}+\frac{۱}{۸})=۱-\frac{۱+۴}{}=\frac{۳}{۸}$

یعنی جائداد کے کل آٹھ سہام میں سے ایک بیوی کا ۴ بیٹی کے اور تین والد کے ہوں گے۔

مثال نمبر۲۳:

ایک میت نے والدین اور ۲ لڑکیاں چھوڑیں اگر اس کا ترکہ ۹۰۰۰ روپے ہو جس میں سے ۱/۳ کی وصیت کسی انجمن کے نام کی ہوئی ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

۲ بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳ ہر ایک لڑکی کا حصہ $=\frac{۲}{۳}\times\frac{۱}{۲}=\frac{۱}{۳}$

والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

گویا تمام جائداد ذوی الفروض میں ہی پوری تقسیم ہو جائے گی مگر تقسیم سے پہلے ادائیگی وصیت لازمی ہے

اس لئے وصیت کی رقم = ۹۰۰۰ × ۱/۳ = ۳۰۰۰ روپے

باقی ترکہ قابل تقسیم مابین ورثاء = ۹۰۰۰ - ۳۰۰۰ = ۶۰۰۰ روپے

۶۰۰۰ میں ہر ایک بیٹی کا حصہ = ۶۰۰۰ × ۱/۳ = ۲۰۰۰ روپے

۶۰۰۰ میں والد کا حصہ = ۶۰۰۰ × ۱/۶ = ۱۰۰۰ روپے

۶۰۰۰ میں والدہ کا حصہ = ۶۰۰۰ × ۱/۶ = ۱۰۰۰ روپے

مثال نمبر ۲۵:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، والد، پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں وارث چھوڑے اس کا ترکہ ۵۰۰۰ روپے ہے قرضہ ۱۰۰۰ روپیہ ہے اور ۱/۱۰ کی وصیت بنام انجمن ہے۔ ہر ایک وارث کا حصہ بتائیے۔

والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی = ۱ - (۱/۸ + ۱/۶ + ۱/۶) = ۱ - (۳+۴+۴)/۲۴ = ۱۳/۲۴

یہ ۱۳/۲۴ عصبات میں تقسیم ہوگا۔ یہاں عصبہ ۵ لڑکے اور ۳ لڑکیاں ہیں۔ ان میں یہ ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔ اس لئے ۱۳ حصوں میں سے دو حصے ہر لڑکے کو اور ایک حصہ ہر لڑکی کو ملے گا۔

ایک لڑکے کا حصہ = ۱۳/۲۴ × ۲/۱۳ = ۲/۲۴ = ۱/۱۲

ایک لڑکی کا حصہ = ۱۳/۲۴ × ۱/۱۳ = ۱/۲۴

قرضہ = ۱۰۰۰ روپے

وصیت کی رقم = ۴۰۰۰ × ۱/۱۰ = ۴۰۰ روپے

قابل تقسیم ترکہ = ۵۰۰۰ - ۱۰۰۰ - ۴۰۰ = ۳۶۰۰ روپے

ترکہ میں والد کا حصہ = ۳۶۰۰ × ۱/۶ = ۶۰۰ روپے

ترکہ میں والدہ کا حصہ = ۳۶۰۰ × $\frac{۱}{۶}$ = ۶۰۰ روپے

زوجہ کا حصہ = ۳۶۰۰ × $\frac{۱}{۸}$ = ۴۵۰ روپے

ہر لڑکے کا حصہ = ۳۶۰۰ × $\frac{۲}{۲۴}$ = ۳۰۰ روپے

ہر لڑکی کا حصہ = ۳۶۰۰ × $\frac{۱}{۲۴}$ = ۱۵۰ روپے

نوٹ: اگر میت مرد ہے تو یہ تمیز نہیں ہوگی کہ بیٹے بیٹیاں یا صرف بیٹے یا صرف بیٹیاں اس کی کس بیوی سے ہیں اگر وہ اس کی اولاد ہیں تو خواہ وہ کسی بھی بیوی سے ہوں تقسیم مندرجہ بالا طریق سے ہی ہوگی۔

اسی طرح اگر میت عورت ہے تو اس سے بحث نہیں کہ بیٹے بیٹیاں وغیرہ کس خاوند سے ہیں اس کے پہلے خاوند سے ہیں یا موجودہ خاوند سے وراثت کے لئے متوفیہ سے صرف ان کا تعلقِ رحم مدنظر رکھا جاتا ہے۔

۸۔ پوتی کا حصہ

عام طور پر بیٹے کی بیٹی کو پوتی کہتے ہیں۔ لیکن وراثتی اصطلاح میں پوتے اور پڑپوتے کی بیٹی کو بھی پوتی ہی کہتے ہیں۔ میت کے بیٹے کی موجودگی میں پوتی وارث نہیں ہوتی اسی طرح دو بیٹیوں کی موجودگی میں بھی وہ وارث نہیں ہوتی پوتی کی میراث کی مختلف صورتیں یہ ہیں۔

۱۔ اگر میت کی صرف ایک بیٹی ہو (کوئی بیٹا پوتا وغیرہ نہ ہو) اور ایک پوتی ہو تو پوتی کو ۱/۶ حصہ ہی ملتا ہے جس میں یہ تمام برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ (تکملۃ للثلثین)

۳۔ اگر میت کی دو یا دو سے زائد بیٹیاں ہوں اور بیٹا، پوتا موجود نہ ہو۔ تو پوتیاں بالکل محروم ہوتی ہیں۔

۴۔ اگر میت کا بیٹا، بیٹی وغیرہ موجود نہ ہوں صرف ایک پوتی ہو تو وہ بیٹی کی طرح ترکہ کا نصف (۱/۲) حاصل کرے گی۔ اگر پوتی نہ ہو تو ایک پڑپوتی ہو تو وہ بھی ۱/۲ حصہ حاصل کرے گی۔

۵۔ اگر میت کا بیٹا، بیٹی وغیرہ کوئی موجود نہیں اور دو یا دو سے زائد پوتیاں موجود ہیں تو ان کو بیٹیوں کی طرح کل ترکہ کا ۲/۳ حصہ دیا جائے گا جو وہ باہم برابر برابر تقسیم

کر لیں گی۔

۶۔ اگر میت کا بیٹا، بیٹی کوئی نہ ہو، پوتی یا کئی پوتیاں ہوں اور ان کے ساتھ کوئی پوتا بھی ہو تو پھر پوتے کی موجودگی کی وجہ سے عصبہ (بالغیر) بن جاتی ہیں اور ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ ان میں لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ کے تحت تقسیم ہو جائے گا۔

۷۔ اگر صورت نمبر ۶ میں پوتیوں کے ساتھ کوئی پوتا تو موجود نہیں مگر پڑپوتا موجود ہے تب بھی یہ (پوتیاں) عصبہ بالغیر بن جاتی ہیں اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی بچے یہ آپس میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم کر لیتے ہیں۔

نوٹ: الف اگر میت کا کوئی بیٹا موجود ہے تو پوتیاں، پڑپوتیاں وغیرہ سب محروم رہیں گی اسی طرح اگر میت کی پوتیاں موجود ہیں تو پُر پوتیاں محروم ہوں گی۔ اگر پُر پوتیاں ہیں تو سکڑ پوتیاں محروم ہوں گی۔علیٰ ہذا القیاس۔

ب۔ پوتیوں کی وراثت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمام پوتیاں ایک ہی بیٹے کی اولاد ہوں یا سب پڑپوتیاں ایک ہی پوتے کی اولاد ہوں اگر مختلف بیٹوں کی بیٹیاں اور بیٹے ہیں تب بھی تقسیم انہی اصولوں پر ہوگی۔ اس لئے ایک باپ کے تمام بیٹوں کی اولاد کو اکٹھا دیکھا جائے گا کہ اس کے کتنے پوتے پوتیاں یا (صرف پڑپوتے، پڑپوتیاں) ہیں پھر اس کے مطابق پوتے اور پوتیوں کو حصہ دیا جائے گا اس طرح کہ پوتے کے دو حصے اور پوتی کا ایک حصہ مثلاً زید کے دو بیٹے تھے۔ رفیق اور لئیق اور رفیق کے پانچ لڑکے ہیں اور لئیق کی صرف ایک لڑکی ہے۔ لہٰذا زید کے ترکہ کی تقسیم یوں ہوگی کہ ذوی الفروض کے حصوں کی ادائیگی کے بعد جو باقی بچے گا وہ ان پانچ پوتوں اور ایک پوتی میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا یعنی پانچ پوتوں کو دس حصے اور پوتی کو صرف ایک حصہ دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک شخص اپنے پیچھے ایک بیٹا، دوسرے بیٹے کے چند بیٹے اور تیسرے بیٹے کی کچھ بیٹیاں چھوڑ جائے تو پھر تمام پوتیاں خواہ میت کے کسی بیٹے کی اولاد ہوں میت کے اپنے بیٹے کے سامنے محروم رہیں گی۔ اور چونکہ کوئی اور وارث نہیں اس لئے تمام ترکہ بیٹا ہی حاصل کرے گا۔

مثال نمبر ۲۶:

ایک میت نے والدین اور تین پوتیاں (ایک ایک بیٹے سے اور دو ، دوسرے بیٹے سے ایک) وارث چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

تین پوتیوں کا حصہ = ۲/۳

اس لئے ہر ایک پوتی کا حصہ = $\frac{۲}{۳} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۲}{۹}$

گویا جائداد کے ۱۸ سہام کئے جائیں تو والد کے ۳ سہام والدہ کے ۳ سہام اور ہر ایک پوتی کے ۴ سہام ہوں گے۔

مثال نمبر ۲۷:

ایک متوفی نے والدین ایک بیٹی اور ۴ پوتیاں وارث چھوڑیں۔ ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

چار پوتیوں کا حصہ = ۱/۶ ہر ایک پوتی کا حصہ = ۱/۲۴

یعنی جائداد کے کل ۲۴ سہام میں سے والد کے ۴ سہام والدہ کے ۴ سہام بیٹی کے ۱۲ سہام اور ہر ایک سہم پوتی ملے گا۔

مثال نمبر ۲۸:

ایک میت نے والد، والدہ، ۲ پوتیاں، ایک پڑپوتی اپنے ورثاء چھوڑے اس کے ترکہ میں ہر وارث کا حصہ بتائیے۔

والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

پوتیوں کا حصہ = ۲/۳

ہر ایک کا حصہ = ۱/۳

پڑپوتی محروم (پوتیوں کی وجہ سے محجوب ہے)

اس لئے اگر جائداد کے چھ حصے کئے جائیں تو ایک حصہ والدہ کا اور دو دو حصے دو پوتیوں کے ہوں گے۔

مثال نمبر ۲۹:

ایک میت نے مندرجہ ذیل ورثا چھوڑے۔

ماں، باپ، پوتی، پڑپوتی ہر ایک کے حصے بتاؤ۔

حل: والدہ کا حصہ = ۱/۶ یعنی جائداد کے اگر چھ
والد کا حصہ = ۱/۶ سہام کئے جائیں تو والد
پوتی کا حصہ = ۱/۲ کا ایک سہم والدہ کا ایک
پڑپوتی کا حصہ = ۱/۶ سہم پوتی کے تین سہام
پڑپوتی کا ایک سہم ہوگا۔

نوٹ:[۱] وراثت کا جو قاعدہ بیٹیوں اور پوتیوں میں ہے وہی بیٹیوں کے نہ موجود ہونے کی صورت میں اعلیٰ درجہ کی پوتیوں اور ادنے درجہ کی پوتیوں سے متعلق ہوگا۔ اس مثال میں پوتی صرف ایک ہے اس لئے پڑپوتی اس کی وجہ سے مجحوب نہیں ہوئی اسے ۱/۶ ملا جیسا کہ پوتی کو ایک بیٹی کے ہوتے ہوئے ۱/۶ ملتا ہے جو پوتی کے ۱/۲ کے ساتھ مل کر (۱/۲ + ۱/۲) = ۲/۳ [۲] ہو جاتا ہے۔ اور یہی بیٹیوں کے نہ ہونے کی صورت میں پوتیوں کا کامل حصہ ہے۔

مثال نمبر ۳۰:

ایک میت نے زوجہ، والدین، تین پوتے اور سات پوتیاں چھوڑیں اگر اس کا ترکہ قابل تقسیم مابین ورثاء ۲۰۰ ۷ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

پوتیاں پوتوں کی وجہ سے عصبہ بالغیر بن جاتی ہیں اس لئے ذوی الفروض کو ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ ان میں ۲:۱ کی نسبت ہوگا۔

ذوی الفروض کے حصے:۔ زوجہ کا حصہ = ۱/۸
والد کا حصہ = ۱/۶
والدہ کا حصہ = ۱/۶

---

[۱] سراجیہ (۱۸) [۲] اس جگہ اگر دو پوتیاں ہوتی پڑپوتی بالکل مجحوب ہو جاتی۔

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۶}) = ۱ - \frac{۴+۴+۳}{۲۴} = \frac{۱۳}{۲۴}$

یہ $\frac{۱۳}{۲۴}$ حصہ عصبہ میں تقسیم ہوگا۔ اس طرح کہ ہر پوتے کو دو حصے اور پڑپوتی کو ایک حصہ اس لئے

ایک پوتے کا $\frac{۱۳}{۲۴}$ میں حصہ $= \frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۲}{۱۳}$

ایک پوتے کا $\frac{۱۳}{۲۴}$ میں حصہ $= \frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۲}{۱۳} = \frac{۲}{۲۴} = \frac{۱}{۱۲}$

ایک پوتی کا $\frac{۱۳}{۲۴}$ میں حصہ $= \frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۱}{۱۳} = \frac{۲}{۲۴}$

۷۲۰۰ روپے میں زوجہ کا حصہ = ۷۲۰۰ × ۱/۸ = ۹۰۰ روپے

۷۲۰۰ روپے میں والد کا حصہ = ۷۲۰۰ × ۱/۶ = ۱۲۰۰ روپے

۷۲۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۷۲۰۰ × ۱/۶ = ۱۲۰۰ روپے

۷۲۰۰ روپے میں ایک پوتے کا حصہ = ۷۲۰۰ × ۱/۱۲ = ۶۰۰ روپے

۷۲۰۰ روپے میں ایک پوتی کا حصہ = ۷۲۰۰ × ۱/۲۴ = ۳۰۰ روپے

نوٹ: اگر پوتا موجود نہ ہو پڑپوتا موجود ہو تب بھی پوتیاں پڑپوتے کی وجہ سے عصبہ بن جاتی ہیں اور تقسیم اسی طریق سے ہوتی ہے کہ مرد کو دُگنا اور عورت کو اکہرا حصہ ملتا ہے۔

مثال نمبر ۳۱:

ایک میت نے زوجہ، والدین، تین پوتیاں اور ایک پڑپوتا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۶}) = ۱ - \frac{۱۱}{۲۴} = \frac{۱۳}{۲۴}$

پوتیاں پڑپوتے کی وجہ سے عصبہ ہوں گی۔ اس لئے یہ ۱۳/۲۴ حصہ ان میں ۱:۲ کی نسبت سے تقسیم ہوگا پس

پڑپوتے کا حصہ $= \frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۲۶}{۱۲۰}$

ہر پوتی کا حصہ $= \frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۱۳}{۱۲۰}$

اگر جائیداد کے ۱۲۰ سہام کئے جائیں تو زوجہ ۱۵ سہام، والد کو ۲۰ سہام والدہ کو ۲۰ سہام پڑپوتے کو ۲۶ سہام اور ہر پوتی کو ۱۳ سہام ملیں گے۔

مثال نمبر ۳۲:

ایک میت نے خاوند، پوتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ؟

خاوند کا حصہ	=	۱/۲
پوتی کا حصہ	=	۱/۲

۹۔ حقیقی ہمشیرہ (عینی ہمشیرہ) کا حصہ

الف۔ اگر میت کے بیٹے، بیٹی، پوتے، پوتی وغیرہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو اور نہ باپ دادا ہوں صرف ایک ہمشیرہ حقیقی ہو تو وہ ترکہ کا نصف ۱/۲ حصہ لیتی ہے۔

ب۔ اگر میت کے بیٹے، بیٹی، پوتے، پوتی وغیرہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو نہ باپ دادا ہوں البتہ دو یا دو سے زائد حقیقی ہمشیرہ ہوں تو پھر وہ ترکہ کا ۲/۳ حصہ لیتی ہیں جسے باہم برابر برابر تقسیم کر لیتی ہیں۔

ج۔ اگر میت کی بیٹی، پوتی، پڑپوتی اور سکڑ پوتی (ایک یا ایک سے زیادہ) ایک حقیقی ہمشیرہ اور بعض ذوی الفروض موجود ہوں، لیکن باپ دادا نہ ہوں تو اس صورت میں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ میت کی ہمشیرہ کو مل جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ عصبہ بن جاتی ہے۔ مثلاً ایک میت نے زوجہ، بیٹی اور حقیقی ہمشیرہ اپنے ورثاء چھوڑے تو زوجہ کو ۱/۸ بیٹی کو ۱/۲ اور باقی $۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۲})$ $۱ - \frac{۵}{۸} = \frac{۳}{۸}$ ہمشیرہ کو مل جائے گا۔ اسی طرح اگر بیٹی نہ ہو۔ پوتی یا پڑپوتی ہو تب بھی باقی ماندہ حصہ ہمشیرہ کو مل جائے گا۔

د۔ اگر میت کے کوئی حقیقی بھائی بھی حقیقی بہن کے ساتھ موجود ہوں تو پھر یہ بہن بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جائے گی۔ اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے اسے یہ بہن بھائی **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت آپس میں تقسیم کر لیں گے۔

مثال نمبر ۳۳:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، ایک بیٹی ایک حقیقی ہمشیرہ اور دو حقیقی بھائی اپنے ورثاء چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔[۱]

---

[۱] یہ شق ''د'' کی مثال ہے۔ باقی شقوں کی مثالیں پہلے آ چکی ہیں۔

زوجہ کا حصہ = ١/٨

والدہ کا حصہ = ١/٦

بیٹی کا حصہ = ١/٢

باقی = $\frac{٥}{٢٤} = \frac{١٢+٤+٣-١}{٢٤} = (\frac{١}{٢} + \frac{١}{٦} + \frac{١}{٨})-١$

یہ ٢٤/٥ حصہ دو بھائیوں اور ایک بہن میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو بہن سے دگنا ملے۔

اس لئے ٢٤/٥ میں ایک بھائی کا حصہ = $\frac{١}{١٢} = \frac{٢}{٢٤} = \frac{٢}{٥} \times \frac{٥}{٢٤}$

اور ٢٤/٥ میں ایک بہن کا حصہ = $\frac{١}{٢٤} = \frac{١}{٥} \times \frac{٥}{٢٤}$

اس لئے اگر جائداد کے ٢٤ حصے کئے جائیں تو زوجہ کو تین حصے والدہ کو ٤ حصے بیٹی کو ١٢ حصے اور ہر بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

ترکہ کی تقسیم کرتے وقت یاد رکھئے کہ حقیقی ہمشیرہ یا ہمشیرگان کو اسی وقت حصہ ملے گا جب کہ میت کے باپ دادا، پڑدادا، یا بیٹا، پوتا پڑپوتا وغیرہ موجود نہ ہوں اگر ان میں سے کوئی بھی موجود ہو تو یہ میراث سے محروم رہیں گی اب وہ حدیث درجہ ذیل کرتا ہوں جس سے ہمشیرہ کا عصبہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

عَنْ هُزَيْلِ ابْنِ شُرَحْبِيْلَ قَالَ سُئِلَ اَبُوْ مُوْسٰیؓ عَنِ ابْنَةٍ وَّ ابْنَةِ ابْنٍ وَّ اُخْتٍ فَقَالَ لِلْاِبْنَةِ النِّصْفُ وَلِلْاُخْتِ النِّصْفُ وَائْتِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَسَيُتَا بِعُنِیْ فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَّ اُخْبِرَ بِقَوْلِ اَبِیْ مُوْسٰی فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ. اَقْضِیْ فِيْهَا بِمَاقَضَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْاِبْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِیَ فَلِلْاُخْتِ فَاُخْبِرَ اَبُوْ مُوْسٰی بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ لَاتَسْئَلُوْنِیْ مَادَامَ هٰذَا الْحِبْرُ فِيْكُمْ. (بخاری کتاب الفرائض)

''ہزیل بن شرجیلؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسٰیؓ سے ایک بیٹی ایک پوتی اور

ایک بہن کے (وراثتی حصوں کے) متعلق پوچھا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ آدھا بیٹی کا اور آدھا بہن کا (حصہ) ہے (یعنی پوتی محروم رہے گی) اور (بے شک) ابن مسعودؓ کے پاس جاؤ۔ وہ ضرور میری (بات کی) تصدیق کریں گے۔ چنانچہ ابن مسعود سے (بھی یہی مسئلہ) دریافت کیا گیا اور حضرت ابوموسیٰؓ کے جواب سے بھی انہیں آگاہ کیا گیا۔ تو انہوں نے (یعنی ابن مسعودؓ نے) فرمایا کہ تب تو میں گمراہ ہوں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں (شمار) نہ ہوں گا۔ (یعنی) اگر میں ابوموسیٰ کے فیصلہ سے اتفاق کروں۔ سو میں تو اس بارہ میں وہی فیصلہ دوں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ کہ بیٹی کا نصف (حصہ ترکہ کا) اور پوتی کا چھٹا (حصہ ہے) جب حضرت ابوموسیٰؓ سے حضرت ابن مسعودؓ کے فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ جب تک یہ عقل مند تم میں موجود ہے۔ مجھ سے (کچھ) نہ پوچھنا۔''

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ایک بیٹی یا ایک بیٹی اور ایک پوتی کے ساتھ حقیقی ہمشیرہ موجود ہو تو پھر وہ عصبہ بن جاتی ہے اور ذوی الفروض کو اُن کے حصے دینے کے بعد جو کچھ باقی بچتا ہے وہ اسے دیا جاتا ہے اسی طرح اگر ایک پوتی اور پڑپوتی کے ساتھ ہمشیرہ موجود ہو تب بھی وہ عصبہ بن جائے گی۔

۱۰۔ علاتی بہن کا حصہ

علاتی ہمشیرہ جن کی تعریف پہلے بھی کئی بار کی جا چکی ہے ان بہنوں کو کہتے ہیں جن کی ماں مختلف ہوں۔ یعنی وہ صرف باپ کی طرف سے نسب میں اشتراک رکھتی ہوں اگر کسی میت کی حقیقی ہمشیرہ موجود نہ ہو علاتی ہو تو پھر علاتی بہن حقیقی ہمشیرہ کی قائم مقام ہوتی ہے۔ حقیقی بہنوں یا حقیقی بھائی کے سامنے تمام علاتی بہن بھائی محروم رہتے ہیں۔ علاتی بہن صرف بیٹی، پوتی کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہے یا علاتی بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بالغیر بنتی ہے۔ چنانچہ مختلف حالات میں اس کے حصے یہ ہیں۔

الف۔ اگر میت کے کوئی بیٹی، پوتی، پڑپوتی یا حقیقی ہمشیرہ موجود نہیں اور صرف ایک علاتی ہمشیرہ ہے تو پھر یہ (حقیقی ہمشیرہ کی طرح) نصف حصہ حاصل کرے گی۔ اگر ایک سے زائد علاتی بہنیں موجود ہوں تو پھر یہ سب کل ترکہ کے ۲/۳ حصہ کی حقدار ہوں گی۔ جسے باہم برابر برابر تقسیم کرلیں گی۔

ب۔ اگر میت کی بیٹی، پوتی یا پڑپوتی خواہ ایک یا زیادہ موجود ہوں اور حقیقی ہمشیرہ کوئی نہ ہو تو پھر یہ عصبہ بن جاتی ہے اور ذوی الفروض کو ان کے حصے ادا کرنے کے بعد جو بچ جاوے وہ اسے دے دیا جاتا ہے (جیسا کہ حقیقی بہن عصبہ بن کر حاصل کرتی ہے)

ج۔ اگر میت کی بیٹی، پوتی، پڑپوتی کوئی بھی موجود نہیں ایک ہمشیرہ حقیقی اور ایک علاتی بہن موجود ہے تو حقیقی بہن کو نصف (۱/۲) اور علاتی بہن کو سدس (۱/۶) حصہ دیا جاتا ہے۔ اگر ایک سے زیادہ علاتی بہنیں ہوں تو پھر یہ سب اسی ۱/۶ حصہ میں برابر کی شریک ہوں گی۔

د۔ اگر میت کی علاتی بہنوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی موجود ہوں خواہ ایسا بھائی ایک ہی ہو (یا زیادہ ہوں) تو پھر یہ بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ بالغیر بن جاتی ہیں اور ذوی الفروض کو اُن کے حصے ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچے **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت ان میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

نوٹ: جو بھائی انہیں عصبہ بناتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ میت کا ان کی طرح ہی علاتی بھائی ہو اگر کوئی حقیقی بھائی موجود ہے تو پھر یہ علاتی بہنیں سب محروم رہیں گی اور اگر کوئی اخیافی بھائی ہے تو نہ وہ خود عصبہ ہوگا اور نہ ہی کسی کو عصبہ بنا سکے گا۔

علاتی بہن حقیقی ہمشیرہ کی قائم مقام ہے اس لئے حقیقی ہمشیرہ کے حصے کی مثالیں علاتی ہمشیرہ کے لئے بھی کافی ہیں۔ مزید مثالیں حل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اخیافی بہن کا حصہ

اخیافی بہن بھائی اس وقت جائداد سے حصہ پاتے ہیں جب میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، باپ، دادا، پڑدادا وغیرہ کوئی بھی موجود نہ ہو ایسی بہنوں کے لئے میراث میں حصہ

پانے کی صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ جو اخیافی بھائی کے حصہ کے بارے میں بھی بیان ہو چکی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

الف۔ اگر صرف ایک اخیافی بہن ہو تو وہ میت کے ترکہ سے چھٹا (۱/۶) حصہ حاصل کرے گا۔

ب۔ اگر دو یا دو سے زیادہ اخیافی بہنیں ہوں یا اخیافی بہن بھائی ملے جلے ہوں تو یہ سب کل ترکہ کا ۱/۳ حاصل کریں گے اور سب اس ۱/۳ میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ اس ۱/۳ حصہ کو تقسیم کرتے وقت اخیافی بہن بھائیوں میں تذکیر و تانیث کی تمیز نہیں کی جاتی اب چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں جن سے مختلف حالات میں بہنوں (عینی، علاتی، اخیافی) کے حصوں کی تشریح ہو جائے گی۔

مثال نمبر ۳۴:

ایک میت نے والدہ، دو حقیقی بہنیں، ایک علاتی بہن اور ایک اخیافی بہن ورثاء چھوڑے اگر اس کا ترکہ قابل تقسیم مابین ورثاء ۳۶۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

دو حقیقی بہنوں کا حصہ = ۲/۳ (کیونکہ بیٹی پوتی وغیرہ کوئی نہیں)

اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۶

علاتی بہن محروم (کیونکہ حقیقی بہن کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے)

۳۶۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ $= ۳۶۰۰ \times \frac{۱}{۶} = ۶۰۰$ روپے

ہر ایک حقیقی بہن کا حصہ $= ۳۶۰۰ \times \frac{۲}{۳} \times \frac{۱}{۲} = ۱۲۰۰$ روپے

اخیافی بہن کا حصہ $= ۳۶۰۰ \times \frac{۱}{۶} = ۶۰۰$ روپے

مثال نمبر ۳۵:

ایک میت نے اپنے پیچھے تین علاتی بہنیں اور دو اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن چھوڑی اس کے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

تین علاتی بہنوں کا حصہ = ۲/۳

ایک علاتی بہن کا حصہ = ۲/۳ × ۱/۳ = ۲/۹

دو اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۳

ایک اخیافی بھائی یا بہن کا حصہ = ۱/۳ × ۱/۳ = ۱/۹

(کیونکہ اخیافی بہن بھائیوں کو مساوی حصے ملتے ہیں)

اس لئے اگر ترکہ کے ۹ حصے کئے جائیں تو دو حصے ہر ایک علاتی بہن کو اور ایک ایک حصہ ہر ایک اخیافی بہن بھائی کو ملے گا۔

مثال نمبر ۳۶:

ایک میت نے ایک حقیقی بہن، ۲ علاتی بہنیں اور دو اخیافی بہن بھائی اپنے ورثاء چھوڑے میت کے ترکہ میں ان کے حصے بتایئے۔

حقیقی بہن کا حصہ = ۱/۲

دو علاتی بہنوں کا حصہ = ۱/۶ اس لئے ہر ایک کا حصہ = ۱/۱۲

دو اخیافی بہنوں کا حصہ = ۱/۳ اس لئے ہر ایک کا حصہ = ۱/۶

چونکہ یہاں صرف ایک ہی حقیقی بہن ہے اس لئے علاتی بہنیں محجوب الارث نہیں ہیں۔ انہیں ۱/۶ حصہ ملتا ہے تاکہ حقیقی بہن کے حصے ۱/۲ کے ساتھ مل کر ۲/۳ ہو جائے جو کہ حقیقی بہنوں کا مجموعی حصہ ہے۔ (سراجیہ ۲۱)

یعنی اگر ترکہ کے بارہ میں حصے کریں تو حقیقی بہن کے چھ ہر علاتی بہن کا ایک اخیافی بھائی کے دو اور اخیافی بہن کے دو حصے ہوں گے۔

مثال نمبر ۳۷:

ایک میت نے ایک حقیقی ہمشیرہ ایک علاتی ہمشیرہ اور ایک اخیافی ہمشیرہ وارث چھوڑیں۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

حقیقی ہمشیرہ کا حصہ = ۱/۲

علاتی ہمشیرہ کا حصہ = ۱/۶

اخیافی ہمشیرہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱ − (۱/۲ + ۱/۶ + ۱/۶) = ۱/۶

یہ ۱/۶ بھی ان ہی وارثوں میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم (ردّ) کر دیا جائے گا کیونکہ عصبہ موجود نہیں۔ لہٰذا آخر میں بالترتیب ان کے حصے ۳/۵، ۱/۵ اور ۱/۵ ہوں گے۔

مثال نمبر ۳۸:

ایک شخص کی پہلی والدہ سے صرف ایک بہن ہے دوسری والدہ سے اکیلا وہی ہے (یہ والدہ اس کی حقیقی والدہ ہے) تیسری والدہ سے اس کی دو بہنیں ہیں چوتھی والدہ سے صرف ایک بھائی ہے اس طرح اس کی تین علاتی بہنیں اور ایک علاتی بھائی ہوا۔ اس کی اپنی والدہ کے علاوہ تینوں سوتیلی والدہ بھی زندہ تھیں۔ اس کی جائداد میں ہر ایک وارث کا حصہ بتائیے۔ جب کہ جائداد ۳۰۰۰ روپے کی مالیت کی ہو۔

میت کی حقیقی والدہ کا حصہ = ۱/۶

(تینوں سوتیلی مائیں محروم)

باقی $= ۱ - \frac{۱}{۶} = \frac{۵}{۶}$ یہ $\frac{۵}{۶}$ حصہ

عصبات کا حق ہے جو ایک علاتی بھائی اور تین علاتی بہنوں میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر علاتی بھائی کا حصہ $= \frac{۵}{۶} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۲}{۶} = \frac{۱}{۳}$

ہر علاتی بہن کا حصہ $= \frac{۵}{۶} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۱}{۶}$

۳۰۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۳۰۰۰ × ۱/۶ = ۵۰۰ روپے

۳۰۰۰ روپے میں علاتی بھائی کا حصہ = ۳۰۰۰ × ۱/۳ = ۱۰۰۰ روپے

۳۰۰۰ روپے میں ہر علاتی بہن کا حصہ = ۳۰۰۰ × ۱/۶ = ۵۰۰ روپے

۱۲۔ نانی، دادی کا حصہ

باب پنجم میں وراثتی اصطلاحات کے تحت جدّ صحیح، جد فاسد، جدّہ صحیحہ اور جدہ فاسدہ کی تعریف بیان ہو چکی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ جد فاسد اور جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں شامل ہیں۔ اس لئے وراثت میں ان کے حصہ کا ذکر ذوی الارحام کے باب میں آئے گا۔

جدّ صحیح کا بیان اوپر نمبر۲ کے تحت آ چکا ہے۔ یہاں جدہ صحیحہ کی میراث کا بیان ہوگا۔ جنہیں ہم (اردو میں) نانی یا دادی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کی وراثت کی صرف تین صورتیں ہیں (جدہ صحیحہ میں نانی، دادی، دادا کی ماں، نانی کی ماں وغیرہ سب شامل ہیں۔)

الف۔ نانی ہو یا دادی اس کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ مقرر ہے بشرطیکہ یہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار کی وجہ سے مجوب نہ ہوتی ہو۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہو خواہ والد کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ہوں۔ لیکن ہوں مساوی الدرجہ یعنی ایک ہی درجہ کی ہوں تو یہ سب اس چھٹی (۱/۶) حصہ میں برابر کی حقدار ہوں گی اگر درجہ میں برابر نہیں تو دور کے رشتہ والی کو نزدیکی رشتہ والی محروم کر دے گی جیسے پڑدادی کو دادی محروم کرتی ہے کیونکہ پڑدادی دوسرے درجہ کی ہے۔ اور دادی پہلے درجہ کی۔ دادی کی موجودگی میں پڑنانی بھی محروم ہوگی۔ کیونکہ وہ بھی دوسرے درجہ کی ہے۔ اسی طرح اگر نانی موجود ہو تو پڑنانی، پڑدادی دونوں محروم ہوں گی۔ کیونکہ پڑدادی، پڑنانی دوسرے درجہ کی ہیں اور نانی پہلے درجہ کی۔ ماں کی موجودگی میں ان میں سے کوئی بھی وارث نہ ہوگی۔ نہ نانی نہ دادی، نہ پڑنانی نہ پڑدادی وغیرہ سب محروم رہیں گی۔

ہمارے بعض فقہاء اور علماء کی رائے میں باپ کی موجودگی میں بھی دادی وارث ہوتی ہے، لیکن اکثریت اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ اس امر کے حق میں نہیں ہیں یہ تینوں امام باپ کی موجودگی میں دادی کے حصہ کے قائل نہیں اور صحیح بھی یہی ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادی وارث نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح دادے کی موجودگی میں پڑدادی وارث نہیں ہوسکتی۔

اس بارہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے یعنی جب جدہ ایک سے زیادہ ہوں اور ان میں سے کسی جدہ کا میت سے ایک رشتہ ہو اور کسی دوسری کے دو یا دو سے زیادہ رشتے ہوں مثلاً ایک جدہ نانی کی ماں بھی ہے اور دادے کی ماں بھی اور ایک صرف دادی کی ماں ہے یہ دونوں تیسرے درجہ کی ہیں لیکن میت سے پہلی جدہ کا تعلق دو جہت سے ہے اور دوسری کا صرف ایک جہت سے ہے ایسی صورت میں چھٹا حصہ جو ان سب کو ملے گا اس کی تقسیم میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں یہ چھٹا حصہ تعداد افراد کے لحاظ سے تقسیم ہوگا یعنی جتنی جدہ ہیں اتنے ہی حصے ہوں گے۔ دو جدہ ہیں تو دو برابر حصے ہوں گے تین ہیں تو تین برابر حصے ہوں گے۔ (علیٰ ہذا القیاس)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ چھٹا حصہ تعداد جہات کے لحاظ سے تقسیم ہوگا۔ یعنی میت کے ساتھ جتنے رشتے ہوں گے۔ اتنے ہی حصے ہوں گے۔ میت کے ساتھ جس جدہ کے دو یا تین رشتے ہوں وہ دو یا تین حصے (۱/۶ میں سے) حاصل کرے گی اور جس کا ایک رشتہ ہوگا اس کو صرف ایک حصے ملے گا۔

مثال نمبر ۳۹:

ایک میت نے خاوند، دو اخیافی بھائی، باپ کی نانی اور ماں کی نانی جو کہ باپ کی دادی بھی ہے وارث چھوڑے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

خاوند کا حصہ = ۱/۲

دو اخیافی بھائیوں کا حصہ = ۱/۳

دونو جدہ صیحہ الف۔ باپ کی نانی ب۔ ماں کی نانی اور باپ کی دادی کا حصہ ۱/۶

امام ابو یوسفؒ کے اصول کے مطابق یہ ۱/۶ باپ کی نانی اور ماں کی نانی (جو باپ کی دادی بھی ہے) ہر دو میں برابر تقسیم ہوگا۔ یعنی ہر ایک کو ترکہ کا ۱/۱۲ حصہ ملے گا۔

امام محمدؒ کے اصول کے مطابق یہ ۱/۶ باپ کی نانی اور ماں کی نانی (جو باپ کی دادی بھی ہے) ہر دو میں ۲:۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا کیونکہ متوفی سے دوسری (دادی) کا رشتہ دوہرا (دو جہت سے) ہے۔

اس لئے باپ کی نانی کا حصہ = $\frac{۱}{۶} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۱۸}$

ماں کی نانی اور باپ کی دادی کا حصہ = $\frac{۱}{۶} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۲}{۱۸} = \frac{۱}{۹}$

یعنی اگر جائداد کے ۱۸ سہام کئے جائیں تو خاوند کے نو ہر ایک اخیافی بھائی کے تین، باپ کی نانی کا ایک اور دوسری جدہ کے دو سہام ہوں گے۔

مثال نمبر ۴۰:

ایک میت نے اپنے باپ کی نانی اور ماں کی نانی جو کہ باپ کی دادی بھی ہے

وارث چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

امام ابو یوسفؒ کے اصول کے مطابق کل ترکہ پہلی اور دوسری دادی میں برابر تقسیم ہوگا۔ یعنی ہر ایک کو نصف ملے گا۔

امام محمدؒ کے اصول کے مطابق پہلی دادی کو ایک حصہ اور دوسری کو دو حصے ملیں گے کیونکہ میت سے دوسری کا رشتہ دو جہت سے ہے۔ اس لئے والد کی نانی کا حصہ =۱/۳ ماں کی نانی (باپ کی دادی) کا حصہ =۲/۳

(یہاں جہات کے اعتبار سے تقسیم ہوئی ہے)

مثال نمبر ۴۱:

ایک میت نے دادی، نانی اور باپ اپنے ورثاء چھوڑے اس کے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دادی کا حصہ = صفر (کیونکہ باپ زندہ ہے)

نانی کا حصہ = ۱/۶

باپ کا حصہ = ۱ - ۱/۶ = ۵/۶

(کیونکہ باقی کا تمام ترکہ باپ لے گا)

یعنی اگر جائداد ۶ سہام کئے جائیں تو دادی کو کچھ نہیں ملے گا۔ نانی کو ایک سہم ملے گا اور باقی پانچ سہام والد کے ہوں گے۔

مثال نمبر ۴۲:

ایک میت نے دادی، نانی اور دادا اپنے ورثاء چھوڑے اس کے ترکہ میں ان کے حصے بتاؤ۔

دادی و نانی کا حصہ = ۱/۶

(کیونکہ دادی نانی مساوی الدرجہ ہیں یعنی دوسرے درجہ کی (اس لئے دونوں ہی حقدار ہیں)

لہٰذا دادی کا حصہ = ۱/۱۲

نانی کا حصہ = ۱/۱۲

دادا کا حصہ = ۱ - $\frac{1}{6}$ = $\frac{5}{6}$

یعنی اگر جائداد کے بارہ سہام کئے جائیں تو ایک سہم دادی کا اور ایک سہم نانی کا اور ۱۰ سہام دادا کے ہوں گے۔

اگر کوئی میت دادا کی ماں اور دادا کو اپنے ورثاء چھوڑے تو دادا کی ماں دادا کی وجہ سے مجحوب ہوگی۔ کیونکہ وہ (دادا) درمیان واسطہ ہے اور دادا کی ماں کا رشتہ اسی کے ذریعہ قائم ہوتا ہے۔ اس لئے دادا ہی تمام جائداد کا وارث ہوگا، لیکن اگر دادی کی ماں اور دادا میت کے ورثاء ہوں تو دادی کی ماں جو باپ کی جانب سے جدۂ صحیحہ ہے دادا کی وجہ سے محروم نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ دادای کی قائم مقام ہے اور دادی دادا کی موجودگی سے مجحوب نہیں ہوتی۔

دادی کا ماں کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱ - $\frac{1}{6}$ = $\frac{5}{6}$ یہ تمام باقی حصہ دادا ہی حاصل کرے گا

دو مثالیں اور لیجئے جن سے یہ تمام باتیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں گی۔

مثال نمبر ۴۳:

ایک میت نے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑے۔

دادی، دادا، پڑنانی اور والد ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والد کی وجہ سے دادی دادا محروم ہوں گے۔ (دادی کی وجہ سے جو قریب تر جدہ صحیحہ ہے پڑنانی محروم ہوگی) اس لئے کل متروکہ والد کو ملے گا۔

مثال نمبر ۴۴:

اگر ایک میت کے دادی، دادا اور پڑنانی ورثاء ہوں تو ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

دادی قریبی جدہ صحیحہ ہے اس لئے پڑنانی محروم ہوگی۔

لہٰذا دادی کا حصہ = ۱/۶

دادا کا حصہ = باقی تمام = ۱ - $\frac{1}{6}$ = $\frac{5}{6}$

ایک بات یاد رکھیئے جو خود مجحوب ہو جائے وہ کسی دوسرے وارث کو بھی کلیتًا یا جزاً مجحوب کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی میت کا باپ، دادی اور پڑنانی وارث ہوں تو دادی باپ کی وجہ سے محروم رہتی ہے اور پڑنانی دادی کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کیونکہ دادی قریب تر جدۂ صحیحہ ہے یہ

نسبت پڑنانی کے۔ دادی کو باپ محجوب کرتا ہے اور دادی پڑنانی کو محجوب کردیتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھیئے کہ صرف جدہ صحیحہ ہی ذوی الفروض میں شامل ہیں۔ چار پشتوں تک ہر شخص کی پندرہ دادیوں میں دس جدہ صحیحہ ہیں اور پانچ فاسدہ جیسا کہ سامنے والے نقشہ سے ظاہر ہے۔ جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں شامل ہیں۔

چار پشت تک جدہ صحیحہ کی تفاصیل درج ذیل ہیں:-

۱۔ پہلی پشت میں صرف ایک

والد کی والدہ (دادی) (ام الاب)

۲۔ دوسری پشت میں دو

الف۔ والد کے والد کی والدہ	ب۔ والد کی والدہ کی والدہ
(دادی کی ماں)	(دادی کی ماں یا والد کی نانی)
(ام اب الاب)	(ام ام الاب)

۳۔ تیسری پشت میں تین

الف۔ والد کے والد کے والد کی والدہ	ب۔ والد کے والد کی والدہ کی والدہ	ج۔ والد کی والدہ کی والدہ
(پڑدادا کی ماں)	(پڑدادی کی ماں)	(باپ کی نانی کی ماں)
(ام اب اب الاب)	(ام ام اب الاب)	(ام ام ام الاب)

چوتھی پشت میں چار

الف۔ والد کے والد کے والد کی والدہ	ب۔ والد کے والد کے والد کی والدہ کی والدہ
پڑدادا کی دادی	پڑدادا کی نانی
ام اب اب الاب	ام ام اب اب الاب
ج۔ والد کے والد کی والدہ کی والدہ کی والدہ	د۔ والد کی والدہ کی والدہ کی والدہ کی والدہ
پڑدادی کی نانی	باپ کی نانی کی نانی
(ام ام ام اب الاب)	(ام ام ام ام الاب)

یہ جدہ صیحہ دس ہیں جو ذوی الفروض میں شامل ہیں۔ انہیں حصہ دیتے وقت یاد رکھئے کہ قریب درجہ والی دادی بعید درجہ والی دادی کو محروم کر دیتی ہے۔ مثلاً اوّل درجے والی دوسرے درجہ والی دادیوں کو، دوسرے درجہ والی تیسرے درجہ والیوں کو اور تیسرے درجے والی چوتھے درجہ والی تمام دادیوں کو محروم کر دیتی ہیں اور اگر ایک ہی درجہ میں کئی دادیاں نانیاں موجود ہوں تو وہ سب سدس (۱/۶) حصہ میں برابر کی حصہ دار ہوں گی۔ اگر کوئی نانی نیچے درجہ کی موجود ہو اور دادیاں اوپر والے درجے کی تو یہ نانی ان تمام دادیوں کو محروم کر دے گی۔ مثلاً دوسرے درجہ کی باپ کی نانی تیسرے درجہ کی پڑدادا کی ماں کو محروم کر دے گی۔ یعنی قرب درجہ کی نانی بعید درجہ کی دادی کو محروم کر دے گی۔ نانی صیحہ (جدہ صیحہ) ایک درجہ میں صرف ایک ہی ہوسکتی ہے۔ اس لئے چار پشت تک چار نانیاں صیحہ ہوں گی۔ جو کہ سامنے نقشہ میں دکھائی گئیں ہیں اور نیچے بھی درج ہیں۔

۱۔ پہلی پشت

والدہ کی والدہ

(ام الام)

۲۔ دوسری پشت

والدہ کی والدہ کی والدہ یا نانی کی والدہ یا والدہ کی نانی

ام ام الام

۳۔ تیسری پشت

والدہ کی والدہ کی والدہ کی والدہ یا نانی کی نانی یا ماں کی پڑنانی، پڑنانی کی ماں

ام ام ام الام

۴۔ چوتھی پشت

والدہ کی والدہ کی والدہ کی والدہ کی والدہ یا والدہ کی نانی کی نانی یا نانی کی پڑنانی یا پڑنانی کی نانی

ام ام ام ام الام

دادی۔ نانی کے حصے بیان کرنے کے بعد ذوی الفروض کا بیان ختم ہو جاتا ہے۔ ان تمام ذوی الفروض میں سے (جن کی تعداد بارہ ہے) ۶ ایسے ذوی الفروض ہیں جو مخصوص حالات میں بطور عصبہ بھی ورثہ پاتے ہیں۔ وہ چھ یہ ہیں۔

۱۔ والد
۲۔ جد صحیح
۳۔ بیٹی
۴۔ پوتی
۵۔ حقیقی بہن
۶۔ علاتی بہن (ان کا تفصیلی ذکر عصبات کے باب میں آئے گا۔)

اب ذوی الفروض کے حصوں کو بطور نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد کرنے میں آسانی رہے۔

نقشہ حصہ ذوی الفروض

نمبرشمار	ذوی الفروض	ایک کا حصہ	دو یا دو سے زائد کا حصہ	جن حالات میں معمولی حصہ ملتا ہے	مخصوص حالات جن میں حصہ بدلتا رہتا ہے
۱	والد	۱/۶	×	جب بیٹا پوتا وغیرہ موجود ہو	جب نچلے سے نچلے درجہ کا بھی کوئی بیٹا پوتا وغیرہ موجود نہ ہو تو باپ بحیثیت عصبہ ترکہ پاتا ہے
۲	جد صحیح	۱/۶	×	جب کوئی بیٹا پوتا وغیرہ موجود ہو، لیکن والد یا قریب تر جد صحیح موجود نہ ہو۔	جب بیٹا پوتا وغیرہ موجود نہ ہو اور باپ یا کوئی قریب تر جد صحیح بھی موجود نہ ہوتو جد صحیح بطور عصبہ ترکہ پاتا رہے۔
۳	بیوی	۱/۸	۱/۸	جب کہ اولاد ہو	۱/۴ جب کہ اولاد موجود نہ ہو
۴	خاوند	۱/۴	×	جب اولاد ہو	۱/۲ جب اولاد موجود نہ ہو
۵	ماں	۱/۶	×	جب اولاد ہو اور یا دو یا دو سے زائد بھائی یا بہنیں یا بھائی بہن موجود ہوں یہ بہن بھائی خواہ حقیقی ہوں، علاتی ہوں، یا اخیافی	۱/۳ جب کہ اولاد موجود نہ ہو اور نہ ہی ایک بھائی یا بہن سے زیادہ موجود ہوں اور اگر زوج یا زوجہ اور باپ موجود ہوتو زوج یا زوجہ کا حصہ دینے کے بعد جو بچے اس کا ۱/۳ حصہ والدہ کو ملے گا

نمبر شمار	ذوی الفروض	ایک کا حصہ	دو یا دو سے زائد کا حصہ	جن حالات میں معمولی حصہ ملتا ہے	مخصوص حالات جن میں حصہ بدلتا رہتا ہے
٦	جدہٗ صیحیہ	۱/٦	۱/٦	الف۔ مادری جب ماں اور کوئی قریب تر جدہ صیحیہ خواہ ماں کی طرف سے ہو یا باپ کی طرف سے ہو موجود نہ ہو ب۔ پدری جب نہ ماں نہ باپ موجود ہو نہ ہی اور کوئی قریب تر جدہ صیحیہ موجود ہو اور نہ ہی کوئی درمیانی جد صیحح موجود ہو اور نہ ہی بیٹا موجود ہو۔	
۷	بیٹی	۱/۲	۲/۳	جب بیٹا نہ ہو	بیٹے کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں۔
۸	پوتی خواہ کتنے ہی نچلے درجہ کی ہو	۱/۲	۲/۳	ا۔ جب بیٹا موجود نہ ہو ۲۔ جب بیٹی موجود نہ ہو ۳۔ جب اعلیٰ درجہ کا پوتا یا پوتی موجود نہ ہو ۴۔ مساوی الدرجہ پوتا موجود نہ ہو۔	اگر ایک بیٹی یا اعلیٰ درجہ کی پوتی موجود ہو تو ۱/٦ ملتا ہے مساوی الدرجہ پوتے کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے اگر اعلیٰ درجہ کی پوتی کے ساتھ بہت سی پڑپوتیاں ہیں تو وہ ۱/٦ میں شامل ہوں گی۔

نمبر شمار	ذوی الفروض	ایک کا حصہ	دو یا دو سے زائد کا حصہ	جن حالات میں معمولی حصہ ملتا ہے	مخصوص حالات جن میں حصہ بدلتا رہتا ہے
۹ ۱۰	اخیافی بھائی یا اخیافی بہن	۱/۶	۱/۳	جب کسی درجہ کی بھی اولاد موجود نہ ہو۔ نیز باپ یا جدِ صحیح موجود نہ ہو (یعنی نہ اصل موجود ہو نہ فرع)	اخیافی بہن بھائی میں برابر کی تقسیم ہوتی ہے اس لئے جب یہ ایک سے زائد ہوں (بہن یا بھائی یا بہن بھائی) تو ان کا حصہ ان کی تعداد پر منحصر ہوگا اگر تعداد کم ہو تو حصہ زیادہ ہو گا۔ تعداد زیادہ ہو تو حصہ کم ہوگا کیونکہ ۱/۳ کو برابر تقسیم کرنا ہوگا۔
۱۱	حقیقی بہن	۱/۲	۲/۳	جب اولاد یا بیٹے کی اولاد خواہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو موجود نہ ہو۲۔ باپ یا کوئی جدِ صحیح موجود نہ ہو ۳۔ کوئی حقیقی بھائی بھی موجود نہ ہو۔	اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے اور بھائی کی نسبت آدھا حاصل کرتی ہے۔
۱۲	علاتی بہن	۱/۲	۲/۳	نمبر ۱۱ کی تمام شرائط کے علاوہ حقیقی بہن موجود نہ ہو۔ حقیقی بھائی موجود نہ ہو یا علاتی بھائی موجود نہ ہو۔	۱۔ اگر حقیقی بہن صرف ایک ہے اور علاتی بہن بطور عصبہ حصہ پائے تو اسے خواہ ایک ہو یا زائد ۱/۶ حصہ ملتا ہے۔۲۔ علاتی بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے۔

ذوی الفروض کے حصوں کی انفرادی اور اجتماعی صورتیں

ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پاک میں ذوی الفروض کے کل چھ حصے مقرر ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ $\frac{۱}{۸}$ ، $\frac{۱}{۶}$ ، $\frac{۱}{۴}$ ، $\frac{۱}{۳}$ ، $\frac{۱}{۲}$ اور $\frac{۲}{۳}$

ذوی الفروض کی تقسیم میں کبھی یہ انفرادی طور پر آتے ہیں یعنی بعض دفعہ صرف ایک ہی ذوی الفروض ہوتا ہے۔ بعض تقسیم ترکہ کے وقت دو یا دو سے زائد ذوی الفروض موجود ہوتے ہیں۔ صرف ذوی الفروض کے جمع ہونے کی کل ۶۳ امکانی صورتیں (Possibilities) ہوسکتی ہیں۔ گو ان میں سے ہر ایک صورت میں مختلف عصبات اور ذوی الارحام کی تعداد کی وجہ سے یہ ان گنت صورتیں بن جاتی ہیں۔ بہرحال ان چھ ذوی الفروض میں سے اگر ہم انفرادی صورتیں اور ایسی صورتیں لیں جن میں دو دو، تین تین، چار چار، پانچ پانچ، چھ چھ کے گروپ بنائیں تو یہ تریسٹھ صورتیں یا گروپ بنتے ہیں انہیں اگر حساب کے طریق (Combination) سے حل کریں تو یہ شکل بنتی ہے۔

اگر چھ میں سے ایک ایک لیا جائے تو کل چھ بنتے ہیں = $^{۶}C_{۱} = \frac{۶!}{۵!} = ۶$

اگر چھ میں سے دو دو لئے جائیں تو پندرہ گروپ بنتے ہیں = $^{۶}C_{۲} = \frac{۶!}{۲!\times۴!} = ۱۵$

اگر چھ میں سے تین تین لئے جائیں تو بیس گروپ بنتے ہیں = $^{۶}C_{۳} = \frac{۶!}{۳!\times۳!} = ۲۰$

اگر چھ میں سے چار چار لئے جائیں تو پندرہ گروپ بنتے ہیں = $^{۶}C_{۴} = \frac{۶!}{۲!\times۴!} = ۱۵$

اگر چھ میں سے پانچ پانچ لے کر گروپ بنائیں تو چھ بنتے ہیں = $^{۶}C_{۵} = \frac{۶!}{۵!\times۱!} = ۶$

اگر چھ کا ہی گروپ بنایا جائے تو ایک بنتا ہے = $^{۶}C_{۶} = \frac{۶!}{۶!\times۰!} = ۱$

اس لئے کل گروپ = $۶+۱۵+۲۰+۱۵+۶+۱=۶۳$

آسان اور عام طریق سے مفصل طور پر لکھ دیا جاتا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

نمبر شمار	حصہ	کیفیت

انفرادی

۱	ثمن	ممکن
۲	سدس	//
۳	ربع	//
۴	ثلث	//
۵	نصف	//
۶	ثلثان	//

اجتماعی صورتیں جبکہ ذوی الفروض چھ میں سے کوئی سے دو ہوں

۷	ثمن وسدس	ممکن
۸	ثمن وربع	ناممکن
۹	ثمن وثلث	اختلافی
۱۰	ثمن ونصف	ممکن
۱۱	ثمن وثلثان	//
۱۲	سدس وربع	//
۱۳	سدس وثلث	//
۱۴	سدس ونصف	//
۱۵	سدس وثلثان	ممکن
۱۶	ربع وثلث	//
۱۷	ربع ونصف	//
۱۸	ربع وثلثان	//
۱۹	ثلث ونصف	//

نمبر شمار	حصہ	کیفیت
۲۰	ثلث وثلثان	ممکن
۲۱	نصف وثلثان	//

یہ کل پندرہ ہیں۔

اجتماعی صورتیں جب ذوی الفروض تین موجود ہوں

۲۲	ثمن وسدس وربع	ناممکن
۲۳	ثمن وسدس وثلث	اختلافی
۲۴	ثمن وسدس ونصف	ممکن
۲۵	ثمن وسدس وثلثان	//
۲۶	ثمن وربع وثلث	ناممکن
۲۷	ثمن وربع ونصف	//
۲۸	ثمن وربع وثلثان	//
۲۹	ثمن وثلث ونصف	//
۳۰	ثمن وثلث وثلثان	//
۳۱	ثمن ونصف وثلثان	//
۳۲	سدس وربع وثلث	ممکن
۳۳	سدس وربع ونصف	ممکن
۳۴	سدس وربع وثلثان	//
۳۵	سدس وثلث ونصف	//
۳۶	سدس وثلث وثلثان	//
۳۷	سدس ونصف وثلثان	//
۳۸	ربع وثلث ونصف	ناممکن
۳۹	ربع وثلث وثلثان	اختلافی

یہ کل بیس ہیں۔

ذوی الفروض جب چار موجود ہوں تو ایسے گروپ ۱۵ بنتے ہیں۔

نمبر شمار	حصہ	کیفیت
۴۲	ثمن وسدس وربع وثلث	ناممکن
۴۳	ثمن وسدس وربع ونصف	//
۴۴	ثمن وسدس وربع وثلثان	//
۴۵	ثمن وسدس ونصف وثلثان	//
۴۶	ثمن وسدس ونصف وثلثان	اختلافی
۴۷	ثمن وسدس وثلث ونصف	ممکن
۴۸	ثمن وربع وثلث ونصف	ناممکن
۴۹	ثمن وربع وثلث وثلثان	//
۵۰	ثمن وثلث ونصف وثلثان	//
۵۱	ثمن وربع ونصف وثلثان	ناممکن
۵۲	سدس وربع وثلث ونصف	ممکن
۵۳	سدس وربع وثلث وثلثان	//
۵۴	سدس وربع ونصف وثلثان	ناممکن
۵۵	سدس وثلث ونصف وثلثان	ممکن
۵۶	ربع وثلث ونصف وثلثان	ناممکن

چھ میں سے پانچ پانچ کے گروپ صرف ۶ ہی بنتے ہیں۔

۵۷	ثمن وسدس وربع وثلث ونصف	ناممکن
۵۸	ثمن وسدس وربع وثلث وثلثان	//
۵۹	ثمن وسدس وربع ونصف وثلثان	//
۶۰	ثمن وسدس وثلث ونصف وثلثان	//
۶۱	ثمن وربع وثلث ونصف وثلثان	//
۶۲	سدس وربع وثلث ونصف وثلثان	//

جب چھ کے چھ ذوی الفروض ہوں تو ایک ہی گروپ بن سکتا ہے۔

نمبر شمار	حصہ	کیفیت
٦٣	ثمن وسدس وربع وثلث ونصف وثلثان	ناممکن

اس طرح بھی کل تعداد تریسٹھ ہی بنتی ہے۔

ان ٦٣ ممکنات میں ٢٦ ناممکن ہیں کیونکہ ایسا مسئلہ پیش ہی نہیں آ سکتا مثلاً دو دو کی صورت نمبر ٨ ملاحظہ کیجئے جو کہ ثمن وربع ہے یعنی ١/٨ اور ١/٤ اب ١/٨ زوجہ کا حصہ ہے جبکہ اولاد ہو۔ ١/٤ حصہ ہے جب کہ اولاد نہ ہو۔ اب دونوں حصے ایک ہی عورت کے لئے (زوجہ) کے لئے نہیں ہو سکتے۔ نیز ایک آدمی کی دو ایسی بیویاں بھی نہیں ہو سکتیں کہ ایک کا حصہ ١/٤ ہو اور ایک کا ١/٨۔ اس لئے یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح سے چار چار کے گروپ میں نمبر ٥٦ کو دیکھئے جو کہ ربع ونصف وثلث وثلثان ہے (یعنی ١/٤، ١/٢، ١/٣، ٢/٣) اس میں ١/٣، ١/٢ والدہ کا حصہ ہے جب کہ اولاد نہ ہو ساتھ ہی ٢/٣ بیٹیوں کا حصہ ہے جب کہ دو سے زائد ہوں یا گر ٢/٣ ہمشیرگان کا حصہ ہو تو والدہ کا ١/٣ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اس میں ہر جہت سے تضاد پایا جاتا ہے۔ اس لئے گو حسابی طریق سے ہم ایسے گروپ بنا سکتے ہیں، لیکن عملی لحاظ سے یہ ممکن نہیں۔

ایسے گروپ جو عملی لحاظ سے ممکن نہیں ان ٦٣ میں سے ٢٦ ہیں۔ اور چار گروپ اختلافی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ٦٣ - ٣٠ = ٣٣ گروپ عملی لحاظ سے ممکن ہیں جن میں ذوی الفروض آ سکتے، لیکن ان میں سے ہر گروپ اپنے عصبات کی موجودگی یا ذوی الارحام کی موجودگی سے ایک دوسرے سے مختلف ہو گا۔ جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن انہیں حسب ضرورت اپنے اپنے موقعہ پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مشق نمبر ۱ (مع جوابات)

۱۔ ایک شخص نے والد، دادا، ماں، نانی اور دو بیٹیاں پس ماندگان چھوڑے جائداد میں ہر کسی کا حصہ بتائیے۔

جواب: والد کا حصہ = ۱/۶، دادا محروم، والدہ کا حصہ = ۱/۶
نانی محروم اور دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳، یا ہر بیٹی کا حصہ = ۱/۳

۲۔ ایک متوفی نے والد اور زوجہ چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴
والد کا حصہ = باقی کا تمام بطور عصبہ = ۳/۴

۳۔ ایک متوفی نے اپنے پیچھے صرف والدین وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

جواب: والدہ کا حصہ = ۱/۳
والد کا حصہ = باقی تمام ترکہ = ۱ - ۱۳ = ۲۳

۴۔ ایک شخص نے اپنی وفات پر مندرجہ ذیل رشتہ دار چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتائیے۔
والد، والدہ اور دو بہنیں

جواب: والدہ کا حصہ = ۱/۶ (کیونکہ بہنیں موجود ہیں)
بہنوں کا حصہ = کچھ نہیں (کیونکہ والد موجود ہے)
والد کا حصہ = باقی تمام ترکہ = ۱ - ۱۶ = ۵۶

۵۔ ایک میت نے والد، والدہ، دو حقیقی بھائی، تین اخیافی بہن بھائی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

جواب: والدہ کا حصہ = ۱/۶
حقیقی بھائی کا حصہ = صفر (کیونکہ والد موجود ہیں)
اخیافی بہن بھائی کا حصہ = صفر (کیونکہ والد موجود ہیں)
والد کا حصہ = باقی تمام ترکہ = ۱ - $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۵}{۶}$

نوٹ: اگرچہ تمام بہن بھائی باپ کی وجہ سے محجوب ہیں، لیکن یہ بہن بھائی (حقیقی علاتی یا

اخیافی) جو دو سے زائد ہیں والدہ کے بڑے حصے (۱/۳) میں حائل ہیں۔ اور والدہ کو ۱/۳ کی بجائے ۱/۶ دلاتے ہیں۔

۶۔ ایک میت نے خاوند، والد اور والدہ اپنے وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتایئے۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۱/۲

والدہ کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۶}$

والد کا حصہ = $۱ - \frac{۱}{۲} - \frac{۱}{۲} = \frac{۱}{۳}$ (بطور عصبہ)

۷۔ ایک میت نے اپنے پیچھے خاوند، والدہ، دادا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتایئے۔

جواب: والدہ کا حصہ = کل ترکہ کا ۱/۳

خاوند کا حصہ = کل ترکہ کا ۱/۲ (اولاد موجود نہیں)

دادا کا حصہ = باقی تمام ترکہ $= ۱ - \frac{۱}{۲} - \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۶}$

نوٹ: خاوند یا بیوی (یا بیویوں) کے زندہ ہونے کی صورت میں والدہ کے حصہ پر والد یا دادا کا اثر یکساں نہیں ہوتا۔ دادا کی موجودگی میں والدہ کا کل ترکہ کا ۱/۳ ملتا ہے اور والد کی موجودگی میں زوج یا زوجہ کا حصہ نکالنے کے بعد باقی ترکہ کا ۱/۳ ملتا ہے۔

۸۔ ایک آدمی نے اپنی وفات کے وقت بیوی اور والدین وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۴

والدہ کا حصہ = $(۱ - \frac{۱}{۴})$ کا $\frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۴}$

والد کا حصہ = $۱ - \frac{۱}{۴} - \frac{۱}{۴} = \frac{۱}{۲}$

۹۔ ایک آدمی نے بیوی، والدہ اور دادا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۴

والدہ کا حصہ = ۱/۳

دادا کا حصہ = باقی تمام ترکہ $= ۱ - \frac{۱}{۴} - \frac{۱}{۳} = \frac{۵}{۱۲}$

۱۰۔ ایک میت نے دو بیویاں، ایک لڑکی اور والدہ اپنے وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: دو بیویوں کا حصہ = ۱/۸ ایک بیوی کا حصہ = ۱/۱۶

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

والدہ کا حصہ = ۱/۶

جو باقی بچتا ہے (یعنی $۱ - \frac{۱}{۸} - \frac{۱}{۲} - \frac{۱}{۶} = \frac{۵}{۲۴}$) وہ سوائے بیویوں کے لڑکی اور والدہ کو بطور ردّ ان کے شرعی حصوں کی نسبت کے لحاظ ($\frac{۱}{۲} : \frac{۱}{۶}$ یا ۳:۱) سے لڑکی اور والدہ کو دے دیا جائے گا۔

۱۱۔ ایک میت نے دو لڑکیاں، والدہ اور دادا وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

جواب: دو لڑکیوں کا حصہ = ۲/۳

ایک لڑکی کا حصہ = ۱/۳

والدہ کا حصہ = ۱/۶

دادا کا حصہ = ۱/۶

۱۲۔ ایک میت نے ایک بیوی، ایک بیٹی، والدہ اور والد وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیوی کا حصہ = ۱/۸

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

والدہ کا حصہ = ۱/۶

والد کا حصہ = باقی تمام ترکہ =۵/۲۴

۱۳۔ ایک میت نے ایک بیوی، بیٹا اور دادا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیوی کا حصہ = ۱/۸

دادا کا حصہ = ۱/۶

بیٹے کا حصہ = باقی تمام ترکہ = ۱۷/۲۴

۱۴۔ ایک متوفیہ نے اپنے پیچھے خاوند، پڑپوتا اور دادا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

خاوند کا حصہ = ۱/۴ (کیونکہ اولاد پڑپوتا موجود ہے)

دادا کا حصہ = ۱/۶

پڑپوتا کا حصہ = باقی تمام ترکہ =۷/۱۲

۱۵۔ ایک میت نے تین بیویاں، دو لڑکیاں اور دادا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

ایک بیوی کا حصہ = ۱/۲۴ (کیونکہ سب بیویوں کا حصہ ۱/۸)

ایک لڑکی کا حصہ = ۱/۳ (کیونکہ دو کا حصہ=۲/۳)

یہاں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ بھی دادا بطور عصبہ حاصل کرے گا۔اس لئے

دادا کا حصہ = ۵/۲۴

۱۶۔ ایک میت نے خاوند، ماں، پوتی، دادی اور نانی ورثاء چھوڑے ان کے حصے بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۱/۴ والدہ کا حصہ = ۱/۶

پوتی کا حصہ = ۱/۲ باقی =۱- ۱/۴ - ۱/۶ - ۱/۲ = ۱/۱۲

یہ ۱/۱۲ جو باقی بچتا ہے وہ والدہ اور پوتی کو ۱/۶ : ۱/۲ یعنی ۱:۳ کی نسبت سے لوٹا دیا جائے گا اس کا ذکر ردّ کے باب میں آئے گا۔ دادی اور نانی محروم

۱۷۔ ایک میت نے دو پوتیاں، خاونداور ۴ اخیافی بہن بھائی اپنے ورثاء چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۱/۴ دو پوتیوں کا حصہ= ۲/۳

اخیافی بہن بھائی محروم (کیونکہ پوتیاں موجود ہیں) اولاد موجود ہے

باقی = ۱-(۱/۴ + ۲/۳) = ۱/۱۲ جو کسی عصبہ کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے پوتیوں کو ہی مل جائے گا۔اس لئے ۱/۱۲ میں سے ہر پوتی کا حصہ=۱/۲۴

لہٰذا ہر پوتی کا کل حصہ = ۱/۳ + ۱/۲۴ = ۹/۲۴ = ۳/۸

۱۸۔ ایک میت نے ایک بیٹی، ایک بہن اور ایک بھائی اپنے ورثاء چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیٹی کا حصہ = ۱/۲ بہن کا حصہ بطور عصبہ = ۱/۶

بھائی کا حصہ بطور عصبہ =۱/۳

۱۹۔ ایک میت نے والدہ دو حقیقی بہنیں، ایک اخیافی بھائی اور ایک علاتی بھائی ورثاء چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: والدہ کا حصہ = ۱/۶ حقیقی بہنوں کا حصہ = ۲/۳

اخیافی بھائی کا حصہ = ۱/۶ علاتی بھائی محروم

۲۰۔ ایک میت نے والدہ، والد اور پوتا اپنے وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: والدہ کا حصہ = ۱/۶ والد کا حصہ = ۱/۶

پوتے کا حصہ بطور عصبہ = باقی تمام ترکہ = ۱ - $\frac{۱}{۶}$ - $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۲}{۳}$

۲۱۔ ایک میت نے خاوند، والدہ، دو اخیافی،، دو حقیقی بھائی اور ایک حقیقی بہن اپنے ورثاء چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۱/۲، والدہ کا حصہ = ۱/۶، دو اخیافی بھائیوں کا حصہ = ۱/۳

باقی کچھ نہیں بچتا اس لئے حقیقی بہن بھائی محروم (نوٹ) اگر ہم حقیقی بھائیوں کو جن کی قوتِ قرابت زیادہ ہے ۱/۲ میں شامل کر لیں تو پھر یہ حصے ہوں گے۔ ہر حقیقی بھائی کا حصہ = ۲/۲۷ ہر اخیافی بھائی کا حصہ = ۲/۲۷ حقیقی بہن کا حصہ = ۱/۲۷

۲۲۔ ایک میت نے ایک بیٹی ایک زوجہ اور ایک حقیقی ہمشیرہ ورثاء چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

بیٹی کا حصہ = ۱/۲، زوجہ کا حصہ = ۱/۸، ہمشیرہ کا حصہ = باقی تمام ترکہ = ۳/۸

۲۳۔ ایک میت نے زوجہ، ایک بیٹی اور دو علاتی ہمشیرہ چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸، بیٹی کا حصہ = ۱/۲

ہمشیرگان علاتی کا حصہ = باقی تمام ترکہ = ۱- ۱۸ - ۱۲ = ۳۸

۲۴۔ ایک میت نے زوجہ، والدہ، ایک بیٹی اور دو حقیقی ہمشیرہ اور ایک حقیقی بھائی ورثاء چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸ والدہ کا حصہ = ۱/۶

بیٹی کا حصہ = ۱/۲ ہر ہمشیرہ کا حصہ = ۵/۹۶

بھائی کا حصہ = ۱۰/۹۶

۲۵۔ ایک میت نے والدہ، دو لڑکیاں، دو ہمشیرگان اور ایک بھائی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶ ہر ایک لڑکی کا حصہ = ۱/۳

ہر ایک بہن کا حصہ = ۱/۲۴ بھائی کا حصہ = $\frac{۲}{۲۴}$ = $\frac{۱}{۱۲}$

۲۶۔ ایک میت نے دادا کی دادی، نانی کی نانی اور دو بیٹیاں وارث چھوڑیں ہر ایک کا

حصہ بتائیے۔

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳، ایک بیٹی کا حصہ = ۱/۳،

دادی، نانی (جدہ صیحہ) دونوں کا حصہ = ۱/۶

دادی کا حصہ = ۱/۱۲، نانی کا حصہ = ۱/۱۲ کیونکہ دونوں ایک ہی درجہ کی (پشت کی) ہیں۔ باقی $= ۱ - \frac{۲}{۳} - \frac{۱}{۶} = \frac{۱}{۶}$

چونکہ عصبہ موجود نہیں اس لئے یہ باقی حصہ ۱/۶ حصہ انہی دونوں ذوی الفروض کو $\frac{۲}{۳} : \frac{۱}{۶}$ یعنی ۴:۱ کی نسبت سے دے دیا جائے گا۔ (بطور ردّ کے)

۲۷۔ ایک میت نے پڑدادی، پڑنانی، دادا کی نانی، شوہر، ایک بیٹی اور ایک بھتیجا اپنے وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دادی کی نانی یعنی پڑدادی کی ماں، پڑدادی اور پڑنانی کی موجودگی کی وجہ سے محروم رہیں گی۔ پڑدادی اور پڑنانی ہر دو کا حصہ = ۱/۶

ہر ایک کا حصہ = ۱/۱۲، شوہر کا حصہ = ۱/۴، بیٹی کا حصہ = ۱/۲

باقی $= ۱ - \frac{۱}{۶} - \frac{۱}{۴} - \frac{۱}{۲} = \frac{۱}{۱۲}$ حصہ بھتیجے کو بطور عصبہ ملے گا۔

باب ہفتم

عصبات

ذوی الفروض کو اُن کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے وہ عصبات میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اگر ذوی الفروض میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو تمام ترکہ میت کے عصبات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے یہ ترتیبِ تقسیم صحیح بخاری کتاب الفرائض کی اس حدیث کے مطابق ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَھْلِھَا فَمَابَقِیَ فَھُوَ لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرہ

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا مقررہ حصے ان کے مستحقین (ذوی الفروض) تک پہنچا دو اور جو باقی رہے وہ زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے۔''

(یعنی عصبہ کے لئے) عَصَبَات عصبہ کی جمع ہے اور اس کے معنے ہیں باپ کی جانب سے رشتہ دار، وراثتی اصطلاح میں اس شخص کو کسی کا عصبہ کہیں گے۔ جو اس کی نسل سے ہو یا وہ اس کی نسل سے ہو۔

چونکہ اسلام میں اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اس لئے بیٹا اپنے باپ کا سب سے پہلا عصبہ قرار پائے گا۔ عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ عصبہ نسبی۔

۲۔ عصبہ سببی۔

۱۔ عصبہ نسبی

عصبہ نسبی وہ عصبہ ہے جو نسب و نسل کی بناء پر رشتہ دار ہو۔ اور اس کی بھی آگے تین اقسام ہیں۔

۱۔ عصبہ بنفسہٖ یا عصبہ بذاتہٖ : یعنی میت کا وہ مرد رشتہ دار کہ اس کے اور متوفی

کے درمیان کوئی عورت واسطہ نہ ہو۔ مثلاً بیٹا، پوتا، پڑپوتا، باپ، دادا، پڑدادا وغیرہ عصبہ بنفسہٖ ہیں۔ اگر میت اور کسی مرد رشتہ دار کے درمیان عورت کا واسطہ ہوتو وہ عصبہ نہیں ہوگا۔ اس لئے اخیافی بھائی، بھانجے، نواسے، نانا، پڑنانا وغیرہ عصبات میں شامل نہیں۔

۲۔ عصبہ بالغیر : میت کے وہ رشتہ دار جو عصبہ بننے میں کسی دوسرے عصبہ کے محتاج ہوں عصبہ بالغیر کہلاتے ہیں۔ اس لحاظ سے میت کی وہ رشتہ دار عورتیں جن کو غیر (یعنی کوئی دوسرا عصبہ بنفسہٖ) عصبہ بنائیں۔ عصبہ بالغیر کہلاتی ہیں۔ اس لئے بیٹی، پوتی، حقیقی ہمشیرہ اور علاتی ہمشیرہ عصبہ بالغیر ہیں۔ کیونکہ یہ بالترتیب بیٹے، پوتے (یا پوتے کے موجود نہ ہونے کی صورت میں پڑپوتے) حقیقی بھائی اور علاتی بھائی کی وجہ سے عصبہ قرار پاتی ہیں۔

۳۔ عصبہ مع الغیر : میت کے وہ رشتہ دار جو عصبہ بننے میں کسی دوسرے کے محتاج تو ہوں، لیکن وہ محتاج الیہ خود عصبہ بنفسہٖ نہ ہوتو وہ عصبہ مع الغیر کہلاتے ہیں۔ اس لحاظ سے میت کی وہ رشتہ دار عورتیں جو کسی ایسی عورت یا عورتوں کی موجودگی کی بنا پر جو خود عصبہ نہ ہوں، عصبہ بن جائیں تو وہ عصبہ مع الغیر کہلاتی ہیں۔ مثلاً بعض صورتوں میں بیٹی، بیٹیوں ، پوتی پوتیاں بذاتِ خود عصبہ نہیں ہوتیں اس لئے ایسی رشتہ دار عورتیں جو دوسری عورتوں کی موجودگی کی وجہ سے عصبہ بن جائیں۔ عصبہ مع الغیر کہلاتی ہیں۔

۲۔ عصبہ سببی

عصبہ سببی اسے کہتے ہیں جو رشتہ داری کے سوا کسی اور وجہ (سبب) سے عصبہ بنے۔ مثلاً مولی العتاقہ عصبہ سببی ہے مولیٰ کے معنی شریک کے ہیں اور عتاقہ کے معنے آزاد ہونے کے ہیں۔ آزاد کرنے والا آقا اپنے آزاد شدہ غلام کا مولی العتاقہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ آزاد کرنے والے آقا اور آزاد شدہ غلام کے درمیان ایک طرح کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جس کو وَلاء کہتے ہیں اس سبب سے آقا بعض اوقات اپنے آزاد شدہ غلاموں کا بطور عصبہ وارث بنتا ہے چنانچہ ایسے آقا کو عصبہ سببی کہا جاتا ہے چونکہ موجودہ دور میں ایسے عصبہ کے احکام کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اس لئے اس پر بحث نہیں کی جائے گی کیونکہ اس زمانہ میں عصبہ کی یہ قسم مفقود ہے۔

عصبہ بنفسہٖ کی اقسام

عصبہ بنفسہٖ میں جس رشتہ دار کی قرابت زیادہ نزدیکی ہے اسے میراث میں مقدم کیا جائے گا اور ہر وارث کو اَلْاَقْرَبُ ثُمَّ الْاَقْرَبُ کے اصول کے تحت درجہ دیا جائے گا۔لہٰذا

۱۔درجہ اوّل کا عصبہ وہ ہے جو متوفی کا اپنا جز یعنی اس کی اپنی نسل ہو جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہ ان میں سے سب سے پہلے وراثت کا حقدار بیٹا ہے کیونکہ وہ قرابت کے لحاظ سے متوفی کے سب سے زیادہ نزدیک ہے پس وہ بہ نسبت پوتے کے وراثت کا زیادہ حقدار ہے۔ اسی طرح سے پوتا زیادہ قریب ہے بہ نسبت پڑپوتے کے علی ہٰذا القیاس اگر وراثت کے بیان میں قرابت کی نزدیکی کو قوتِ قرابت سے موسوم کریں تو بیٹے کی قوتِ قرابت درجہ اوّل میں سے زیادہ ہے۔ اس لئے بیٹے کی موجودگی میں پوتے، پڑپوتے وغیرہ محروم ہوں گے۔اور پوتے کی موجودگی میں پڑپوتے محروم ہوں گے۔

۲۔درجہ دوم کا عصبہ میت کی اصل ہے۔جیسے باپ، دادا، پڑدادا وغیرہ اس درجہ میں باپ کی قوت قرابت سب سے زیادہ ہے۔اس لئے باپ کی موجودگی میں دادا محروم ہوگا اور دادا کی موجودگی میں پڑدادا محروم ہوگا۔

۳۔درجہ سوم کا عصبہ متوفی کے باپ کے جز ہے یعنی باپ کی نسل مثلاً بھائی، بھائی کا بیٹا (بھتیجا) بھتیجا کا بیٹا، بھتیجا کا پوتا وغیرہ۔

۴۔درجہ چہارم کا عصبہ متوفی کے دادا کا جز ہے۔یعنی دادا کی نسل، پھر اس کی نسل کی نسل یعنی چچا، چچا کا بیٹا، چچا کا پوتا، چچا کا پڑپوتا وغیرہ۔

عصبات میں تقسیم ترکہ کے وقت اَلْاَقْرَبُ ثُمَّ الْاَقْرَب کے اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہے اس لئے سب سے پہلے باقی ماندہ ترکہ اُن عصبات میں (یا عصبہ) میں تقسیم کیا جاتا ہے جن کی قوت قرابت سب سے زیادہ ہو۔ گویا عصبات کو حصہ دیتے وقت درجہ کا اور قوت قرابت کا خیال رکھا جائے۔ مثلاً اگر متعدد عصبات ہوں اور وہ مختلف درجوں کے ہوں اور مختلف قوت قرابت رکھتے ہوں تو ترکہ اعلیٰ درجہ کے عصبات میں تقسیم کیا جائے گا۔یعنی درجہ اوّل کو درجہ دوم پر فوقیت حاصل ہوگی۔ درجہ دوم کو درجہ سوم پر۔اور درجہ سوم کو درجہ

چہارم پر۔ گویا درجہ اوّل کے عصبات میں سے اگر کوئی موجود ہے تو وہ درجہ دوم اور اس سے نچلے درجوں کے تمام عصبات محروم کر دے گا۔

اسی طرح درجہ دوم کا عصبہ، درجہ سوم کے عصبات کو، اور درجہ سوم کا عصبہ درجہ چہارم کے عصبات کو محروم کر دے گا۔ مثلاً اگر کسی میت کا کوئی پوتا موجود ہو جو درجہ اوّل کا عصبہ ہے تو وہ بطور عصبہ میت کے باپ، دادا بھائی، چچا وغیرہ سب کو محروم کر دے گا اور باقی ماندہ ترکہ خود حاصل کر لے گا۔

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات موجود ہوں تو پھر اُن میں قوت قرابت دیکھی جاتی ہے۔ جس کی قوت قرابت زیادہ ہوگی وہی حق دار ہوگا مثلاً فرض کیجئے کہ ایک میت کے بیٹے اور پوتے بطور عصبہ وارث موجود ہیں اب یہ دونوں ہیں تو مساوی الدرجہ لیکن بیٹے کی قوت قرابت بہ نسبت پوتے کے زیادہ ہے۔ اس لئے باقی ترکہ بیٹے حاصل کر لیں گے اور پوتے محروم ہوں گے۔ اسی طرح اگر کسی میت کے ورثاء میں نہ پہلے درجہ کا نہ ہی دوسرے درجہ کا کوئی عصبہ موجود ہے تیسرے درجہ کے عصبات میں بھائی، بھائی کا بیٹا اور بھائی کا پوتا موجود ہیں تو اس صورت میں بھائی بطور عصبہ باقی ترکہ حاصل کر لے گا۔ کیونکہ تمام مساوی الدرجہ تو ہیں۔ لیکن اس تیسرے درجہ میں بھائی کی قوت قرابت سب سے زیادہ ہے اس لئے باقی ماندہ ترکہ اس حال میں بھائی حاصل کرے گا۔ اور بھتیجے محروم ہو جائیں گے۔ بعض دفعہ درجہ اور قوتِ قرابت بھی ایک جیسی نظر آتی ہے تو اس وقت جہت کو دیکھ لینا چاہئے۔ جس کی تعدادِ جہت زیادہ ہوگی۔ اس کی قوتِ قرابت بھی زیادہ سمجھی جائے گی۔ مثلاً میت کے حقیقی بھائی اور علاتی بھائی اگر بطور عصبہ موجود ہوں تو باوجودیکہ دونوں ایک ہی درجہ اور قوت قرابت کے عصبہ ہیں۔ لیکن چونکہ متوفی سے حقیقی بھائی کا تعلق دو جہت سے ہے یعنی باپ اور ماں دونوں کی طرف سے اور علاتی بھائی کا تعلق ایک جہت سے ہے یعنی صرف باپ کی طرف سے۔ اس لئے حقیقی بھائی کی قوتِ قرابت زیادہ ہے علاتی بھائی سے۔ لہٰذا حقیقی بھائی کے سامنے علاتی بھائی محروم ہوگا اور ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ حقیقی بھائی کو مل جائے گا۔ اسی طرح حقیقی چچا کے سامنے علاتی چچا اور حقیقی بھتیجا کے سامنے علاتی بھتیجے محروم رہیں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اگر تمام عصبات ایک ہی درجہ کے اور ایک ہی جیسی قوتِ قرابت کے مالک ہوں اور ان کی جہات تعلق بھی یکساں ہوں تو پھر باقی ماندہ ترکہ ان سب میں برابر برابر تقسیم ہو گا۔ مثلاً اگر کسی میت کے ایک بیٹے سے ۶ پوتے اور دوسرے بیٹے سے ۷ پوتے موجود ہوں (بیٹا کوئی نہ ہو) تو پھر باقی ماندہ ترکہ کے ۱۳ حصے کر کے ان سب کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ آدھا حصہ (باقی ماندہ ترکہ کا) ایک بیٹے کے ۶ بیٹوں کو دیا جائے اور آدھا دوسرے بیٹے کے ساتھ ۷ بیٹوں میں تقسیم کیا جائے بلکہ باقی ماندہ ترکہ تیرہ پوتوں میں مساوی طور پر تقسیم ہوگا۔

یاد رکھئے کہ اوپر کے درجہ کا عصبہ تمام نیچے درجے کے عصبات کو محروم کرے گا اور ایک ہی درجہ کے ورثاء (عصبات) کے لئے قوت قرابت دیکھئے جس عصبہ کی قوت قرابت زیادہ ہو اس کے سامنے باقی مساوی الدرجہ اور دوسرے کم درجہ والے تمام عصبات محروم رہیں گے۔ اسی طرح اگر ایک ہی درجہ اور ایک جیسی قوتِ قرابت رکھنے والے ورثاء (عصبات) ہوں تو پھر جہتِ قرابت دیکھئے جس کی جہت قرابت زیادہ ہو اس کے سامنے باقی مساوی الدرجہ اور مساوی قوتِ قرابت والے عصبات محروم ہوں گے۔ اب ہر ایک درجہ کے عصبات کو علیحدہ علیحدہ مختصر سی تفصیل اور مثالوں سے بیان کیا جاتا ہے تا کہ عصبات کا معاملہ پوری طرح سے ذہن نشین ہو جائے۔

درجہ اوّل کے عصبات

عصبہ درجہ اوّل نمبر ا بیٹا:

بیٹا میت کا سب سے مقدم اور سب سے اہم عصبہ ہے یہ کسی دوسرے وارث کی موجودگی کی وجہ سے محروم نہیں ہوسکتا۔ اس کے سامنے باقی تمام کم درجہ والے اور کم قوت قرابت والے عصبات محروم رہ جاتے ہیں۔ اس کا کوئی خاص حصہ تو مقرر نہیں کیونکہ یہ ذوی الفروض میں داخل نہیں لیکن ذوی الفروض کو ان کے حصے ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے وہ اسے مل جاتا ہے اور اگر کوئی بھی ذوی الفروض موجود نہ ہو تو پھر تمام ترکہ کا یہی وارث ہوتا ہے۔ اگر میت کے دو یا دو سے زائد بیٹے ہوں تو بچا ہوا ترکہ تمام موجودہ بیٹے باہم برابر تقسیم

کرلیں گے اگر میت مرد ہے اوراس کی پہلی بیوی سے دو بیٹے دوسری سے تین بیٹے اور تیسری سے ایک بیٹا تو ترکہ ان تمام بیٹوں میں مساوی طور پر تقسیم ہوگا۔ اسی طرح اگر میت عورت ہے اوراس کے موجودہ بیٹے مختلف خاوندوں سے ہیں۔ تو یہ تمام بیٹے اپنی والدہ کے ترکہ میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ اس بات کی تمیز نہیں کی جاتی کہ کوئی بیٹا کس خاوند سے ہے یا کس بیوی سے ہے۔ سب کو برابر حصہ دیا جاتا ہے مثلاً اگر پہلی زوجہ سے کسی متوفی کے چھ بیٹے ہوں اور دوسری سے دو بیٹے ہوں تو باقی ماندہ ترکہ کے آٹھ حصے کر کے ہر ایک کو ایک ایک حصہ دے دیا جائے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ باقی ماندہ ترکہ کے دو برابر حصے کئے جائیں اور ایک حصہ پہلی بیوی کے چھ بیٹوں کو دیا جائے اور دوسرا حصہ دوسری بیوی کے دو بیٹوں کو دیا جائے۔ ایک مورث کے تمام بیٹے خواہ وہ کسی بھی خاوند سے ہوں یا کسی بھی بیوی سے ہوں باقی ماندہ ترکہ میں برابر کے حصہ دار ہوتے ہیں۔

مثال نمبر۱

ایک میت نے والد، والدہ، بیوی اور دو بیٹے چھوڑے اگر اس کا ترکہ قابل تقسیم مابین ورثا ۴۸۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

حل: والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

بیوی کا حصہ = ۱/۸

باقی = $۱-\left(\frac{۱}{۶}+\frac{۱}{۶}+\frac{۱}{۸}\right)=۱-\frac{۴+۴+۳}{۲۴}=\frac{۱۳}{۲۴}$

اس لئے دو بیٹوں کا حصہ = $\frac{۱۳}{۲۴}$

ایک بیٹے کا حصہ = $\frac{۱۳}{۴۸}$

۴۸۰۰ روپے میں والد کا حصہ = $۴۸۰۰\times\frac{۱}{۶}=$ ۸۰۰ روپے

۴۸۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = $۴۸۰۰\times\frac{۱}{۶}=$ ۸۰۰ روپے

۴۸۰۰ روپے میں بیوی کا حصہ = $۴۸۰۰\times\frac{۱}{۸}=$ ۶۰۰ روپے

۴۸۰۰ روپے میں ہر لڑکے کا حصہ = $۴۸۰۰\times\frac{۱۳}{۴۸}=$ ۱۳۰۰ روپے

اگر ذوی الفروض کم ہوں تو اولاد میں تقسیم کرنے کے لئے قدرے زیادہ ترکہ بچ جاتا ہے۔لیکن ذوی الفروض زیادہ ہوں تو اولاد کو قدرے کم حصہ ملتا ہے۔

مثال نمبر۲:

ایک میت نے اپنے پیچھے دو زوجہ اور پانچ بیٹے چھوڑے دو بیٹے پہلی بیوی سے اور تین بیٹے دوسری بیوی سے ہیں اگر اس کا قابل تقسیم ترکہ بعد از ادائیگی قرضہ و وصیت ۸۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دو بیویوں کا حصہ	=	۱/۸
اس لئے ایک بیوی کا حصہ	=	۱/۱۶
باقی	=	$۱ - \frac{۱}{۸} = \frac{۷}{۸}$
پانچ بیٹوں کا حصہ	=	۷/۸
اسلئے ایک بیٹے کا حصہ	=	۷/۴۰
۸۰۰۰ روپے میں ہر ایک بیوی کا حصہ	=	۸۰۰۰ × ۱/۱۶ = ۵۰۰ روپے
۸۰۰۰ روپے میں ہر ایک بیٹے کا حصہ	=	۸۰۰۰ × ۷/۴۰ = ۱۴۰۰ روپے

مثال نمبر۳:

ایک میت کے ۶ بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں بڑا بیٹا اس کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا اور اس نے اپنے دو لڑکے حمید اور رشید چھوڑے۔اگر میت نے ان کے علاوہ دو بیویاں اور والدہ اپنے ورثاء چھوڑے ہوں تو ہر ایک کا حصہ بتائیے جبکہ دادا نے اپنے یتیم پوتوں کے حق میں ۱/۶ حصہ کی وصیت کی ہوئی ہو۔

حل: میت کے ورثاء میں سے زوجگان اور والدہ ذوی الفروض میں سے ہیں۔ بیٹوں کی وجہ سے بیٹیاں عصبہ بالغیر ہیں۔ بیٹوں کی وجہ سے پوتے محروم ہوتے ہیں، لیکن اس مثال میں وصیت کی وجہ سے ۱/۶ کے حقدار ہیں۔

وصیت کردہ حصہ	=	۱/۶
باقی جائداد	=	$۱ - \frac{۱}{۶} = \frac{۵}{۶}$

اس ۵/۶ میں سے پہلے ذوی الفروض کو ان کے حصے دیئے جائیں گے پھر جو اس سے بچے گا وہ عصبات کو ملے گا۔

اس لئے دو بیویوں کا حصہ $= \frac{۵}{۶} \times \frac{۱}{۸} = \frac{۵}{۴۸}$

ایک بیوی کا حصہ $= \frac{۵}{۹۶}$

والدہ کا حصہ $= \frac{۵}{۶} \times \frac{۱}{۶} = \frac{۵}{۳۶}$

باقی $= \frac{۵}{۶} - \left(\frac{۵}{۴۸} + \frac{۵}{۳۶}\right) = \frac{۵}{۶} - \frac{۲۰+۱۵}{۱۴۴}$

$= \frac{۱۲۰-۳۵}{۱۴۴} = ۸۵/۱۴۴$

یہ (۸۵/۱۴۴ حصہ) عصبات (لڑکے، لڑکیوں) میں ۲ اور ۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔ میت کے چھ بیٹوں میں سے بڑا بیٹا فوت ہو چکا ہے۔ اس طرح اس کے ۵ بیٹے اور سات بیٹیاں موجود ہیں اس لئے باقی ماندہ جائداد یعنی ۸۵/۱۴۴ کے سترہ حصے کئے جائیں گے جن میں سے ہر بیٹے کے دو حصے اور ہر بیٹی کا ایک حصہ ہوگا۔

ہر بیٹے کا حصہ $= \frac{۸۵}{۱۴۴} \times \frac{۲}{۱۷} = \frac{۱۰}{۱۴۴}$

ہر بیٹی کا حصہ $= \frac{۸۵}{۱۴۴} \times \frac{۱}{۱۷} = \frac{۵}{۱۴۴}$

۱/۶ حصہ (وصیت کردہ) دونوں یتیم پوتوں میں تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر پوتے کا حصہ $= \frac{۱}{۱۲}$

لہٰذا ہر بیوی کا حصہ $= \frac{۵}{۹۶}$ والدہ کا حصہ $= \frac{۵}{۳۶}$

ہر لڑکے کا حصہ $= \frac{۱۰}{۱۴۴}$ ہر لڑکی کا حصہ $= \frac{۵}{۱۴۴}$

اور ہر پوتے کا حصہ $= \frac{۱}{۱۲}$

یعنی اگر جائداد کے کل ۲۸۸ سہام کئے جائیں تو پندرہ سہام ہر بیوی کے چالیس والدہ کے بیس ہر لڑکے کے دس ہر لڑکی کے اور ۲۴ سہام ہر پوتے کے ہوں گے پس اگر متوفی کی جائداد کی مالیت ۲۸۸۰۰ روپے ہو تو ۱۵۰۰ روپے ہر بیوی کے ۴۰۰۰ روپے والدہ کے ۲۰۰۰ روپے

ہر بیٹے کے ۱۰۰۰ روپے ہر بیٹی کے اور ۲۴۰۰ روپے ہر پوتے کے حصہ میں آئیں گے۔

نوٹ: **اگر میت نے پوتوں کے حق میں وصیت نہ کی ہوتی تو وہ جائداد سے محروم رہتے پھر باقی ماندہ ترکہ صرف بیٹے بیٹیوں میں ہی ۲ اور ا کی نسبت سے تقسیم ہو جاتا ہے۔**

عصبہ درجہ اول نمبر ۲ پوتا:

جب میت کا کوئی بیٹا موجود نہ ہو یا شرعی لحاظ سے بیٹا محروم الارث ہو تو پھر ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ پوتے یا پوتوں کو مل جاتا ہے۔ اگر پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی موجود ہوں تو وہ عصبہ بالغیر بن جاتی ہیں۔ اور بچا ہوا ترکہ ان میں **للذکر مثل حظ الانثیین** کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے اگر کوئی بھی ذوی الفروض موجود نہ ہو تو تمام ترکہ پوتے پوتیوں میں ۲ : ۱ سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

اگر پوتوں یا پوتے کے ساتھ میت کی بیٹی یا بیٹیاں بھی موجود ہوں تو یہ (بیٹی بیٹیاں) ذوی الفروض ہوں گی۔ عصبہ نہیں اگر ایک ہو تو نصف ترکہ کی وارث ہوتی ہے اور دو یا دو سے زائد ہوں تو ۲/۳ حصہ کی وارث ہوتی ہیں۔

جس طرح بیٹے کے سامنے تمام پوتے پوتیاں محروم رہ جاتے ہیں اسی طرح پوتے کے سامنے اس سے نیچے کے درجہ کے پڑ پوتے پڑ پوتیاں وغیرہ محروم ہوں گے۔

مثال نمبر ۴:

نظام دین کا ایک لڑکا روشن دین ہے اور ایک لڑکی زہرہ بانو ہے روشن دین کے دو لڑکے کرم دین اور علم دین اور ایک لڑکی کلثوم ہے۔ نظام دین کی بیوی بھی بقید حیات ہے۔ روشن دین نے اپنے والد نظام دین کو کسی جھگڑے کی بنا پر قتل کر دیا۔ اگر نظام دین کی قابل تقسیم جائداد ۴۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

حل: بیٹا چونکہ باپ کا قاتل ہے اس لئے وہ محروم الارث ہو گا۔ لہٰذا میت کے پوتے پوتی بطور عصبہ جائداد سے حصہ لے لیں گے اور بیوی اور لڑکی بطور ذوی الفروض کے حصہ لیں گے۔

بیوی کا حصہ = ۱/۸

لڑکی کا حصہ = ۱/۲

باقی $= ۱-(\frac{۱}{۲}+\frac{۱}{۸})=\frac{۳}{۸}$

یہ ۳/۸ حصہ دونوں پوتوں (کرم دین، علم دین) اور ایک پوتی (کلثوم) میں ۲ اور ۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔ یعنی پانچ سہام میں سے دو سہام پوتے کے اور ایک پوتی کا۔

اس لئے ۳/۸ میں کرم دین کا حصہ $= \frac{۳}{۸} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۳}{۲۰}$

اسی طرح علم دین کا حصہ $= \frac{۳}{۲۰}$

اور کلثوم کا حصہ $= \frac{۳}{۸} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۳}{۴۰}$

۴۰۰۰ روپے میں بیوی کا حصہ $= ۴۰۰۰ \times \frac{۱}{۸} = ۵۰۰$ روپے

۴۰۰۰ روپے میں زہرہ لڑکی کا حصہ $= ۴۰۰۰ \times \frac{۱}{۲} = ۲۰۰۰$ روپے

۴۰۰۰ میں پوتے کرم دین کا حصہ $= ۴۰۰۰ \times \frac{۳}{۲۰} = ۶۰۰$ روپے

۴۰۰۰ میں پوتے علم دین کا حصہ $= ۴۰۰۰ \times \frac{۳}{۲۰} = ۶۰۰$ روپے

۴۰۰۰ میں پوتی کا حصہ $= ۴۰۰۰ \times \frac{۳}{۴۰} = ۳۰۰$ روپے

اسی طرح اگر بیٹا موجود ہی نہ ہوتا تب بھی پوتے بطور عصبہ وارث ہوتے اور ان کے ساتھ پوتی بھی عصبہ بن جاتی۔

مثال نمبر ۵:

ایک میت نے زوجہ، تین بیٹیاں، دو پوتے اور ایک پوتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

بیوی کا حصہ = ۱/۸

تین لڑکیوں کا حصہ = ۲/۳ اس لئے ایک لڑکی کا حصہ = ۲/۹

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۲}{۳}) = ۱ - \frac{۳+۱۶}{۲۴} = \frac{۵}{۲۴}$

یہ باقی کا حصہ عصبات میں تقسیم ہوگا۔ جو یہاں دو پوتے اور ایک پوتی ہیں اس لئے باقی ماندہ ترکہ کے پانچ حصے کئے جائیں گے جن میں سے ہر پوتے کو دو اور پوتی کو ایک حصہ ملے گا۔

لہٰذا ہر پوتے کا حصہ $= \frac{۵}{۲۴} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۲}{۲۴} = \frac{۱}{۱۲}$

پوتی کا حصہ $= \frac{۵}{۲۴} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۱}{۲۴}$

پس اگر جائداد کے ۷۲ سہام کئے جائیں تو ۹ بیوی کے، ۱۶ ہر لڑکی کے، ۶ ہر

پوتے کے اور ۳ سہام پوتی کے ہوں گے۔

مثال نمبر ۶:

ایک میت نے دو لڑکیاں اور ایک پوتی وارث چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دو لڑکیوں کا حصہ = ۲/۳

ایک لڑکی کا حصہ = ۱/۳

باقی = ۱ - $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱}{۳}$

پوتی محروم

نوٹ: چونکہ کوئی عصبہ موجود نہیں اس لئے باقی ۱/۳ بھی بطریق ردّ میت کی لڑکیوں کو مل جائے گا۔ پوتی بہر حال محروم ہو گی۔

لہٰذا ہر لڑکی کا حصہ= $\frac{1}{2} = \frac{3}{6} = \frac{3+16}{6} -1 = \frac{1}{6} + \frac{1}{3} = \frac{1}{2} \times \frac{1}{3} + \frac{1}{3}$

عصبہ درجہ اول نمبر ۳ پڑپوتا:

جب میت کا بیٹا، پوتا کوئی بھی موجود نہ ہو تو ذوی الفروض کو اُن کے حصے دینے کے بعد جو مال بچ جائے وہ پڑپوتا یا پڑپوتے حاصل کرتے ہیں اگر پڑپوتیاں بھی موجود ہوں تو وہ پڑپوتے کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں۔ پھر ان کے درمیان **للذکر مثل حظ الانثیین** کے اصول کے تحت تقسیم ہو گی۔ یعنی مرد کو دگنا اور عورت کو اکہرا حصہ ملے گا۔

اگر میت کی ایسی پوتی یا پوتیاں موجود ہوں جو ذوی الفروض میں شامل نہ ہو سکتی ہوں اور پڑپوتا بھی موجود ہو تو یہ (پوتی پوتیاں) پڑپوتے کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں۔

اسی طرح اگر میت کی ایسی ہی پوتیاں بھی ہوں اور پڑپوتیاں بھی ہوں تو یہ سب پڑپوتے کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں اور باقی ماندہ مال ان کے درمیان ۲:۱ سے تقسیم کیا جاتا ہے یعنی مرد کو دگنا اور عورت کو اکہرا حصہ دیا جاتا ہے۔ پڑپوتے کی موجودگی میں اس سے نیچے درجہ والے مرد بھی یعنی سکڑپوتے وغیرہ محروم ہوتے ہیں اور یہ (پڑپوتا) پوتے کے سامنے اور پوتا بیٹے کے سامنے محروم ہوتا ہے۔

مثال نمبر ۷:

ایک میت نے والد، والدہ، دو پوتیاں اور ایک پڑپوتا وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

دو پوتیوں کا حصہ = ۲/۳ ہر پوتی کا حصہ = ۱/۳

باقی = $1 - \left(\frac{1}{6} + \frac{1}{6} + \frac{2}{3}\right) =$ صفر

جائداد ذوی الفروض میں ہی پوری ہو جاتی ہے عصبہ کے لئے کچھ نہیں بچتا اس لئے پڑپوتا کو کچھ نہیں ملے گا۔

مثال نمبر ۸:

ایک متوفیہ نے خاوند، دو پوتیاں، ایک پڑپوتی اور ایک پڑپوتا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

حل: خاوند کا حصہ = ۱/۴

دو پوتیوں کا حصہ = ۲/۳

باقی = $1 - \left(\frac{1}{4} + \frac{2}{3}\right) = 1 - \frac{8+3}{12} = \frac{1}{12}$

یہ ۱۲/۱ عصبات میں جو یہاں ایک پڑپوتا اور ایک پڑپوتی ہیں۔ ۲، اور ۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔

پڑپوتے کا حصہ = $\frac{1}{12} \times \frac{2}{3} = \frac{1}{18}$

پڑپوتی کا حصہ = $\frac{1}{12} \times \frac{1}{3} = \frac{1}{36}$

اس لئے اگر جائداد کے ۳۶ سہام کئے جائیں تو ۹ خاوند کے، ۱۲ ہر پوتی کے، دو پڑپوتے کے اور ایک سہم پڑپوتی کا ہوگا۔

درجہ دوم کے عصبات

درجہ اوّل کے عصبات تین نمبروں تک بیان کرنے کے بعد ہم درجہ دوم کے عصبات کو لیتے ہیں کیونکہ ان سے نیچے کے عصبات بہت شاذ و نادر موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی تفاصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ عملاً کسی وقت ایسے عصبات موجود ہوں تو

پھران کا حال پڑپوتوں کی مانند ہوگا۔

درجہ دوم کے عصبات وہ ہیں جو میت کی اصل ہوں۔ یعنی باپ، دادا، پڑدادا، سکڑ دادا وغیرہ کیونکہ یہ ذوی الفروض میں بھی شامل ہیں اور ۱/۶ حصہ پاتے ہیں۔

اس لئے درجہ اول کے عصبات میں سے اگر کوئی موجود ہوتو یہ لوگ بطور عصبہ کچھ نہیں پاتے صرف بطور ذوی الفروض اپنا حصہ پاتے ہیں۔ اگر درجہ اوّل کا کوئی عصبہ بھی موجود نہ ہوتو پھر یہ درجہ دوم کے عصبات ذوی الفروض ہونے کے ساتھ ساتھ باقی ماندہ ترکہ بھی بطور عصبہ حسب ترتیب حاصل کر لیتے ہیں۔ اگر ذوی الفروض میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر سارا ترکہ انہیں کومل جاتا ہے۔ اگر کوئی ان سے نیچے درجہ کا عصبہ بھی موجود ہوتو اُسے یہ محروم کر دیتے ہیں۔ اب ہر ایک کے حالات بحیثیت عصبہ علیحدہ علیحدہ درج کئے جاتے ہیں تا کہ آسانی سے ان کے مسائل سمجھ آ سکیں۔

عصبہ درجہ دوم نمبر ا باپ:

اگر درجہ اوّل کے عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو اور نہ ہی میت کی کوئی بیٹی پوتی وغیرہ موجود ہوتو ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو کچھ بھی بچے گا وہ سب والد بطور عصبہ حاصل کرے گا۔

باپ کی موجودگی میں دادا محروم ہوتا ہے۔ بطور ذوی الفروض بھی اور بطور عصبہ بھی اور اگر درجہ اوّل کے عصبات میں سے کوئی بھی موجود ہوتو خود باپ کو بھی ترکہ میں سے بطور عصبہ کچھ نہیں ملے گا۔ البتہ بطور ذوی الفروض اپنا مقررہ حصہ (یعنی صرف ۱/۶) لے گا۔

عصبہ درجہ دوم نمبر ۲ دادا:

جب میت کا باپ زندہ نہ ہوتو دادا اس کا قائم مقام بن جاتا ہے اور اسے ہر وہ حق حاصل ہوتا ہے جو والد کو مختلف حالات میں حاصل ہوتا ہے۔ (سوائے ایک معمولی سے فرق کے جس کا ذکر آگے پڑدادا کے عنوان کے تحت آئے گا) دادا بھی باپ کی طرح کسی وقت صرف ذوی الفروض میں شامل ہوتا ہے اور کسی وقت دونوں قسموں کے ورثاء میں یعنی ذوی الفروض میں بھی اور عصبات میں بھی۔ لیکن بطور عصبہ یہ اسوقت ہی کچھ مال حاصل کرے گا جب درجہ اوّل کے عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ میت کے باپ کی موجودگی میں

دادا مکمل طور پر محروم ہو جاتا ہے میت کے بیٹے کی موجودگی میں اسے صرف اپنا مقررہ حصہ (۱/۶) ملتا ہے۔ اور یہ خود اپنے سے کم قوت قرابت والوں مثلاً پڑ دادا، سکڑ دادا وغیرہ کو محروم کرتا ہے۔

عصبہ درجہ دوم نمبر ۳ پڑ دادا:

اگر باپ اور دادا موجود نہ ہوں تو پڑ دادا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے اور اسے وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو والد کو حاصل تھے (انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں) جس طرح دادا پڑ دادا کو محروم کرتا ہے اسی طرح پڑ دادا اپنے سے کم قوتِ قرابت والوں کو مثلاً سکڑ دادا، لکڑ دادا وغیرہ سب کو محروم کردے گا۔ پس یہ بھی یاد رکھئے کہ اگر والد میت کا زندہ نہ ہو تو دادوں (جد صحیح) میں سے وہ دادا وارث ہوگا۔ جو سب سے زیادہ قریب ہوگا اور وہ والد کا قائم مقام ہوگا۔

احکام وراثت میں والد اور دادے کے حق اور اثر میں کچھ معمولی سا اختلاف ہے جس کی تفصیل ذوی الفروض کے باب میں بیان ہو چکی ہے اور یہاں بطور یاد دہانی دوبارہ درج کی جاتی ہے۔

الف۔ حق کا فرق:- اگر میت نے اپنے ورثاء زوج یا زوجہ، والدہ اور والد چھوڑے ہوں تو زوج یا زوجہ کو اُن کا حصہ ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے اس کا ۱/۳ والدہ کو اور ۲/۳ والد کو دیا جاتا ہے، لیکن اگر میت نے اپنے ورثاء زوج یا زوجہ، والدہ اور دادا چھوڑے ہوں تو والدہ کو کل ترکہ کا ۱/۳ اور زوج یا زوجہ کو اُن کا معین حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ دادا کو دیا جاتا ہے اس صورت میں دادا والد کی نسبت قدرے کم حصہ حاصل کرتا ہے۔

ب۔ اثر کا فرق:- باپ کی موجودگی میں دادی محروم ہوتی ہے، لیکن دادا کی موجودگی میں دادی محروم نہیں ہوتی۔

پڑ دادا سے اوپر کے عصبات بھی پڑ دادا کی طرح باپ کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے ذکر کو چھوڑ دیا گیا ہے اور ہم درجہ دوم کے تین نمبر تک کے ہی عصبات پر اکتفا کرتے ہیں۔

نوٹ: درجہ دوم کا ہر عصبہ درجہ سوم کے ہر عصبہ کو محروم کرے گا۔

درجہ سوم کے عصبات

بھائی، بھائی کا بیٹا (بھتیجا) بھائی کا پوتا (بھتیجا کا بیٹا)

بھائی کا پڑپوتا (بھتیجا کا پوتا) وغیرہ

جب درجہ اول اور درجہ دوم کے عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتو پھر ذوی الفروض سے بچا ہوا (یا ذوی الفروض کے موجود نہ ہونے کی صورت میں تمام ترکہ) درجہ سوم کا عصبہ یا عصبات حاصل کریں گے۔ اس درجہ میں بھی سب سے پہلے وہ عصبہ یا عصبات حقدار ہوں گے جو قرابت کے لحاظ سے دوسروں کی نسبت میت کے زیادہ نزدیک ہوں، لیکن درجہ اول یا دوم میں سے کوئی بھی عصبہ موجود ہوتو درجہ سوم کے عصبات سب محروم رہتے ہیں۔ اب ان درجہ سوم کے عصبات کے احکام قدرے تفصیل سے درج کئے جاتے ہیں۔

عصبہ درجہ سوم نمبر ا حقیقی بھائی:

جب درجہ اوّل اور درجہ دوم میں سے کوئی بھی عصبہ موجود نہ ہوتو ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ حقیقی بھائی کو جو میت کے باپ کا جز ہے بطور عصبہ مل جاتا ہے اگر کوئی بھی ذوی الفروض موجود نہ ہوتو تمام ترکہ حقیقی بھائی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر یہ حقیقی بھائی دو یا دو سے زائد ہوں تو باقی ماندہ ترکہ ان بھائیوں میں برابر برابر تقسیم ہوگا۔ اگر حقیقی بھائی یا بھائیوں کے ساتھ حقیقی بہن یا بہنیں بھی موجود ہوں تو یہ حقیقی بہنیں اپنے حقیقی بھائیوں کی وجہ سے عصبہ بالغیر بن جائیں گی اور باقی ماندہ ترکہ میں حصہ کی حقدار ہوں گی اور تقسیم **للذکر مثل حظ الانثیین** کے اصول کے تحت ہوگی۔

جب حقیقی بھائی موجود ہو۔ تو علاتی بھائی محروم ہوں گے کیونکہ حقیقی بھائیوں کی قوتِ قرابت علاتی بھائیوں کی نسبت زیادہ ہے۔

مثال نمبر ۹:

ایک میت نے والدہ، زوجہ، دو حقیقی بھائی، تین حقیقی بہنیں اور دو علاتی بھائی اپنے وارث چھوڑے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

زوجہ کا حصہ = ۱/۴

باقی = ۱-(۱/۶ + ۱/۴)=۱- ۶+۴/۲۴ = ۱۴/۲۴

یہ ۱۴/۲۴ حصہ حقیقی بھائی بہنوں کو بطور عصبہ مل جائے گا۔(علاتی بھائی حقیقی بھائیوں کی وجہ سے محروم ہوں گے)اس طرح کہ ہر بھائی کو دو حصے اور ہر بہن کو ایک حصہ ملے گا۔اس لئے

حقیقی بھائی کا حصہ = ۱۴/۲۴ × ۲/۷ = ۱/۶

حقیقی ہمشیرہ کا حصہ = ۱۴/۲۴ × ۱/۷ = ۱/۱۲

گویا جائداد کے بارہ سہام کئے جائیں تو دو والدہ کے تین زوجہ کے، دو ہر بھائی کے اور ایک سہم ہر بہن کا ہوگا۔

عصبہ درجہ سوم نمبر۲ علاتی بھائی:

جب درجہ اوّل و دوم میں سے کوئی بھی عصبہ موجود نہ ہو اور تیسرے درجہ میں حقیقی بھائی بھی موجود نہ ہو تو پھر علاتی بھائی بطور عصبہ وہ سب کچھ حاصل کرتا ہے۔ جو حقیقی بھائی کو ملنا تھا۔علاتی بہن علاتی بھائی کے عصبہ بالغیر بن جائے گی۔

علاتی بھائی حقیقی بھتیجا کو محروم کر دیتا ہے کیونکہ علاتی بھائی کی قوتِ قرابت زیادہ ہے بہ نسبت حقیقی بھتیجے کے۔

عصبہ درجہ سوم نمبر۳ حقیقی بھتیجا:

جب میت کے حقیقی یا علاتی بھائیوں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو اور نہ ہی درجہ اوّل یا دوم کا عصبہ موجود ہو تو بھتیجا وہ تمام ترکہ حاصل کرلے گا جو ذوی الفروض کے حصے ادا کرنے کے بعد بچ جائے۔اگر حقیقی بھتیجے دو یا دو سے زائد ہوں تو یہ ترکہ برابر برابر تقسیم کرلیں گے۔

نوٹ: حنفی مسلک کی رو سے بھتیجی/بھتیجیاں کو بھتیجوں کے ساتھ عصبہ باالغیر نہیں سمجھتے۔وہ بھتیجیوں کو ذوی الارحام میں شمار کرتے ہیں۔لہٰذا بھتیجی/بھتیجیوں کو بھتیجوں کی موجودگی میں وارث قرار نہیں دیتے۔ یہ محروم رہتی ہیں۔ جماعت احمدیہ کا مسلک یہ ہے کہ بھتیجی/بھتیجیاں، بھتیجوں کی موجودگی میں عصبہ باالغیر بن جاتی ہیں۔لہٰذا ان میں بقیہ ترکہ ۲ : ۱ سے تقسیم کیا جائے گا۔

عصبہ درجہ سوم نمبر۴ علاتی بھتیجا:

جب میت کے حقیقی بھائی، علاتی بھائی اور حقیقی بھتیجا میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوں اور نہ ہی درجہ اوّل یا دوم کا کوئی عصبہ موجود ہوتو علاتی بھتیجا وہ سب مال حاصل کر لیتا ہے جو ذوی الفروض کے حصوں کی ادائیگی کے بعد بچ جاتا ہے یہ بھتیجے خواہ ایک ہی علاتی بھائی کے بیٹے ہوں یا مختلف علاتی بھائیوں کے بیٹے ہوں میراث میں برابر کے حقدار ہیں۔ اگر علاتی بھتیجی بھی موجود ہوتو وہ علاتی بھتیجے کے ساتھ عصبہ باالغیر بن جائے گی۔

جب تک کوئی علاتی بھتیجا موجود ہو۔ اس وقت تک نہ حقیقی بھائیوں کے پوتوں کو کچھ ملے گا اور نہ ہی علاتی بھائیوں کے پوتوں کو کچھ ملے گا۔

عصبہ درجہ سوم نمبر۵ بھتیجے کا بیٹا (حقیقی بھائی کا پوتا):

جب حقیقی بھائی، علاتی بھائی، حقیقی بھتیجا اور علاتی بھتیجا کوئی بھی موجود نہ ہو۔ اور نہ ہی درجہ اول یا دوم کا کوئی عصبہ موجود ہو۔ تب ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ حقیقی بھائی کا پوتا حاصل کرتا ہے اگر حقیقی بھائی کے پوتے دو یا دو سے زائد ہوں تو وہ سب اس میں برابر کے شریک ہوں گے اسی طرح اگر حقیقی بھائی ایک سے زائد ہوں تو وہ سب اس میں برابر کے شریک ہوں گے اسی طرح اگر حقیقی بھائی ایک سے زیادہ ہوں اور اُن کے پوتے مختلف تعداد میں ہوں تب بھی ان تمام بھائیوں کے تمام پوتے میراث میں برابر کے حق دار ہوں گے۔ اور حقیقی بھائی کا پوتا علاتی بھائی کے پوتے کا کو محجوب کرتا ہے۔

عصبہ درجہ سوم نمبر۶ علاتی بھتیجے کا بیٹا (یعنی علاتی بھائی کا پوتا):

جب درجہ سوم کے عصبات میں سے حقیقی بھائی، علاتی بھائی، حقیقی بھتیجا، علاتی بھتیجا اور حقیقی بھائی کا پوتا کوئی بھی موجود نہ ہوں اور نہ درجہ اول یا دوم کا کوئی عصبہ موجود ہو۔ تب علاتی بھائی کے پوتے کو ذوی الفروض سے بچا ہوا حصہ مل جاتا ہے اگر یہ پوتے دو یا دو سے زائد ہوں خواہ ایک علاتی بھائی کے پوتے ہوں یا متعدد علاتی بھائیوں کے پوتے ہوں باقی ماندہ ترکہ میں برابر کے حصہ دار ہوں گے اگر میت کی حقیقی بہن اور بیٹی موجود ہوں تو یہ تمام (علاتی بھائی کے پوتے) محروم ہو جاتے ہیں اور جب تک یہ (علاتی بھائی کے پوتے)

موجود ہوں کسی قسم کے بھائی کے پڑپوتوں کو کچھ نہیں ملتا۔

اس کے بعد ترتیب کے لحاظ سے حقیقی بھائی کے پڑپوتے یعنی بھتیجے کے پوتے کا نمبر آتا ہے عملی لحاظ سے اس کی بہت ہی کم ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لئے درجہ سوم کے عصبات یہیں تک بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن بالفرض اگر ضرورت پڑ جائے تو یہ یاد رکھیں کہ بھائی کے پڑپوتے کے حقوق بالکل بھائی کے پوتے کے مانند ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ یہ (پڑپوتے) علاتی بھائی کے پوتے کے سامنے محروم ہیں۔ جب کہ حقیقی بھائی کا پوتا علاتی بھائی کے پوتے کے سامنے محروم نہیں ہوتا اور جب تک یہ (حقیقی بھائی کا پڑپوتا) موجود ہو۔ اس وقت تک علاتی بھائی کے پڑپوتے کو کچھ نہیں ملتا۔ اگر حقیقی بھائی کا پڑپوتا بھی موجود نہ ہو تو پھر علاتی بھائی کے پڑپوتے کو میراث ملتی ہے۔ مانند علاتی بھائی کے پوتے کے۔

درجہ چہارم کے عصبات

چچا، چچا کا بیٹا، چچا کا پوتا، چچا کا پڑپوتا، باپ کا چچا،
اور اس کے بیٹے وغیرہ، دادا کا چچا وغیرہ

اگر درجہ اوّل، دوم اور سوم کے عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر حسب ترتیب درجہ چہارم کے عصبات ذوی الفروض سے بچا ہوا مال حاصل کرتے ہیں۔ ان میں بھی اگر چند عصبات ایسے ہوں جو میت سے ایک ہی جیسی قوتِ قرابت رکھتے ہوں تو باقی ماندہ ترکہ مساوی طور پر ان میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

عصبہ درجہ چہارم نمبر ا حقیقی چچا:

درجہ چہارم کا سب سے زیادہ قریبی عصبہ حقیقی چچا یعنی والد کا بھائی ہے (خواہ وہ والد سے چھوٹا ہو یا بڑا) یہ میراث سے بطور عصبہ اسی وقت حصہ پاتا ہے۔ جب پہلے تینوں درجوں کے عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ اگر چچے دو یا دو سے زائد ہوں تو پھر باقی ماندہ ترکہ کے مساوی حقدار ہوں گے۔ اگر ان کی بہنیں یعنی (میت کی پھوپھیاں بھی میت کے چچا کے ساتھ موجود ہوں تو وہ عصبہ قرار نہیں پاتیں- حنفی مسلک کی رو سے پھوپھیاں ذوی الارحام میں شامل ہیں اور ذوی الارحام کو اس وقت حصہ ملتا ہے جب ذوی الفروض

اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو- لہٰذا پھوپھی محروم رہتی ہے-

جماعت احمدیہ کے مسلک کی رو سے میت کی پھوپھیاں میت کے چچا کی موجودگی میں عصبہ بالغیر بن جاتی ہیں۔ لہٰذا وارث قرار پائیں گی۔ اس لئے بقیہ ترکہ ان میں ۲ : ۱ سے تقسیم ہوگا۔

چچاؤں کی وجہ سے ان کی بیویاں عصبہ نہیں بنتیں۔ یعنی میت کی چچی کو میراث نہیں پہنچتی۔ کیونکہ میت سے اس کا کوئی تعلق نسبی نہیں ہے۔ اگر حقیقی چچا موجود ہو تو میت کے درجہ چہارم کے باقی عصبات کو حصہ نہیں ملتا۔

عصبہ درجہ چہارم نمبر۲ علاتی چچا یعنی باپ کا علاتی بھائی:

جب حقیقی چچا موجود نہ ہو تو پھر باقی ماندہ ترکہ علاتی چچا کو ملتا ہے اس کا حال حقیقی چچا کی مانند ہے۔ اور اس کے سامنے حقیقی و علاتی چچا کے بیٹے محروم رہتے ہیں۔

عصبہ درجہ چہارم نمبر۳۔ حقیقی چچا کا بیٹا:

جب مندرجہ بالا عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کا وارث حقیقی چچا کا بیٹا ہوگا۔ اگر ایک ہی حقیقی چچا کے ایک سے زائد بیٹے ہوں یا چند حقیقی چچاؤں کے مختلف تعداد میں بیٹے موجود ہوں تو وہ سب باقی ماندہ ترکہ میں بطور عصبہ برابر کے شریک ہوں گے کیونکہ یہ سب ایک ہی درجہ کے اور ایک ہی جیسی قوتِ قرابت رکھنے والے عصبات ہیں ان کی بہنیں (یعنی حقیقی چچا یا چچاؤں کی بیٹیاں) ان کی وجہ سے عصبہ نہیں بنتیں۔ کیونکہ ان کا شمار ذوی الارحام میں ہے (جس کا بیان آئندہ باب میں ہوگا) حقیقی چچا کے بیٹے کے سامنے علاتی چچا کے بیٹے محروم ہوں گے۔

عصبہ درجہ چہارم نمبر۴ علاتی چچا کا بیٹا:

اس کا حق بالکل حقیقی چچا کے بیٹے کی مانند ہے۔ یہ حقیقی چچا کے بیٹے کے سامنے محروم ہے اور اس کے سامنے حقیقی اور علاتی چچا کے پوتے محروم ہوتے ہیں۔

عصبہ درجہ چہارم نمبر۵ حقیقی چچا کا پوتا:

جب مندرجہ بالا عصبات میں سے کوئی بھی عصبہ موجود نہ ہو تب درجہ چہارم کا یہ

عصبہ (حقیقی چچا کا پوتا) ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ حاصل کرتا ہے۔ اگر یہ (حقیقی چچا کے پوتے) ایک سے زیادہ ہوں۔ خواہ ایک حقیقی چچا کے پوتے ہوں یا چند حقیقی چچاؤں کے پوتے ہوں سب کے سب مساوی الدرجہ ہونے اور مساوی قوتِ قرابت رکھنے کی وجہ سے میراث (باقی ماندہ ترکہ) میں مساوی حصہ کے حقدار ہیں۔ ان کی بہنیں یعنی حقیقی چچا کی پوتی / پوتیاں ان پوتوں کی وجہ سے، فقہ احمدیہ کی رو سے عصبہ بالغیر بن جاتی ہیں۔ لہٰذا بقیہ ان میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔ فقہ حنفیہ کی رو سے یہ نہیں بنتی یعنی حقیقی چچا کی پوتی / پوتیاں ان پوتوں کی وجہ سے عصبہ نہیں بنتی بلکہ ان کا شمار ذوی الارحام میں ہی ہوگا۔ اس لئے وہ بطور عصبہ محروم رہیں گی۔

مثال نمبر ۱۰:

ایک میت نے ایک بیوی، ایک حقیقی بہن، دو حقیقی چچا کے پوتے اور ایک حقیقی چچا کی پوتی اپنے وارث چھوڑے اس کی جائداد میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔ نیز اگر جائداد ۸۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کو کتنی کتنی رقم ملے گی؟ جب کہ میت کے ذمہ کسی قسم کا قرض نہ ہو۔

بیوی کا حصہ = ۱/۴

بہن کا حصہ = ۱/۲

باقی = ۱ - ($\frac{1}{2}$ + $\frac{1}{4}$) = $\frac{1}{4}$

یہ (۱/۴ حصہ) درجہ چہارم کے پانچوں عصبات (حقیقی چچاؤں کے پوتوں) میں تقسیم ہوگا۔ کیونکہ ان سے پہلے درجوں اور نمبروں والے عصبات موجود نہیں۔ حقیقی چچا کی پوتی محروم رہے گی کیونکہ یہ ذوی الارحام میں شامل ہے۔ (فقہ حنفیہ کے مطابق)

اس لئے چچا کے دو پوتوں کا حصہ = ۱/۴

ایک کا حصہ = ۱/۸

لہٰذا ۸۰۰۰ میں زوجہ کا حصہ = ۸۰۰۰ × $\frac{1}{4}$ = ۲۰۰۰ روپے

۸۰۰۰ میں بہن کا حصہ = ۸۰۰۰ × $\frac{1}{2}$ = ۴۰۰۰ روپے

ہر ایک (چچا کے) پوتے کا حصہ = ۸۰۰۰ × $\frac{1}{8}$ = ۱۰۰۰ روپے

عصبہ درجہ چہارم نمبر ۶ علاتی چچا کا پوتا:

اس کی حالت بعینہ حقیقی چچا کے پوتے کی مانند ہے یہ خود حقیقی چچا کے پوتے کے سامنے محروم ہے کیونکہ حقیقی چچا کے پوتے کو علاتی چچا کے پوتے کی نسبت زیادہ قوت قرابت حاصل ہے۔اس (علاتی چچا کے پوتے) کے سامنے حقیقی و علاتی چچا کے پڑپوتے محروم ہیں۔ کیونکہ یہ (پوتا) متوفی سے زیادہ قریب ہے بہ نسبت پڑپوتے کے۔اسی طرح اس کے بعد حقیقی چچا کے پڑپوتے اور پھر علاتی چچا کے پڑپوتے وغیرہ کا نمبر آتا ہے،لیکن وہ اسی وقت میراث سے حصہ پا سکتے ہیں جب ان سے زیادہ قوتِ قرابت والے عصبات موجود نہ ہوں۔ اگر کسی میت کے دادا کی اولاد بھی موجود نہ ہو۔تو پھر اس کے پڑدادا کی اولاد دیکھی جائے گی یعنی میت کے باپ کے حقیقی چچا اور علاتی چچا اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر حقیقی چچا یا علاتی چچا کی اولاد وارث ہوگی اور ترتیب حق میراث وہی ہوگی جو دادا کی اولاد میں اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یہ تمام لوگ درجہ چہارم میں ہی شمار کیئے جاتے ہیں نیچے ان کا بھی ذکر کیا جاتا ہے،لیکن اختصار کے ساتھ

باپ کے حقیقی چچا (یعنی دادا کا بھائی)

جب مذکورہ بالا عصبات میں سے بھی کوئی بھی موجود نہ ہوں تو پھر یہ (باپ کا حقیقی چچا) ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ حاصل کرتا ہے۔اگر یہ تعداد میں دو یا دو سے زائد ہوں تو پھر یہ سب میراث میں برابر کے حقدار ہوتے ہیں۔

باپ کا علاتی بھائی

باپ کے حقیقی چچا کے نہ ہونے کی صورت میں اس کا قائم مقام ہے۔ باپ کے حقیقی چچا کے سامنے خود محروم ہے اور اپنے سے نیچے والوں کو محروم کر دیتا ہے۔

میت کے باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا اور علاتی چچا کا بیٹا

یعنی میت کے باپ کا حقیقی چچا زاد بھائی اور میت کے باپ کا علاتی چچا زاد بھائی۔ جب ان سے اوپر کے درجہ والے عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر میت کے باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا یا بیٹے باقی ماندہ ترکہ کے وارث ہوں گے اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر علاتی چچا کا بیٹا یا بیٹے باقی ماندہ ترکہ کے برابر کے حصہ دار ہوں گے اگر یہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر

باپ کے حقیقی چچا کا پوتا وارث ہوگا اور اگر بہت سے ایسے پوتے ہوں تو وہ تمام برابر کے حصہ دار ہوں گے اور اگر یہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر باپ کے علاتی چچا کا پوتا یا پوتے وارث ہوں گے۔ اسی طرح سے یہ سلسلہ چلتا جائے گا۔ اس تقسیم میں یہ یاد رکھئے کہ اوپر کے درجہ والے اپنے سے نیچے کے درجے والوں کو محروم کرتے ہیں اور اسی طرح ایک ہی درجہ میں زیادہ قوتِ قرابت رکھنے والے اپنے سے کم قوتِ قرابت رکھنے والوں کو محروم کرتے ہیں۔ انہیں اب ایک نقشہ کی صورت میں بھی لکھا جاتا ہے تاکہ یاد رکھنے میں آسانی رہے۔ عصبہ بنفسہٖ کا یہ نقشہ چار پشتوں تک بہ ترتیب درجہ وقوتِ قرابت ہے۔

درجہ	نمبر بلحاظ قرابت	نام عصبہ	حالت و کیفیت
اوّل I میت کا جز یعنی اولاد	۱	بیٹا	یہ سب عصبات سے مقدم ہے جو کبھی محروم نہیں ہوتا۔ اس کے سامنے اس سے کم درجہ والے تمام محروم ہوتے ہیں۔ میت کی بیٹیاں اس (بیٹے) کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں۔
	۲	پوتا	
	۳	پڑپوتا	
		آگے سکڑ پوتا وغیرہ	
دوم II میت کی اصل	۱	والد	اپنے سے اوپر والوں کے سامنے بطور عصبہ محروم البتہ بطور ذوی الفروض اپنا مقررہ حصہ ۱/۶ حاصل کرے گا اپنے سے کم درجہ والوں کو محروم کر دیتا ہے۔
	۲	دادا	
	۳	پڑدادا	
		آگے سکڑ دادا وغیرہ	
سوم III میت کے باپ کا جز یعنی باپ کی نسل	۱	حقیقی بھائی	حقیقی بہن اگر موجود ہو تو وہ اس کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے۔
	۲	علاتی بھائی	اگر میت کی بیٹی اور حقیقی بہن موجود ہوں تو محروم ہوتا ہے۔ علاتی بہن اس کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے۔
	۳	حقیقی بھائی کا بیٹا یعنی بھتیجا	اوپر والوں کے سامنے خود محروم نیچے درجہ والے اس کے سامنے محروم ہیں
	۴	علاتی بھائی کا بیٹا (یعنی علاتی بھتیجا)	//
	۵	حقیقی بھائی کا پوتا	//
	۶	علاتی بھائی کا پوتا	اوپر والوں کے سامنے خود محروم نیچے درجہ والے اس کے سامنے محروم ہیں

درجہ	نمبر بلحاظ قرابت	نام عصبہ	حالت و کیفیت
	۷	حقیقی بھائی کا پڑپوتا	اوپر والوں کے سامنے خود محروم نیچے درجہ والے اس کے سامنے محروم ہیں
	۸	علاتی بھائی کا پڑپوتا وغیرہ	//
چہارم IV میت کے باپ کی اصل	۱	حقیقی چچا	//
	۲	علاتی چچا (باپ کا علاتی بھائی)	//
	۳	حقیقی چچا کا بیٹا	//
	۴	علاتی چچا کا بیٹا	//
	۵	حقیقی چچا کا پوتا	//
	۶	علاتی چچا کا پوتا	//
	۷	حقیقی چچا کا پڑپوتا	//
	۸	علاتی چچا کا پڑپوتا	//
	۹	باپ کا حقیقی چچا	//
	۱۰	باپ کا علاتی چچا	//
	۱۱	باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا	//
	۱۲	باپ کے علاتی چچا کا بیٹا	//
	۱۳	باپ کے حقیقی چچا کا پوتا	//
	۱۴	باپ کے علاتی چچا کا پوتا	//
	۱۵	باپ کے حقیقی چچا کا پڑپوتا	//
	۱۶	باپ کے علاتی چچا کا پڑپوتا	//

ذوی الفروض اور عصبات کی توریث کے اصول کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے ورثاء میں پانچ کس ایسے ہیں جنہیں وراثت سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملتا ہے وہ کسی حالت میں کسی وارث سے بھی بلکلی محجوب نہیں ہوتے اور وہ یہ ہیں:۔ والد، والدہ، زوجہ، خاوند، اولاد (بیٹے بیٹیاں) ان پانچ ورثاء کو **"اصلی وارث"** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ تین اور وارث ہیں جو ان مذکورہ بالا وارثوں کی عدم موجودگی میں وارث قرار پاتے ہیں اس لئے یہ تین وارث ان کے قائم مقام کہلاتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱)۔ دادا۔ خواہ وہ کتنے ہی اوپر درجہ کا ہو۔

(۲)۔ دادی۔ (جدّ صحیحہ) خواہ وہ کتنے ہی اوپر درجہ کی ہو۔

(۳)۔ اولاد۔ خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو۔

خاوند اور بیوی کا قائمقام کوئی اور وارث نہیں ہوسکتا۔

اصلی وارث	=	**والد،**	**والدہ،**	**خاوند،**	**بیوی، اولاد**
قائمقام وارث	=	**دادا،**	**نانی،**	×	× **بیٹے کی اولاد**

ان قائم مقام وارثوں کا بیان ذوی الفروض اور عصبات کے ضمن میں بالتفصیل آچکا ہے۔ اب مثالیں حل کرکے ان کے حق میراث اور حصوں کی مزید تشریح کی جائے گی۔

مثال نمبر ۱۱:

ایک میت نے صرف دو بیٹے اور ایک بیٹی وارث چھوڑے اس نے اپنی زندگی میں کل جائداد کے ۱۰/۱ حصہ کی وصیت ایک انجمن کے حق میں کی ہوئی تھی۔ اگر اس کی جائداد ۵۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

وصیت کا حصہ = $\frac{۱}{۱۰}$

باقی = ۱ - $\frac{۱}{۱۰}$ = $\frac{۹}{۱۰}$

یہ ۱۰/۹ حصہ پہلے ذوی الفروض میں تقسیم ہوگا اور جو کچھ اس سے بچ رہے وہ عصبات میں تقسیم ہوگا۔ اس مثال میں ذوی الفروض کوئی بھی نہیں۔ بیٹی بیٹے کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے اس لئے یہ باقی ترکہ عصبات میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ (اس طرح کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ)

ایک بیٹے کا حصہ $= \frac{۹}{۱۰} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۱۸}{۵۰}$

بیٹی کا حصہ $= \frac{۹}{۱۰} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۹}{۵۰}$

گویا اگر جائدا کے ۵۰ حصے کئے جائیں تو ۵ حصے انجمن کے، ۱۸ حصے ہر بیٹے کے اور ۹ حصے بیٹی کے ہوں گے۔

انجمن کا حصہ $=$ ۵۰۰۰ روپے $\frac{۱}{۱۰} \times$ ۵۰۰۰ = ۵۰۰ روپے

ہر بیٹے کا حصہ $=$ ۵۰۰۰ روپے $\frac{۱۸}{۵۰} \times$ ۵۰۰۰ = ۱۸۰۰ روپے

بیٹی کا حصہ $=$ ۵۰۰۰ روپے $\frac{۹}{۵۰} \times$ ۵۰۰۰ = ۹۰۰ روپے

مثال نمبر ۱۲:

ایک میت نے دو بیویاں، والدہ، دو بیٹے اور تین بیٹیاں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

ذوی الفروض: والدہ کا حصہ $= ۱/۶$

دو بیویوں کا حصہ $= ۱/۸$

اس لئے ہر ایک بیوی کا حصہ $= ۱/۱۶$

دو بیٹے اور تین بیٹیاں عصبہ ہیں۔

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۶}) = ۱ - \frac{۳+۴}{۲۴} = \frac{۱۷}{۲۴}$ جو عصبہ کا حق ہے

لہٰذا یہ باقی کا (۱۷/۲۴ حصہ) دو بیٹوں اور تین بیٹیوں میں تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر ایک بیٹے کا حصہ $= \frac{۱۷}{۲۴} \times \frac{۲}{۷} = \frac{۳۴}{۱۶۸}$

ہر ایک بیٹی کا حصہ $= \frac{۱۷}{۲۴} \times \frac{۱}{۷} = \frac{۱۷}{۱۶۸}$

گویا اگر جائداد کے ۳۳۶ سہام کئے جائیں تو ۵۶ سہام والدہ کے ۲۱ سہام ہر بیوی کے ۶۸ سہام ہر بیٹے کے اور ۳۴ سہام ہر بیٹی کو ملیں گے۔

۲۔ پوتے اور پوتیاں (خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہوں):

مثال نمبر۱۳:

ایک میت نے دو پوتے اور تین پوتیاں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ اور حیثیت بتاؤ۔ جب پوتا موجود ہو تو پوتی ذوی الفروض نہیں ہوتی عصبہ ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں بطور عصبہ حصہ پائیں گے اس طرح کہ پوتا پوتی کی نسبت دگنا حصہ لے گا۔ اس لئے اگر جائداد کے ۷ سہام کئے جائیں تو ہر پوتا دو سہام کا اور ہر پوتی ایک سہم کی وارث ہوگی۔

مثال نمبر۱۴:

ایک میت نے ایک بیٹی، ایک پوتا، ایک پوتی اور ایک پڑپوتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ اور حیثیت بتائیے۔

بیٹی کا حصہ = ۱/۲ بطور ذوی الفروض

باقی = $۱ - \frac{۱}{۲} = \frac{۱}{۲}$

یہ (۱/۲ حصہ) پوتے اور پوتی میں بطور عصبہ ۲ اور ۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا اور پڑپوتی محروم ہوگی۔ اس لئے

پوتے کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۳}$

پوتی کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۶}$

یعنی اگر جائداد کے ۶ سہام کئے جائیں تو ۶ سہام بیٹی کو دو پوتے کو اور ایک پوتی کو ملے گا۔

نوٹ: پوتی۔ پوتے کی موجودگی میں عصبہ قرار پائے گی۔ ذوی الفروض میں شمار نہیں ہوسکتی۔

مثال نمبر۱۵:

ایک میت نے تین پوتیاں اور دو پڑپوتے چھوڑے ہر ایک کا حصہ مع حیثیت بتائیے۔

تین پوتیاں ذوی الفروض ہیں اور پڑپوتے عصبہ ہوں گے۔ اگر پوتیوں کے علاوہ کوئی اور ذوی الفروض ہوتا تو پھر یہ بھی پڑپوتے کی وجہ سے عصبہ بن جاتیں۔ موجودہ صورت میں یہ ذوی الفروض ہیں کیونکہ ان کے ذوی الفروض بننے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

اس لئے تین پوتیوں کا حصہ = ۲/۳ ہر ایک پوتی کا حصہ = ۲/۹

باقی $= ۱ - \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۳}$

یہ (۱/۳) عصبہ میں تقسیم ہوگا جو یہاں دو پڑپوتے ہیں۔

اس لئے ہر پڑپوتے کا حصہ $= \frac{۱}{۳} \times \frac{۱}{۲} = \frac{۱}{۶}$

یعنی اگر جائداد کے ۱۸ سہام کئے جائیں تو ۴ سہام ہر پوتی کو اور تین سہام ہر پڑپوتے کو ملیں گے۔

مثال نمبر ۱۶:

ایک میت نے ایک زوجہ، ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پڑپوتا اور ایک پڑپوتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ، بیٹی اور پوتی ذوی الفروض ہیں۔ پڑپوتا اور پڑپوتی عصبہ ہیں۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

پوتی کا حصہ = ۱/۶

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۲} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۸}) = ۱ - \frac{۱۲+۴+۳}{۲۴} = \frac{۵}{۲۴}$

یہ ۵/۲۴ حصہ عصبات میں دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے پڑپوتے کا حصہ $= \frac{۵}{۲۴} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۵}{۳۶}$

پڑپوتی کا حصہ $= \frac{۵}{۲۴} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۵}{۷۲}$

گویا اگر جائداد کے ۷۲ حصے کئے جائیں تو ۹ حصے زوجہ کے، ۳۶ بیٹی کے ۱۲ پوتی کے ۱۰ پڑپوتے کے اور پانچ پڑپوتی کے ہوں گے۔

نوٹ:۔ بیٹی صرف ایک ہے اس لئے پوتی یا پوتیاں بطور ذوی الفروض کے ۱/۶ کی وارث ہوں گی۔ کیونکہ ان کے ذوی الفروض میں شامل ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں۔ اس لئے یہاں یہ پڑپوتے کے ساتھ جو اس سے ایک درجہ نیچے ہے۔ عصبہ نہ بنیں گی۔ بلکہ بیٹی کے حصے ۱/۲ میں ۱/۶ جمع کر کے ۲/۳ بنائیں گی۔

مثال نمبر ۱۷:

ایک میت نے دو بیٹیاں، ایک پوتی اور ایک پڑپوتا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ

اور حیثیت بتاؤ۔

دو بیٹیوں کے ہوتے ہوئے پوتی ذوی الفروض نہیں۔ بلکہ پڑپوتے کے ساتھ مل کر عصبہ ہو گی۔

دو بیٹیوں کا حصہ =۲/۳ ہر بیٹی کا حصہ = ۱/۳

باقی = ۱ - $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱}{۳}$

پڑپوتے کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ × $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۲}{۹}$

پوتی کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ × $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۱}{۹}$

یعنی اگر جائداد کے ۹ سہام کئے جائیں تو تین ہر بیٹی کے، ایک پوتی کا اور دو پڑپوتے کے ہوں گے۔

مثال نمبر ۱۸:

ایک میت نے دو پوتیاں، ۲ پڑپوتے اور ۳ پڑپوتیاں چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دو پوتیاں ذوی الفروض ہوں گی۔ کیونکہ ان کے ذوی الفروض ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ دو پڑپوتے اور ۳ پڑپوتیاں عصبہ ہوں گی۔

دو پوتیوں کا حصہ = ۲/۳ اس لئے ہر پوتی کا حصہ = ۱/۳

باقی = ۱ - $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱}{۳}$

یہ (۱/۳ حصہ) دو پڑپوتوں اور تین پڑپوتیوں میں ۲ اور ۱ کی نسبت سے تقسیم ہو گا۔

اس لئے ہر پڑپوتے کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ × $\frac{۲}{۷}$ = $\frac{۲}{۲۱}$

ہر پڑپوتی کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ × $\frac{۱}{۷}$ = $\frac{۱}{۲۱}$

گویا اگر جائداد کے ۲۱ سہام کئے جائیں تو ۷ سہام ہر پوتی کے، دو سہام ہر پڑپوتے کے اور ایک سہم ہر پڑپوتی کا ہو گا۔

مثال نمبر ۱۹:

ایک میت نے دو بیٹیاں، ایک پڑپوتا، دو پڑپوتیاں اور دو پوتیاں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳ (بطور ذوی الفروض)

باقی = ۱ - $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱}{۳}$

یہ (۱/۳) عصبات میں (جو یہاں پوتیاں، پڑپوتیاں اور پڑپوتا ہیں) تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر پوتی کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ × $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۱}{۱۸}$

ہر پڑپوتی کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ × $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۱}{۱۸}$

پڑپوتے کا حصہ = $\frac{۱}{۳}$ × $\frac{۲}{۶}$ = $\frac{۲}{۱۸}$

گویا اگر جائداد کے ۱۸ سہام کئے جائیں تو ہر بیٹی کو چھ، ہر پوتی کو ایک، ہر پڑپوتی کو ایک اور پڑپوتے کو دو سہام ملیں گے۔

درجہ دوم کے عصبات، باپ (دادا، پڑدادا وغیرہ)

مثال نمبر۲۰:

اگر ایک میت کے صرف والدین ہی وارث ہوں تو والدہ کو ۱/۳ حصہ ملے گا اور باقی (۲/۳ حصہ) باپ حاصل کرے گا۔

مثال نمبر۲۱:

ایک میت نے ایک بیٹی اور والد وارث چھوڑے ہوں تو بیٹی ۱/۲ حصہ حاصل کرے گی اور والد بحیثیت ذوی الفروض ۱/۶ حصہ حاصل کرے گا۔ اور جو باقی بچے گا وہ بھی بطور عصبہ حاصل کرے گا۔

اس طرح والد کا حصہ = $\frac{۱}{۶}$ + باقی (۱- $\frac{۱}{۲}$ - $\frac{۱}{۶}$)

= $\frac{۱}{۶}$ + $\frac{۱}{۳}$ = $\frac{۱}{۲}$

نوٹ: مثال نمبر۲۰ اور ۲۱ میں باپ کی بجائے جدّ صحیح کو تصور کیا جا سکتا ہے۔ پس دادا وغیرہ کی وہی حیثیت ہوگی اور انہیں وہی حصہ ملے گا جو باپ کو مندرجہ بالا مثالوں میں ملنا تھا۔ اگر وہ (باپ) زندہ ہوتا۔

درجہ سوم کے عصبات

حقیقی بھائی، حقیقی بھائی مع بہنیں، علاتی بھائی، علاتی بھائی مع بہنیں

مثال نمبر۲۲:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، اور دو بھائی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ اور ان کی حیثیت لکھو۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶ (بطور ذوی الفروض)

زوجہ کا حصہ = ۱/۴ (بطور ذوی الفروض)

باقی = $۱ - (\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۴}) = ۱ - \frac{۲+۳}{۱۲} = ۱ - \frac{۵}{۱۲} = \frac{۷}{۱۲}$

یہ ۷/۱۲ حصہ دونوں بھائیوں میں جو عصبہ ہیں برابر برابر تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر بھائی کا حصہ = $\frac{۷}{۱۲} \times \frac{۱}{۲} = \frac{۷}{۲۴}$

گویا اگر جائداد کے ۲۴ سہام کئے جائیں تو ۴ والدہ کے، ۶ زوجہ کے اور سات ہر بھائی کے ہوں گے۔

مثال نمبر۲۳:

ایک متوفی نے زوجہ، چھ بھائی اور تین بہنیں وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

بیوی کا حصہ = ۱/۴

باقی = ۱ - ۱/۴ = ۳/۴

یہ (۳/۴ حصہ) چھ بھائیوں اور تین بہنوں میں بطور عصبہ تقسیم ہوگا۔ دو حصے بھائی کے اور ایک حصہ بہن کا۔

اس لئے ہر بھائی کا حصہ = $\frac{۳}{۴} \times \frac{۲}{۱۵} = \frac{۱}{۱۰}$

ہر بہن کا حصہ = $۳/۴ \times \frac{۱}{۱۵} = \frac{۱}{۲۰}$

یعنی اگر جائداد کے بیس سہام کئے جائیں تو پانچ بیوی کے، دو ہر بھائی کے اور ایک ہر بہن کا ہوگا۔

مثال نمبر۲۴:

ایک میت نے دو بیٹیاں، دو حقیقی بہنیں اور چار بھتیجے وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ

اور حیثیت بتاؤ۔

بیٹیاں ذوی الفروض اور بہنیں عصبہ ہوں گی۔ بھتیجے جن کی قوتِ قرابت حقیقی بہنوں سے کم ہے۔ ان بہنوں کی وجہ سے محروم ہوں گے۔

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳ ہر بیٹی کا حصہ = ۱/۳

دو حقیقی بہنوں کا حصہ = ۱ - ۲/۳ = ۱/۳

اس لئے ہر بہن کا حصہ = ۱/۶

مثال نمبر ۲۵:

ایک میت نے والدہ بیٹی، پوتی اور حقیقی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

بیٹی کا حصہ = ۱/۲ (بطور ذوی الفروض)

پوتی کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱-(۱/۲ + ۱/۶ + ۱/۶) = ۱- (۱+۱+۳)/۶ = ۱/۶

جو حقیقی بہن کو بطور عصبہ ملے گا۔

مثال نمبر ۲۶:

ایک میت نے والد، والدہ، بیٹی، پوتی اور حقیقی ہمشیرہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والد کا حصہ = ۱/۶ (بطور ذوی الفروض)

والدہ کا حصہ = ۱/۶ (بطور ذوی الفروض)

بیٹی کا حصہ = ۱/۲ (بطور ذوی الفروض)

پوتی کا حصہ = ۱/۶ (بطور ذوی الفروض)

باقی = ۱-(۱/۲ + ۱/۶ + ۱/۶ + ۱/۶) = ۱- (۱+۱+۱+۳)/۶ = ۱ - ۱ = صفر

حقیقی ہمشیرہ بیٹی اور پوتی کی موجودگی میں عصبہ مع الغیر ہوتی ہے۔ اس مثال میں ذوی

الفروض کو اُن کے حصے دینے کے بعد کچھ نہیں بچتا۔ اس لئے حقیقی ہمشیرہ محروم رہے گی۔

نوٹ: حقیقی بہن کی غیر موجودگی میں علاتی بہن اس کی قائم مقا ہوتی ہے اور یہ مختلف حالات میں انہی حصوں کی حقدار ہوگی جن کی حقیقی بہن حقدار ہوتی ہے۔ حقیقی بہن کے ساتھ بہن عصبہ نہ ہوگی بلکہ علاتی بھائی کے ساتھ ہی عصبہ قرار پائے گی۔

اس لئے ان کے لئے علیحدہ مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں اصولی طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ حقیقی بھائی کا قائمقام علاتی بھائی اور حقیقی بہن کی قائم مقام علاتی بہن ہوتی ہے۔

مثال نمبر ۲۷:

ایک میت نے ایک حقیقی بہن، دو علاتی بہنیں، دو بھتیجے اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶ (بطور ذوی الفروض)

حقیقی بہن کا حصہ = ۱/۲ (بطور ذوی الفروض)

دو علاتی بہنوں کا حصہ = ۱/۶ (بطور ذوی الفروض)

اس لئے ایک علاتی بہن کا حصہ = ۱/۱۲ (بطور ذوی الفروض)

باقی $= ۱-(\frac{۱}{۶}+\frac{۱}{۶}+\frac{۱}{۲}) = ۱- \frac{۱+۱+۳}{۶} = \frac{۱}{۶}$

یہ باقی حصہ عصبات میں جو یہاں دو بھتیجے ہیں برابر برابر تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر بھتیجے کا حصہ = ۱/۱۲

گویا اگر جائداد کے ۱۲ سہام کئے جائیں تو والدہ کو دو سہام، حقیقی بہن کو چھ سہام ہر علاتی بہن کو ایک سہم اور ہر بھتیجے کو ایک سہم ملے گا۔

درجہ چہارم کے عصبات

مثال نمبر ۲۸:

ایک میت نے زوجہ، والدہ اور پانچ چچے حقیقی اور دو علاتی بھائی چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۳ (بطور ذوی الفروض کے)

(کیونکہ میت کی اولاد اور دو بہن بھائی بھی نہیں)

زوجہ کا حصہ = ۱/۴ (بطور ذوی الفروض کے)

باقی = ۱ - ($\frac{۱}{۳}$ + $\frac{۱}{۴}$) = $\frac{۵}{۱۲}$

یہ (۵/۱۲ حصہ) نزدیکی عصبات میں تقسیم ہوگا۔ حقیقی چچا بہ نسبت علاتی چچا کے میت سے نزدیک ہے اس لئے علاتی چچا محروم ہوں گے لہٰذا

پانچ حقیقی چچاؤں کا حصہ = ۵/۱۲

ہر ایک چچا کا حصہ = $\frac{۵}{۱۲}$ × $\frac{۱}{۵}$ = $\frac{۱}{۱۲}$

یعنی اگر جائداد کے بارہ سہام کئے جائیں تو ۴ والدہ کے، ۳ بیوی کے اور ایک ہر حقیقی چچا کا ہوگا۔

مثال نمبر ۲۹:

ایک میت نے صرف ایک بہن اور ایک چچا زاد بھائی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ اور حیثیت بتاؤ۔

حقیقی بہن کا حصہ = ۱/۲ (بطور ذوی الفروض کے)

باقی = ۱ - ۱/۲ = ۱/۲

جو چچا زاد بھائی کا حصہ بطور عصبہ ہوگا کیونکہ کوئی اور عصبہ موجود نہیں۔

مثال نمبر ۳۰:

ایک میت نے زوجہ، بیٹی، چچا اور حقیقی بھائی کا پوتا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

باقی = ۱ - ($\frac{۱}{۲}$ + $\frac{۱}{۸}$) = ۱ - $\frac{۵}{۸}$ = $\frac{۳}{۸}$

یہ (۳/۸ حصہ) عصبات میں تقسیم ہوگا۔ حقیقی بھائی کا پوتا تیسرے درجہ کا عصبہ ہے جب کہ چچا چوتھے درجہ کا عصبہ ہے اس لئے چچا محروم رہے گا۔

لہٰذا بھائی کے پوتے کا حصہ = ۳/۸

گویا اگر جائداد کے ۸ سہام کئے جائیں تو ایک زوجہ کا، ۴ بیٹی کے اور تین بھائی کے پوتے کے ہوں گے۔

مشق نمبر۲ سوالات مع جوابات

۱۔ ایک میت نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث چھوڑے بتائیے وہ کس کس حیثیت سے کتنا کتنا حصہ حاصل کریں گے۔

جواب: ہر دو بطور عصبہ، بیٹا ۲/۳ حصہ، بیٹی ۱/۳ حصہ

۲۔ ایک میت نے تین بیٹے اور چار بیٹیاں وارث چھوڑے بتائیے وہ کس کس حیثیت سے کتنا کتنا حصہ حاصل کریں گے؟

جواب: سب بطور عصبہ ہر بیٹا ۱/۵ حصہ، ہر بیٹی ۱/۱۰ حصہ

۳۔ ایک میت نے زوجہ، ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث چھوڑے بتائیے یہ کس کس حیثیت سے کتنا کتنا حصہ حاصل کریں گے۔

جواب: زوجہ بطور ذوی الفروض ۱/۸ حصہ، بیٹا بطور عصبہ ۷/۱۲ حصہ، بیٹی بطور عصبہ ۷/۲۴ حصہ۔

۴۔ ایک میت نے ایک پوتا اور ایک پوتی وارث چھوڑے بتائیے وہ کس کس حیثیت سے کتنا کتنا حصہ حاصل کریں گے؟

جواب: ہر دو بطور عصبہ، پوتا ۲/۳ حصہ، پوتی ۱/۳ حصہ

۵۔ ایک میت نے دو بیٹیاں، ایک پوتا، ایک پڑپوتا اور ایک پڑپوتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بمعہ اس کی حیثیت کے بتاؤ۔

جواب: ہر ایک بیٹی کا حصہ ۱/۳ بطور ذوی الفروض، پوتے کا حصہ ۱/۳ بطور عصبہ (پڑپوتا اور پڑپوتی پوتے کی وجہ سے محجوب ہوں گے)

۶۔ ایک میت نے ایک پوتی اور ایک پڑپوتا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ مع اس کی حیثیت کے لکھئے نیز بتائیے کہ پوتی کن حالات میں بطور ذوی الفروض حصہ پا سکتی ہے۔

جواب: پوتی کا حصہ بطور ذوی الفروض ۱/۲، پڑپوتے کا حصہ بطور عصبہ ۱/۲

۷۔ ایک میت نے ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پڑپوتا اور ایک پڑپوتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیٹی کا حصہ ۱/۲، پوتی کا حصہ ۱/۶، پڑپوتے کا حصہ 2/9، پڑپوتی کا حصہ 1/9

۸۔ ایک میت نے ۲ پوتیاں، ایک پڑپوتا اور ایک پڑپوتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ اور ان کی حیثیت بتاؤ۔

جواب: دو پوتیاں، ذوی الفروض ہوں گی کیونکہ ان کے ذوی الفروض ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں یہ متوفی کی دو بیٹیوں کی مانند ہیں۔ باقی وارث عصبہ ہیں لہٰذا ہر پوتی کا حصہ ۱/۳، پڑپوتے کا حصہ ۲/۹، پڑپوتی کا حصہ ۱/۹

۹۔ ایک میت نے دو بیٹیاں اور والد وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ علیحدہ علیحدہ بتاؤ۔

جواب: ہر بیٹی کا حصہ ۱/۳، والد کا حصہ بطور ذوی الفروض ۱/۶ + بطور عصبہ ۱/۶=۱/۳

۱۰۔ ایک میت نے خاوند، ماں، ایک بھائی اور ایک بہن اپنے وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ= ۱/۲، ماں کا حصہ = ۱/۶،
بھائی کا حصہ= ۲/۹، بہن کا حصہ = ۱/۹

۱۱۔ ایک میت نے ایک بیٹی، ایک حقیقی بہن، اور ایک بھتیجا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیٹی کا حصہ ۱/۲، بہن کا حصہ ۱/۲ (بھتیجا محروم)

۱۲۔ ایک میت نے بیٹی، پوتی اور حقیقی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیٹی کا حصہ ۱/۲، پوتی کا حصہ ۱/۶، بہن کا حصہ ۱/۳

۱۳۔ ایک میت نے بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور خاوند وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیٹی کا حصہ ۱/۲، پوتی کا حصہ ۱/۶، خاوند کا حصہ ۱/۴، حقیقی بہن کا حصہ ۱/۱۲

۱۴۔ ایک میت نے ایک حقیقی بہن، ایک علاتی بہن، والدہ اور ایک بھتیجا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: حقیقی بہن کا حصہ ۱/۲، علاتی بہن کا حصہ ۱/۶، والدہ کا حصہ ۱/۶،
بھتیجے کا حصہ ۱/۶

۱۵۔ ایک میت نے دو دادیاں، ۵ بہنیں اور ۵ چچا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ہر دادی کا حصہ = ۱/۱۲، ہر بہن کا حصہ ۲/۱۵

ہر چچا کا حصہ = ۱/۳۰

۱٦۔ ایک میت نے دو زوجہ، چھ دادی، نانی، ۱۰ لڑکیاں اور ۷ چچا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ہر زوجہ کا حصہ =۱/۱٦ ، ہر دادی نانی کا حصہ =۱/۳٦

ہر لڑکی کا حصہ =۱/۱۵ ، چچا کا حصہ = ۱/۱٦۸

۱۷۔ ایک میت نے ایک زوجہ، ۸ لڑکیاں، ۵ چچا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ ۱/۸، لڑکیوں کا حصہ ۲/۳، ہر لڑکی کا حصہ ۱/۱۲، ہر چچا کا حصہ ۱/۲۴

۱۸۔ ایک میت نے چار بیویاں، تین دادیاں اور ۵ چچا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ہر بیوی کا حصہ = ۱/۱٦ ، ہر دادی کا حصہ = ۱/۱۸

ہر چچا کا حصہ = ۷/٦۰

۱۹۔ ایک میت نے دو بیویاں، والدہ اور حقیقی چچا کے دو بیٹے وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ایک بیوی کا حصہ =۱/۸ ، والدہ کا حصہ ۱/۳

حقیقی چچا کے ہر بیٹے کا حصہ =۵/۲۴

۲۰۔ ایک میت نے زوجہ، والدہ، حقیقی چچا کا پوتا، اور باپ کا حقیقی چچا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ =۱/۴، والدہ کا حصہ = ۱/۳

حقیقی چچا کے پوتے کا حصہ = ۵/۱۲، (باپ کا حقیقی چچا محروم)

۲۱۔ ایک میت نے زوجہ، والدہ، علاتی چچا، حقیقی چچا کا پوتا اور والد کا علاتی چچا وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴ ، والدہ کا حصہ =۱/۳

علاتی چچا کا حصہ = ۵/۱۲

(حقیقی چچا کا پوتا اور والد کا علاتی چچا محروم)

باب ہشتم

ذوی الارحام

ذوی الارحام کا بیان

ارحام رحم کی جمع ہے وراثتی اصطلاح میں ذوی الارحام ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن سے رشتہ داری بذریعہ رحم ہو مگر ان کا شمار ذوی الفروض اور عصبات میں نہ ہو۔ مثلاً نواسہ، نواسی، بھانجا، بھانجی، نانا، پھوپھی اور پھر ان کی اولادیں وغیرہ۔

ذوی الارحام کے میراث پانے کے بارہ میں صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور ائمہ کرامؒ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر صحابہ کرامؓ، تابعین اور ائمہ احناف اس بات کے قائل ہیں کہ ذوی الارحام حالات کے مطابق ترکہ کے مطلقاً وارث ہو سکتے ہیں خواہ بیت المال کا انتظام موجود ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، مُعاذ بن جبلؓ، ابوالدرداؓ، ابوعبیدہؓ بن الجراح اس امر کے حق میں ہیں کہ جب ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم ہوتا ہے اور یہی لوگ مطلقاً ترکہ کے وارث ہوتے ہیں۔ یہی رائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، قاضی حسن بصریؒ، حضرت ابوحنیفہؒ اور ان کے دو لائق اور قابل شاگردانِ رشید امام محمدؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کی ہے۔

بعض صحابہؓ کی رائے یہ ہے کہ اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو میت کا ترکہ تمام کا تمام بیت المال میں داخل کر دیا جائے کیونکہ ذوی الارحام کسی طور پر بھی میراث کے حقدار نہیں۔ اس رائے کے حق میں حضرت زیدؓ بن ثابت اور ائمہ کرام میں سے حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر ذوی الارحام میراث میں حصہ پانے کے حقدار ہوتے تو ان کا ذکر بھی سورہ نساء کی آیت میراث میں کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا۔ نیز حدیث اَنَا وَارِثُ مَنْ لَّاوَارِثَ لَہٗ ظاہر کرتی ہے کہ

جب کوئی بھی وارث ذوی الفروض اور عصبات میں سے موجود نہ ہو تب یہ ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائے۔

ذوی الارحام کو میراث دلوانے والوں کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کریم میں جہاں وراثت کا ذکر ہے وہاں ذوی الارحام کا ذکر نہیں۔ لیکن سورۃ انفال کی آخری آیت کے آخری حصہ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○

بعض رحمی رشتہ دار بعض کی نسبت اللہ کی کتاب کی رو سے زیادہ قریبی ہوتے ہیں اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (تفسیر صغیر صفحہ ۲۳۰)

اس جگہ اولوالارحام سے ذوی الارحام ہی مراد ہیں کیونکہ ذوی الفروض اور عصبات کا ذکر آیات میراث (سورۃ نساء) میں آ چکا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ ذوی الارحام بھی درجہ اور قوتِ قرابت مختلف ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں۔

پھر اس امر کی تائید سنتِ رسولؐ اور احادیث نبوی سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت سعید بن منصورؒ سے مروی ہے کہ ثابت بن وحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب فوت ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اس کی نسبت تم جانتے ہو؟ قیس بن عاصم نے کہا کہ یہ ہم میں غیر تھا، ہم صرف اس کے بھانجے کو پہچانتے ہیں۔ وہ ابولبابہ بن منذر ہے۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی میراث اس کے بھانجے کو دے دی۔ (مغنی ابن قدامہ جلد ۷ صفحہ ۵۸)

اسی طرح سے یہ حدیث کہ

وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّاوَارِثَ لَهٗ (مشکوٰۃ باب الفرائض)

یعنی جس کا اور کوئی بھی وارث نہ ہو تو پھر اس کا وارث اس کا ماموں ہوتا ہے۔

ثابت کرتی ہے کہ اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر میت کے ذوی الارحام اس کے ترکہ کے حق دار ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ. (صحیح بخاری کتاب الفرائض)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم کا بھانجا انہیں میں سے ہوتا ہے یعنی بھانجے کو میراث پہنچتی ہے۔

پس قرآنِ پاک، سنت رسول اور احادیث نبوی سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتو ذوی الارحام کو میراث پہنچتی ہے اور حضرت ابو حنیفہؒ اسی مسلک کے قائل ہیں۔ چنانچہ جماعت احمدیہ بھی اسی امر کی قائل ہے کہ ذوی الارحام حالات کے مطابق اپنا اپنا حصہ پاتے ہیں۔ باوجودیکہ جماعت کے پاس بیت المال کا خاطر خواہ انتظام موجود ہ ہے۔ لیکن پھر بھی میت کا ترکہ اس کے ورثاء میں بمطابق شریعت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس مختصر سی بحث کے بعد اب ذوی الارحام کی اقسام، ان کے درجہ اور قوت قرابت کے لحاظ سے بیان کی جاتی ہیں۔ یہ یاد رکھئے کہ **ذوی الارحام کو میراث اس وقت ہی پہنچتی ہے جب ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔** ہمارے فقہا کرام کے نزدیک وہ ذوی الفروض جو ذوی الارحام کی میراث میں روک ہیں یہ ہیں۔ باپ، دادا، اخیافی بھائی، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن، والدہ، جدہ صحیحہ یعنی نانی، دادی۔ پس اگر ذوی الفروض میں سے خاوند یا بیوی زندہ ہوں تو ان کی موجودگی ذوی الارحام کی توریث میں مانع نہیں۔ ان کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد باقی کا ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے ذوی الفروض میں ان کے حصوں کی نسبت سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ شوہر یا بیوی کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام کو کیوں حصہ مل جاتا ہے؟ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ رشتہ (زوجیت) انسان خود قائم کرتا ہے اس لئے یہ خود قائم کردہ رشتہ رحمی رشتہ داروں کو میراث پہنچنے میں مانع نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بقیہ ترکہ ان دونوں قسم کے وارثوں (خاوند اور بیوی) کی طرف ردّ نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسرے موجود ذوی الفروض یا عصبات کو مل جاتا ہے اور اگر اور کوئی ذوی الفروض

اور عصبات بھی نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام کو مل جائے گا۔

عصبات کی طرح ذوی الارحام کے بھی چار درجے ہیں

اوّل: متوفی کی وہ اولاد (خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو) جو نہ ذوی الفروض میں شامل ہو نہ عصبات میں مثلاً نواسہ، نواسی، پوتیوں کی اولاد وغیرہ۔

دوم: متوفی کے وہ آباؤ اجداد (خواہ وہ کتنے ہی اوپر درجہ کے ہوں) جو نہ ذوی الفروض میں شامل ہوں اور نہ ہی عصبات میں مثلاً نانا، باپ کا نانا یعنی دادی کا باپ، ماں کا دادا، ماں کا نانا، ماں کی دادی وغیرہ۔

سوم: متوفی کے والدین کی وہ اولاد جو نہ ذوی الفروض میں شامل ہو اور نہ ہی عصبات میں مثلاً بھانجا، بھانجی، بھتیجی وغیرہ۔

چہارم: متوفی کے دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ آباؤ اجداد کی اولاد مثلاً پھوپھی، خالہ، ماموں وغیرہ۔

نوٹ: ذوی الارحام میں میراث تقسیم کرتے وقت متوفی کی اپنی اولاد کو اس کے آباؤ اجداد پر، آباؤ اجداد کو اس کے والدین کی اولاد پر اور اس کے والدین کی اولاد کو اس کے دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ کی اولاد پر ترجیح دی جاتی ہے یعنی پہلے درجہ کو دوسرے درجہ پر، دوسرے درجہ کو تیسرے درجہ پر، تیسرے درجہ کو چوتھے درجہ پر فوقیت حاصل ہے۔ ذوی الارحام میں تقسیم ورثہ کے وقت بھی اَلْاَقْرَبُ ثُمَّ اْلاَقْرَبُ کے اصول کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اگر ذوی الارحام ایسے لوگ ہوں جو ذوی الفروض اور ذوی الارحام دونو کی اولادیں ہیں۔ تو ذوی الفروض کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح دی جائے گی اسی طرح اگر عصبات اور ذوی الارحام ہردو کی اولادیں موجود ہوں تو پھر عصبات کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر فوقیت حاصل ہوگی۔ مثلاً اگر کسی میت نے اپنے پیچھے اپنی پوتی کی ایک بیٹی اور نواسی کے دو بیٹے چھوڑے ہیں تو اس کا ترکہ تمام کا تمام اس کی پوتی کی بیٹی کو (جو ذوی الفروض کی اولاد ہے) مل جائے گا۔ اور نواسی کے دونو بیٹے (جو ذوی الارحام کی اولاد ہیں) محروم رہیں گے۔

ذوی الارحام کا پہلا درجہ!

ذوی الارحام کے ہر درجہ کو میراث پہنچاتے وقت عام طور پر دو قاعدوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

الف۔توریث کی ترتیب بلحاظ درجہ اور قوتِ قرابت

تقسیم ترکہ کے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ذوی الارحام میں سے کون کون سے شخص یا اشخاص میراث پانے کے حقدار بنتے ہیں۔اس غرض کے لئے قواعد حجب سے کام لیا جاتا ہے۔

ب۔ایسے ورثاء کے حصوں کا تعین!

یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ کون کون اشخاص شرعی وارث ہیں۔ان کے حصوں کا تعین کیا جائے گا۔اس بارہ میں **للذکر مثل حظ الانثیین** کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔

جب ہم ذوی الارحام کے حصوں کے تعین کی بحث میں پڑتے ہیں تو ہمیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دو بڑے مشہور شاگردوں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے میں اختلاف نظر آتا ہے امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ موجودہ ورثاء کو حصہ دیتے وقت درمیانی مورثوں کی (جن کی وجہ سے یہ رشتہ دار وارث بنتے ہیں) جنس اور قرابت کا لحاظ کیا جانا ضروری ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ موجودہ وارثوں کو حصہ دیتے وقت ان کے درمیانی مورثوں کی جنس اور قرابت کا لحاظ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ موجودہ وارثوں میں **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت تمام ترکہ تقسیم کر دیا جائے یعنی فروع (اولاد) کی جنس و قرابت کا ہی لحاظ کرنا چاہیئے ان کے اصول (مورثوں) کی جنس اور قرابت کا لحاظ مطلقاً نہیں کرنا چاہیئے۔

ظاہر ہے کہ ان دونوں اماموں کی رائے کے مطابق حصوں کے تعین میں نمایاں فرق پڑ جاتا ہے۔جبکہ دعویدار فروع ہوں۔خواہ وہ درجہ اول کے ہوں (یعنی متوفی کی اولاد ہوں) یا درجہ سوم کے (یعنی بہن بھائی کی اولاد ہوں) یا درجہ چہارم کے ہوں (یعنی چچاؤں اور پھپھوں کی اولاد ہوں) یہ اختلاف درجہ اوّل قسم نمبر ا اور درجہ دوم میں ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں درمیانی مورث کی جنس کے اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا۔ درجہ سوم میں یہ اختلاف زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے جبکہ موجودہ وارث کچھ حقیقی یا علاتی اور اخیافی بہن بھائیوں کی اولاد ہوں۔ ان تمام امور کو ہر درجہ کی مثالوں سے اچھی طرح واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔**

درجہ اوّل کے ذوی الارحام کی ترتیب توریث

١۔ بیٹی کی اولاد (یعنی نواسے نواسیاں)

٢۔ پوتی کی اولاد (یعنی میت کے بیٹے کے نواسے نواسیاں (خواہ وہ کتنے بھی نیچے درجہ کے ہوں)

٣۔ بیٹی کے پوتے اور پوتیاں۔

۴۔ پوتے کی بیٹی کی اولاد

۵۔ بیٹی کے پڑپوتے اور پڑپوتیاں اور پوتیوں کے پوتے اور پوتیاں علیٰ ہذا القیاس

نوٹ: عملاً ترکہ تقسیم کرتے وقت صرف نمبر٢ تک کے قواعد کی ہی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ نمبر١ اور٢ کے افراد میں سے عموماً متوفی کا کوئی نہ کوئی ایسا رشتہ دار مل ہی جاتا ہے جو شرعاً وارث ہو۔ تقسیم کے وقت درجہ اوّل کے نمبر١ (کے ورثاء) کو اسی درجہ کے نمبر٢ (کے ورثاء) پر ترجیح دی جائے گی۔ نمبر٢ کو نمبر٣ پر نمبر٣ کو نمبر۴ پر۔ یعنی اقسام بالا میں سے کسی قسم (نمبر) کے تمام ارکان کا موجود نہ ہونے پر ہی اگلی قسم (نمبر) کے ارکان وراثت کے حقدار ہوسکیں گے۔

اگر درمیانی مورث مختلف الجنس نہیں تو جائداد عورتوں اور مردوں میں اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر مرد کو عورت سے دگنا حصہ ملے۔ درجہ اوّل نمبر١ اور٢ کی تفصیل درج ذیل ہے۔

درجہ اوّل نمبر١۔ میت کے نواسے نواسیاں:

یہ ذوی الارحام میں سب سے مقدم وارث ہیں۔ ان کی موجودگی میں کوئی اور ذوی الارحام وارث نہیں ہو سکتے۔ اگر صرف ایک نواسہ اور ایک نواسی ہے تو پھر کل جائداد کے وہی مالک ہوں گے۔ بشرطیکہ خاوند یا کوئی بیوی موجود نہ ہو۔ ورنہ خاوند یا بیوی یا بیویوں

کا حصہ نکال کر باقی جائداد نواسہ نواسی کے درمیان تقسیم ہوگی۔

اگر صرف نواسے ہی نواسے ہیں یا نواسیاں ہی نواسیاں ہیں تو جائداد آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ اگر نواسے نواسیاں دونوں ہیں تو پھر مرد کو دہرا اور عورت کو اکہرا حصہ ملے گا۔ یہ تمام نواسے یا نواسیاں یا نواسے نواسیاں وارث ہوں گے خواہ یہ میت کی ایک ہی مرحوم بیٹی کی اولاد ہوں یا ایک سے زیادہ مرحوم بیٹیوں کی اولاد ہوں ورثہ میں یہ سب حق دار ہوں گے۔

مثال الف۔ اگر ایک میت ایک نواسہ اور ایک نواسی چھوڑے تو ۲/۳ حصہ جائداد کا نواسے کو اور ۱/۳ نواسی کو ملتا ہے۔

ب۔ ایک میت نے اپنی مرحومہ دختر رشیدہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی، دختر سعیدہ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں اور دختر مجیدہ کی ایک بیٹی وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

میت کے کل ۳ نواسے اور ۴ نواسیاں وارث ہیں۔ اس لئے کل جائداد کے دس سہام ہوں گے جن میں ہر نواسے کو دو سہام اور ہر نواسی کو ایک سہم ملے گا یہ طریق تقسیم بالراس کہلاتا ہے۔ اس کے برخلاف بالنسب تقسیم یہ ہے کہ تینوں دختروں کو زندہ تصور کر کے جائداد ان میں برابر تقسیم کر دی جائے پھر ان کے اپنے اپنے حصے کو ان کی اپنی اولادوں میں **للذکر مثل حظ الانثیین** کے اصول کے تحت بانٹ دیا جائے۔

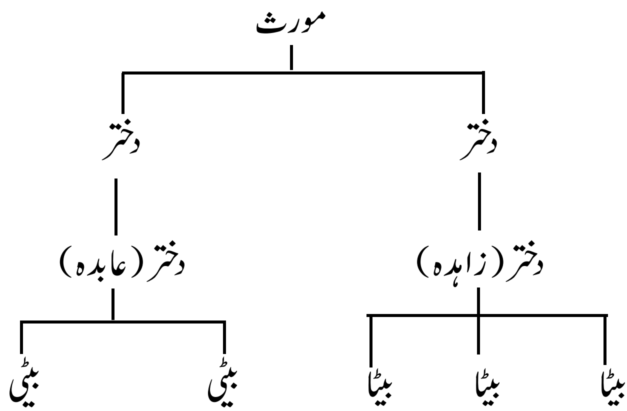
درجہ اوّل نمبر ۲:

اگر نواسے نواسی میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر میت کی پوتی کی اولاد میں جائداد تقسیم ہوگی۔ اس میں بھی قریب تر بعید تر کو محروم کر دے گا اور اگر ایک سے زائد مرد یا عورتیں وارث ہوں تو جائداد اس طرح تقسیم ہوگی کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملے گا۔ اگر نمبر ۲ میں سے بھی کوئی وارث موجود نہ ہو تو نمبر ۳ یعنی بیٹی کے پوتے پوتیاں وارث ہوں گے۔ اگر نمبر ۳ میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو تو نمبر ۴ کے ارکان میں سے سب سے قریبی ارکان وارث ہوں گے۔

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر درمیانی مورث ایک ہی جنس کے ہیں تو

دعویداروں کے حصہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اگر مختلف الجنس ہیں تو پھر نمایاں فرق پڑ جاتا ہے۔ اب مختلف الجنس مورثوں سے پہلے ایک ہی جنس کے درمیانی مورثوں کی اولاد کی توریث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

فرض کیجئے کہ ایک میت نے تین بیٹے دختر کی دختر زاہدہ کے اور دو بیٹیاں دختر کی دختر عابدہ کے چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



اس مثال میں درمیانی مورث ایک ہی جنس کے ہیں۔ یعنی (عورت) اس لئے تقسیم بالراس ہوگی۔ یعنی ذکور کو اناث سے دُگنا ملے۔ نواسی زاہدہ کے ۳ لڑکے اور نواسی عابدہ کی دو لڑکیاں ہیں۔ اس لئے جائداد کل آٹھ سہام ہوں گے۔ جن میں سے ہر بیٹے کو دو سہام اور ہر بیٹی کو ایک سہم ملے گا۔

نوٹ نمبر ۱: امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ ہر دو کی رائے کے مطابق یہی تقسیم ہوگی۔ کیونکہ یہاں مورثوں کی جنس میں اختلاف نہیں۔

نوٹ نمبر ۲: اس عنوان کے تحت ہر جگہ تقسیم ترکہ کے لئے جو طریق اختیار کیا گیا ہے۔ وہ لازماً حضرت امام محمدؒ کی رائے کے مطابق ہے۔ کیونکہ زیادہ تر ان کی رائے پر ہی عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو یوسفؒ تو مورثوں میں اختلاف جنس کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے لہٰذا جہاں جہاں مؤخر الذکر امام کی رائے پر عمل کرنے سے ورثا کے حصوں کی مقدار میں کچھ فرق پڑتا ہو۔ اسے نوٹ کی شکل میں ظاہر کر دیا گیا ہے تا جن علاقوں میں مؤخر الذکر امام کی رائے پر عمل کرنے کا دستور ہو۔ وہ ان نوٹوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔

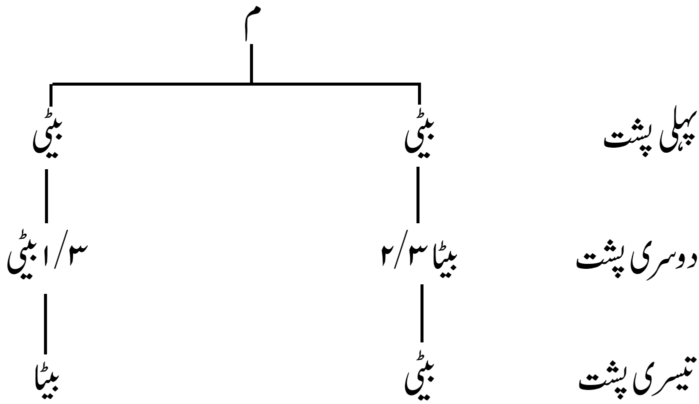
درمیانی مورث مختلف الجنس ہونے کی صورت میں ترکہ کی تقسیم

۱۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ صرف دو دعویدار ہوں ایک مورثوں کے ایک سلسلہ سے دعویٰ کرتا ہو اور دوسرا دوسرے سلسلے سے۔ ایسی صورت میں جہاں درمیانی مورثوں کی جنس مختلف ہو وہاں (ٹھہر کر) مرد مورث کو عورت مورث کی نسبت دُگنا حصہ دیا جائے گا۔ مرد مورث کو جو حصہ دیا جائے وہ اس دعویدار کو ملے گا جو اس مرد کے ذریعہ دعویٰ کرتا ہے اور جو حصہ عورت مورث کو دیا گیا وہ اس دعویٰ دار کو ملے گا جو (عورت) کے ذریعہ دعویٰ کرتا ہے اس صورت میں خود دعویداروں کی جنس یعنی تذکیر و تانیث کی تمیز نہیں کی جاتی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو سے زائد دعویدار موجود ہوں اور ہر دعویدار مختلف مورثوں کے سلسلے سے دعویٰ کرتا ہو یا بعض دعویدار ایک سلسلہ سے دعویٰ کرتے ہوں اور بعض کسی اور سلسلہ سے۔ تو اس صورت میں بھی یہی قاعدہ ہے کہ جس پشت میں بھی درمیانی مورثوں کو جنس میں اختلاف واقع ہو وہاں مورث مرد کو مورث عورت سے دوگنا دے دیا جائے اور پھر ان کے حصے ان کی اپنی اپنی اولادوں میں تقسیم کئے جائیں مگر اس حالت میں ہر مورث کا انفرادی حصہ اس کی اولاد کو اس طرح نہیں ملتا جس طرح پہلی صورت میں مل جاتا ہے۔ بلکہ تمام مورث مردوں کا مجموعی حصہ اس اولاد میں جو ان کے ذریعے سے دعویدار بنتی ہیں اور تمام مورث عورتوں کا مجموعی حصہ اس اولاد میں جو ان کے ذریعے سے دعویدار بنتی ہے تقسیم ہوتا ہے اُسی قاعدہ کے ماتحت کہ ایک ہی طبقہ کے وارثوں میں مرد کو عورت سے دگنا حصہ دیا جائے۔ اب ان ہر دو صورتوں کو بذریعہ امثال بیان کیا جاتا ہے۔

مثال نمبر ا:

ایک میت اپنی بیٹی کے بیٹے کی بیٹی اور بیٹی کی بیٹی کا بیٹا چھوڑ کر فوت ہو تو ہر وارث کا حصہ بتاؤ۔



اس مثال میں درمیانی مورثوں کی جنس میں اختلاف دوسری پشت میں واقع ہوتا ہے۔ اس لئے دوسری پشت میں ہی مرد کو عورت سے دگنا دے دیجئے۔ یعنی بیٹی کے بیٹے کو ۲/۳ اور بیٹی کی بیٹی کو ۱/۳ حصہ جائداد کا دے دیا جائے۔ پھر بیٹی کے بیٹے کا ۲/۳ اس کی بیٹی کو، اور بیٹی کی بیٹی کا ۱/۳ اس کے بیٹے کو مل جاتا ہے۔ نتیجتاً

بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = ۲/۳ بیٹی کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۱/۳

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق جائداد فروع (اولاد) میں ان کی اپنی جنسیت کے مطابق تقسیم ہوتی ہے اس لئے ان کے نزدیک

بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = ۱/۳ اور

بیٹی کے بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۲/۳

مثال نمبر۲:

ایک میت نے ایک بیٹی کے بیٹے کی بیٹی دوسری بیٹی کی بیٹی کا بیٹا اور تیسری بیٹی کی بیٹی کی بیٹی چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

م

پہلی پشت	بیٹی	بیٹی	بیٹی
دوسری پشت	بیٹا ۲/۴	۴/۱ بیٹی	۴/۱ بیٹی
تیسری پشت	بیٹی	بیٹا	بیٹی
	ا	ب	ج

اس مثال میں بھی دوسری پشت میں ہی مورثوں کی جنس میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اس لئے یہیں مرد کو عورت سے دگنا حصہ دے دیتے ہیں۔

اس لئے بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۲/۴ = ۱/۲

دوسری بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۴ مورث عورتوں کا مجموعی حصہ =۱/۲

تیسری بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۴

اب بیٹی کا بیٹا اکیلا ہے اس لئے اس کا حصہ (۱/۲) اس کی بیٹی حاصل کرے گی۔ دو مورث عورتیں یعنی بیٹیوں کی بیٹیاں ہیں جو ایک ہی جنس کی ہیں اور ان کے حصوں کے مجموعہ ۱/۴+۱/۴=۱/۲ ہے جو اُن کی اولاد میں یعنی بیٹی کی بیٹی کے بیٹے اور بیٹی کی بیٹی کی بیٹی کے درمیان **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت تقسیم ہو گا یعنی یہ نصف (۱/۲ حصہ) ان کے درمیان دو اور ایک کی تقسیم سے تقسیم ہو گا۔

اس لئے بیٹی کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۲}{۶}$

بیٹی کی بیٹی کی بیٹی کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۶}$

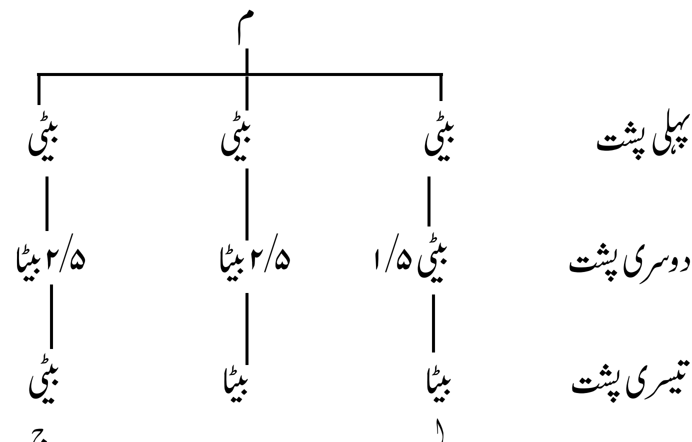
اور ہم پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ $\frac{۱}{۲} = \frac{۳}{۶}$

یعنی جائداد کے کل چھ سہام ہوں گے اور نقشہ کے مطابق الف کو ۳ سہام، ب کو ۲ سہام اور ج کو ایک سہم ملے گا۔

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق یہ حصے علی الترتیب ۱/۴، ۱/۲ اور ۱/۴ ہوں گے۔

مثال نمبر۳:

ایک میت نے ایک بیٹی کی بیٹی کا بیٹا، دوسری بیٹی کے بیٹے کا بیٹا اور تیسری بیٹی کے بیٹے کی بیٹی وارث چھوڑے ہیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



اس مثال میں بھی دوسری پشت میں ہی درمیانی مورث کی جنس میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے مثال نمبر ۲ میں دوسری پشت میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھا یہاں دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے بہرحال دوسری پشت میں ہی مردوں اور عورتوں کو ان کے شرعی حصے دے دیں۔اس لئے

پہلی بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۵

دوسری بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۲/۵ لٰہذا مورث مردوں کا مجموعی حصہ=

تیسری بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۲/۵ ۲/۵ + ۲/۵ = ۴/۵

یہ مجموعی حصہ (۴/۵) بیٹیوں کے بیٹوں کی اولاد میں دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔ان کی اولاد میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔

اس لئے بیٹی کے بیٹے کے بیٹے کا حصہ = ۴/۵ × ۲/۳ = ۸/۱۵

بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = ۴/۵ × ۱/۳ = ۴/۱۵

ہر ایک کا حصہ یہ ہوگا۔

۱۔ بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = ۴/۱۵

٢۔ بیٹی کے بیٹے کے بیٹے کا حصہ = ٨/١٥

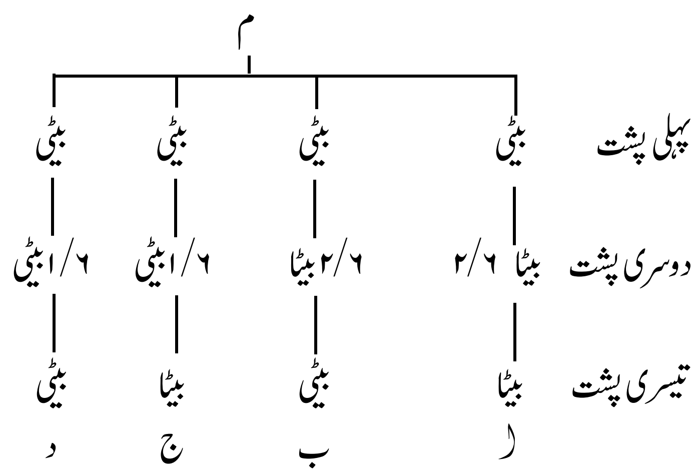
٣۔ بیٹی کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ١/٥ = ٣/١٥

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق یہ حصے علی الترتیب ٢/٥، ٢/٥ اور ١/٥ ہوں گے۔ ان صورتوں کو موروثوں کی تعداد کے لحاظ سے بڑھایا جا سکتا ہے اور طریقہ عمل وہی ہوگا جو کہ دو کے لئے اور تین کے لئے ہے۔

ایک مثال اور لے لیجیئے جس میں چار مورث ہوں۔ اس کے بعد بھی اگر ضرورت ہو تو پھر پانچ، چھ یا اس سے بھی زیادہ موروثوں کی اولادوں میں یہی طریق عمل اختیار کیا جائے گا۔

مثال نمبر٤:

ایک میت نے ایک بیٹی کے بیٹے کا بیٹا، دوسری بیٹی کے بیٹے کی بیٹی، تیسری بیٹی کی بیٹی کا بیٹا اور چوتھی بیٹی کی بیٹی کی بیٹی وارث چھوڑے ہیں۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



یہاں بھی پہلی مثالوں کی طرح دوسری پشت میں ہی درمیانی موروثوں کی جنس میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے البتہ یہاں دو مذکر اور دو مونث مورث ہیں انہیں یہیں ان کے شرعی حصہ دے دیں۔

پس پہلی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ٢/٦ دونوں مذکر موروثوں کا مجموعی حصہ =

دوسری بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ٢/٦ ٢/٦ + ٢/٦ = ٢/٦

تیسری بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۶ — دونوں مونث مورثوں کا مجموعی حصہ =

تیسری بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۶ — ۱/۶ + ۱/۶ = ۱/۳

اب دونوں مرد مورثوں کا مجموعی حصہ (۲/۳) ان کی اولادوں میں اور دونوں عورت مورثوں کا مجموعی حصہ (۱/۳) ان کی اولادوں میں **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت تقسیم ہوگا۔ اس لئے

الف۔ بیٹی کے بیٹے کے بیٹے کا حصہ = ۲/۳ × ۲/۳ = ۴/۹

ب۔ بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = ۲/۳ × ۱/۳ = ۲/۹

ج۔ بیٹی کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۱/۳ × ۲/۳ = ۲/۹

د۔ بیٹی کی بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۳ × ۱/۳ = ۱/۹

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق یہ حصے علی الترتیب ۲/۶، ۱/۶، ۲/۶ اور ۱/۶ ہوں گے۔

اس قسم کی اور مثالیں بھی ہوسکتی ہیں ایک مثال اور لے لیجئے جب کہ دوسری پشت میں تین عورتیں اور ایک مرد ہو۔ نقشہ حسب ذیل ہوگا۔

م

پہلی پشت	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
دوسری پشت	بیٹا ۲/۵	۱/۵ بیٹی	۱/۵ بیٹی	۱/۵ بیٹی
تیسری پشت	بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی
	ا	ب	ج	د

دوسری پشت میں مرد کو اور عورتوں کو ان کا حصہ دے دیں۔

پہلی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۲/۵

دوسری بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۵

تیسری بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۵ تینوں مورث عورتوں کا مجموعی حصہ=

چوتھی بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۵ $\frac{۱}{۵} + \frac{۱}{۵} + \frac{۱}{۵} = \frac{۳}{۵}$

اب بیٹی کا بیٹا چونکہ اکیلا ہے اس لئے اس کا ۲/۵ حصہ اس کی اولاد یعنی بیٹے کو مل جائے گا باقی تین بیٹیوں کا مجموعی حصہ (۳/۵) ان کی اولادوں میں **للذکر مثل حظ الانثیین** کے مطابق تقسیم ہوگا اس لئے

الف۔ پہلی بیٹی کے بیٹے کے بیٹے کا حصہ $= \frac{۲}{۵} = \frac{۸}{۲۰}$

ب۔ دوسری بیٹی کی بیٹی کی بیٹی کا حصہ $= \frac{۳}{۵} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۳}{۲۰}$

ج۔ تیسری بیٹی کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ $= \frac{۳}{۵} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۶}{۲۰}$

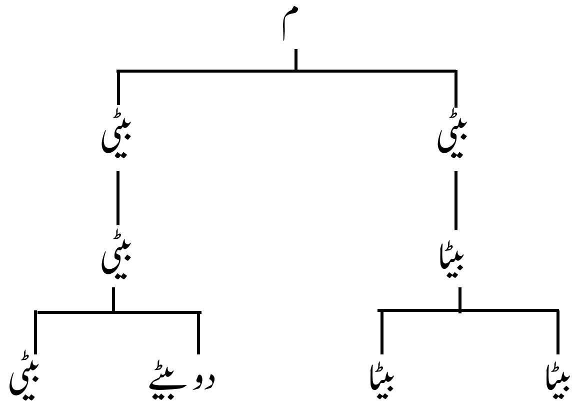
د۔ چوتھی بیٹی کی بیٹی کی بیٹی کا حصہ $= \frac{۳}{۵} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۶}{۲۰}$

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق یہ حصے بالترتیب ۲/۶، ۱/۶، ۱/۶، ۲/۶ اور ۱/۶ ہوں گے یعنی پچھلی مثال والے ہی ہوں گے۔ کیونکہ امام ابو یوسف درمیانی مورثوں کی جنس کے اختلاف کو ملحوظ نہیں رکھتے۔

بعض مزید صورتیں بھی ممکن ہیں مثلاً کسی درمیانی مورث کے ذریعہ سے بعض دفعہ دو یا دو سے زائد دعویدار ہو سکتے ہیں ایسی حالت میں مندرجہ بالا قواعد کے ساتھ یہ مزید قاعدہ زیر عمل آئے گا کہ ہر ایسے مورث کے لئے اگر وہ مرد ہو، اتنے ہی مرد فرض کر لیں جتنے اس مورث کے ذریعے سے دعویدار بنتے ہیں اور اگر وہ مورث عورت ہے تو اتنی ہی عورتیں فرض کر لیں جتنے اس کے ذریعے سے دعویدار بنتے ہیں۔ ایسا فرض کرنے میں دعویداروں کی جنس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

مثال نمبر ۱:

ایک میت نے اپنی ایک بیٹی کے دو پوتے اور دوسری بیٹی کے دو نواسے اور ایک نواسی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



یہاں درمیانی مورث دوسری پشت میں مختلف الجنس ہو جاتے ہیں جس میں ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ بیٹی کے بیٹے کے ذریعے اس کے دو بیٹے دعویدار ہیں اس لئے بیٹی کا بیٹا دو مرد تصور کیا جائے گا دوسری بیٹی کی بیٹی کے ذریعے اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی یعنی کل تین دعویدار ہیں اس لئے وہ (بیٹی کی بیٹی) تین عورتیں تصور کی جائیں گی۔ اس لحاظ سے دوسری پشت میں تقسیم یوں ہوگی۔

بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۴/۷

بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۳/۷

بیٹی کے بیٹے کا حصہ (۴/۷) اس کے دو بیٹوں میں برابر تقسیم ہوگا۔ اس لئے ہر بیٹے کا حصہ

۴/۱۴ = ۲/۷ = ۱۰/۳۵

بیٹی کی بیٹی کا حصہ (۳/۷) اس کی اولاد دو بیٹے اور ایک بیٹی میں تقسیم ہوگا۔

اس لئے بیٹی کی بیٹی کے ہر ایک بیٹے کا حصہ = $\frac{۳}{۷} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۶}{۳۵}$

بیٹی کی بیٹی کی بیٹی کا حصہ = $\frac{۳}{۷} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۳}{۳۵}$

نوٹ ۱: امام ابو یوسفؒ کے اصول کے مطابق حصے مندرجہ ذیل ہوں گے۔

ہر ایک بیٹی کے بیٹے کے بیٹے کا حصہ = ۲/۹

ہر ایک بیٹی کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = ۲/۹

ہر ایک بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۹

نوٹ ب: جب مورث چوتھی یا اس کے بعد کی کسی پشت کی اولاد چھوڑ جاتا ہے، تو جو عمل اوپر کی مثال میں کیا گیا ہے وہ ہر ایسے موقع پر کیا جائے گا جہاں جنسوں کو ایک جگہ جمع کر لینے کی ضرورت پڑے۔ ایسی صورتیں عملاً بہت ہی کم پیش آتی ہیں اس لئے اس قسم کی اوپر والی ایک ہی مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے جس کی مدد سے اسی قسم کی باقی تمام صورتیں بھی حل کی جا سکتی ہیں۔

ذوی الارحام کا دوسرا درجہ

اگر ذوی الفروض اور عصبہ اور ذوی الارحام درجہ اوّل میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر تمام جائداد ذوی الارحام درجہ دوم کے ارکان میں بلحاظ قوتِ قرابت تقسیم ہوتی ہے اس درجہ کے ارکان میں وراثت کی تقسیم کے قواعد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قریب تر بعید تر کو مجوب کرتا ہے۔ (الاقرب ثم الاقرب)

۲۔ ایک ہی درجہ کا دعویداروں میں سے۔ ان دعویداروں کو جن کا تعلق متوفی سے بذریعہ ذوی الفروض ہے ان دعویداروں پر جن کا تعلق ذوی الارحام کے ذریعے سے ہے فوقیت حاصل ہے۔

۳۔ اگر دعویدار میں کچھ دعویدار پدری سلسلے کے ہیں اور کچھ مادری سلسلہ کے تو پدری سلسلہ والوں کو جائداد کا ۲/۳ اور مادری سلسلہ والوں کو ۱/۳ دیا جاتا ہے اور اگر تمام دعویدار ایک ہی سلسلہ کے ہیں تو پھر تمام جائداد کے وارث وہی ہیں اور جائداد ان میں للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت تقسیم ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کا اصول

تین پشتوں تک درمیانی مورثوں کے مختلف الجنس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے تین پشتوں تک دونوں اماموں کا ایک ہی مسلک ہے چوتھی پشت میں اختلاف ممکن ہے جس کا اثر پانچویں پشت کے ارکان پر پڑ سکتا ہے، لیکن عملاً اتنی دور تک وراثت کا سلسلہ شاذ ہی چلتا ہے اس لئے ان کی مثالیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

درجہ دوم کے ارکان میں ترتیب توریث!

الف۔ ماں کا باپ یعنی نانا

ب۔ دادی کا باپ اور نانی کا باپ یعنی باپ کا نانا اور ماں کا نانا

ج۔ نانا کا باپ، نانا کی ماں

اس کے بعد کے یعنی چوتھی پشت کے اجداد فاسد ہیں جو عموماً موجود بھی نہیں ہوتے اس لئے ان کے ذکر کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

مثال نمبر۱:

ایک میت نے اپنے وارث ایک زوجہ اور ایک نانا چھوڑے تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۴

نانا کا حصہ = ۱ - ۱/۴ = ۳/۴

مثال نمبر۲:

ایک عورت نے اپنی وفات پر مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔
خاوند، دادی کے والد اور نانی کے والد۔

خاوند کا حصہ = ۱/۲

باقی = ۱ - ۱/۲ = ۱/۲

یہ باقی کا (۱/۲) ذوی الارحام میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ پدری سلسلہ والوں کو مادری سلسلہ والوں سے دُگنا ملے۔

اس لئے دادی کے والد کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۳}$

نانی کے والد کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۶}$

یعنی جائداد کے کل چھ سہام کئے جائیں تو ۳ سہام خاوند کے دو سہام دادی کے والد کے اور ایک سہم نانی کے والد کا ہوگا۔

مثال نمبر۳:

ایک میت نے نانا کا والد اور نانا کی والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

متوفی سے ان دونوں (وارثوں) کا تعلق مادری ہے اور درمیانی اجداد بھی ہم جنس ہیں اس لئے نانا کے والد کو بوجہ مرد ہونے کے جائداد کا ۲/۳ حصہ اور نانا کی والدہ کو بوجہ عورت ہونے کے ۱/۳ حصہ ملے گا۔

انہی قواعد کی مدد سے ذوی الارحام درجہ دوم کے باقی ارکان کی میراث بھی معلوم کی جاسکتی ہے۔

ذوی الارحام کا تیسرا درجہ

اگر درجہ اوّل اور دوم کے ذوی الارحام میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو پھر ترکہ تیسرے درجہ کے ذوی الارحام میں تقسیم ہوتا ہے یہ درجہ اُن بھائیوں اور بہنوں کی اولادوں پر مشتمل ہے جو کہ نہ ذوی الفروض ہوں اور نہ ہی عصبہ۔ اس درجہ کے ارکان کے درمیان میراث کی تقسیم کے قواعد یہ ہیں۔

الف۔ قریب تر بعید تر کو محروم کرتا ہے۔ (الاقرب ثم الاقرب)

ب۔ ایک ہی درجہ کے دعویدار رشتہ داروں میں سے، عصبات کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر فوقیت حاصل ہے یعنی حقیقی بھائی کے بیٹے (بھتیجے) کی بیٹی جو عصبہ کی اولاد ہے حقیقی بہن کی بیٹی (بھانجی) کے بیٹے کو جو ذی رحم کی اولاد ہے محروم کر دیتی ہے۔

ج۔ اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی اولاد سے محجوب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے "اصل" کے لحاظ سے حصہ پاتے ہیں۔ یعنی اگر اخیافی بہن یا بھائیوں کے توسط سے دعویدار ایک سے زائد ہیں تو ۱/۳ حاصل کریں گے اگر صرف ایک ہی دعویدار ہے تو ۱/۶ حاصل کرے گا۔

تیسرے درجہ کے ارکان کی ترتیب توریث!

۱۔ حقیقی بھائیوں کی بیٹیاں (حقیقی بھتیجا عصبہ ہے)
حقیقی بہنوں کی اولاد
اخیافی بہن بھائیوں کی اولاد

علاتی بھائی کی بیٹیاں (علاتی بھتیجہ بھی عصبہ ہے)

علاتی بہنوں کی اولاد

۲۔ حقیقی بھتیجے کی بیٹیاں یعنی اولاد عصبات

علاتی بھتیجے کی بیٹیاں یعنی اولاد عصبات

اخیافی بہن بھائیوں کے پوتے پوتیاں اورعلاتی بہن بھائیوں کے پوتے پوتیاں

۳۔ حقیقی، علاتی اوراخیافی بھتیجوں، بھتیجیوں، بھانجوں اور بھانجیوں کے پوتے پوتیاں جو عصبہ نہ ہوں، اسی طرح سے یہ سلسلہ مزید نیچے تک لے جایا جا سکتا ہے چونکہ عملاً اس کی ضرورت شاذ ہی پڑتی ہے اس لئے اس سلسلہ کو یہیں تک رہنے دیتے ہیں۔

یہ یادرکھئے کہ جب پہلے زمرہ کا کوئی رکن بھی موجود نہ ہوتو پھرکسی دوسرے زمرے کے ارکان کو وراثت پہنچے گی۔

ذوی الارحام درجہ سوم قسم اوّل

امام ابو یوسفؒ کا اصول

امام موصوف کے نزدیک حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کے سامنے علاتی، بھائی، بہنوں کی اولاد محروم ہوتی ہے اور علاتی بھائی بہنوں کی اولاد کے سامنے اخیافی بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے کہ امام موصوف دعویداروں کی نسل یعنی ''فرع'' کا خیال رکھتے ہیں جب کہ امام محمدؒ ''اصول'' کا جس کے نتیجہ میں امام ابو یوسفؒ کی ترتیب توریث امام محمدؒ کی ترتیب توریث سے مختلف ہو جاتی ہے۔

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ہر قسم کے بہن بھائیوں کی اولاد میں سے کون کون سے لوگ وارث قرار پاتے ہیں ان میں جائداد تقسیم کرنے کے ضمنی قواعد یہ ہیں۔

قاعدہ نمبرا:

جائداد ابتداء اصول میں تقسیم کردو۔ یعنی بھائیوں اور بہنوں میں (یہ تصور کرتے ہوئے کہ وہ زندہ ہیں) اور ہر بھائی کو جس کی دو یا دو سے زائد اولادیں، دعویدار ہوں، دعویداروں کی تعداد کے برابر بھائی فرض کرلو، اوراسی ہر بہن کو جس کی دو یا دو سے زائد

اولادیں دعویدار ہوں، دعویداروں کی تعداد کے برابر بہنیں فرض کرلو۔ اس درجہ میں حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی بہن سب اصول ہیں۔ اخیافی بہن بھائی بطور ذوی الفروض کے حصہ پاتے ہیں۔ اگر ایک ہے تو اس کا مفروضہ حصہ ۱/۶ اور اگر زائد ہیں تو ۱/۳ ہوگا۔ حقیقی اور علاتی بھائیوں کو ہمیشہ بطور عصبہ حصہ ملتا ہے۔ حقیقی بھائی کی غیر موجودگی میں حقیقی بہنیں بھی ذوی الفروض بن جاتی ہیں۔ اس لئے اگر ایک ہے تو اسے ۱/۲ حصہ اور اگر دو یا دو سے زائد ہیں تو انہیں ۲/۳ حصہ ملتا ہے اور اگر بہن بھائی دونوں موجود ہیں تو پھر حقیقی بہن حقیقی بھائی کے ساتھ عصبہ بالغیر ہو کر حصہ پاتی ہیں۔ یہی حالت علاتی بہنوں کی ہے اگر دعویداران وراثت کے اصول میں ایک اخیافی اور ایک یا زیادہ حقیقی بھائی ہوں تو اخیافی بھائی کو ۱/۶ حصہ بطور ذوی الفروض اور حقیقی بھائی یا بھائیوں کو ۵/۶ حصہ بطور عصبہ ملے گا، لیکن اگر اخیافی بھائی کی اولاد میں سے دو یا دو سے زیادہ دعویدار ہوں تو اخیافی بھائی کا مفروضہ حصہ ۱/۳ ہو جائے گا۔ (جو دو یا دو سے زائد اخیافی بہن بھائیوں کا حصہ ہے) اور حقیقی بھائی یا بھائیوں کا مفروضہ حصہ $(1 - \frac{1}{3}) = \frac{2}{3}$ رہ جائے گا۔ اسی طرح اگر دعویداروں میں اخیافی بہن کی پانچ اولادیں ہیں، اور حقیقی بہن کی چھ اولادیں ہیں تو اخیافی بہن کا حصہ ۱/۳ ہوگا جو دو یا دو سے زیادہ اخیافی بہنوں کا حصہ ہے اور حقیقی بہن کا حصہ ۲/۳ ہوگا جو دو یا دو سے زائد حقیقی بہنوں کا حصہ ہے اگر دعویداروں کے اصول میں حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں ہوں تو وہ بطور عصبات حصہ پاتے ہیں۔ اس طرح کہ ہر بھائی کو دو حصے اور ہر بہن کو ایک حصہ ملتا ہے۔ اب اگر ایک ہی حقیقی بھائی اور ایک ہی حقیقی بہن کی اولادیں حصہ دار ہوں اور حقیقی بھائی کی دو بیٹیاں ہوں اور حقیقی بہن کی تین اولادیں (بیٹے یا بیٹیاں) ہوں تو حقیقی بھائی دو مردوں (یعنی چار عورتوں) کے برابر اور حقیقی بہن تین عورتوں کے برابر سمجھی جائے گی۔ اس طرح جائداد کے کل سات حصے ہوں گے جس میں حقیقی بھائی کی بیٹیوں کا حصہ ۴/۷ اور حقیقی بہن کی اولاد کا حصہ ۳/۷ ہوگا۔

قاعدہ نمبر۲:

اصول کے حصے معلوم کرنے کے یہ حصے ان کی اولادوں میں حسب ذیل طریق سے تقسیم کئے جاتے ہیں۔

الف۔ حقیقی بھائیوں کی سب بیٹیاں اپنے ''اصل'' کے مجموعی حصہ میں برابر کی شریک ہوں گی اسی طرح علاتی بھائیوں کی تمام بیٹیاں اپنے ''اصل'' کے مجموعی حصہ میں برابر کی حصہ دار ہوں گی۔

ب۔ حقیقی بہنوں کا مجموعی حصہ ان سب کی اولاد میں اور علاتی بہنوں کا مجموعی حصہ ان کی تمام اولاد میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر مرد کو دو حصے اور ہر عورت کو ایک حصہ ملے۔

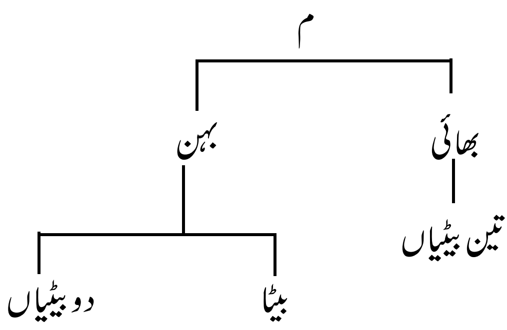
ج۔ اخیافی بہن بھائیوں کی اولادیں اپنے ''اصل'' کے حصہ میں برابر کی شریک ہوتی ہیں۔خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔

امام ابو یوسف موصوف کی رائے میں یہاں بھی دعویداروں کی تذکیر و تانیث کے لحاظ سے تقسیم ہونی چاہئے یعنی ہر مرد کو عورت سے دُگنا ملے۔

اب ان تمام امور کو بذریعہ امثال واضح کیا جاتا ہے۔

مثال نمبر۱:

ایک میت نے اپنے پیچھے تین بھتیجیاں، ایک بھانجا اور دو بھانجیاں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



بھائی کے توسط سے تین دعویدار ہیں۔

اس لئے بھائی تین مرد یعنی ٦ عورتیں تصور ہوگا۔ بہن کے توسط سے بھی تین دعویدار ہیں اس لئے بہن تین عورتیں تصور ہوگی۔

اس لئے کل ۹ حصے متصور ہوں گے جن میں سے بھائی کا حصہ ٦/۹ ہوگا۔ اور بہن کا حصہ ۳/۹

اب ۶/۹ حصہ بھائی کی تین بیٹیوں میں برابر تقسیم ہوگا اس لئے متوفی کی ہر بھتیجی کا حصہ

$= \frac{۲}{۹} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۲}{۹}$

اور ۳/۹ حصہ بہن کی اولاد میں تذکیر و تانیث کے لحاظ سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے بھانجے کا حصہ $= \frac{۳}{۹} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۱}{۶}$

ہر ایک بھانجی کا حصہ $= \frac{۳}{۹} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۳}{۳۶} = \frac{۱}{۱۲}$

اگر متوفی کی جائداد ۳۶۰۰ روپے کی مالیت کی ہو تو

ہر بھتیجی کا حصہ = ۳۶۰۰ × ۲/۹ = ۸۰۰ روپے

ہر بھانجی کا حصہ = ۳۶۰۰ × ۱/۱۲ = ۳۰۰ روپے

بھانجے کا حصہ = ۳۶۰۰ × ۱/۶ = ۶۰۰ روپے

نوٹ: یہ بھتیجیاں ایک ہی بھائی کی بیٹیاں بھی ہوسکتی ہیں اور ایک سے زائد بھائیوں کی بیٹیاں بھی، اسی طرح بھانجے، بھانجیاں بھی، ایک سے زیادہ بہنوں کی اولاد ہوسکتی ہے۔ دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یکساں عمل ہوگا۔

مثال نمبر ۲:

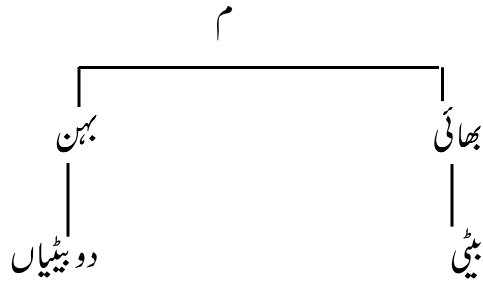
ایک میت نے دو بیویوں، ایک بھتیجی اور دو بھانجیاں وارث چھوڑیں اگر قابل تقسیم جائداد ۱۶۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ ذوی الفروض ہے اس لئے دو بیویوں کا حصہ = ۱/۴

ہر بیوی کا حصہ = ۱/۸

باقی = ۱ - ۱/۴ = ۳/۴

اب عصبات موجود نہیں اور زوجہ ذوی الارحام کی توریث میں مانع نہیں ہوتی۔ اس لئے باقی (۳/۴ حصہ) ذوی الارحام میں تقسیم ہوگا۔



بھائی کی ایک اولاد ہے اس لئے وہ ایک ہی مرد یعنی دو عورتیں تصور ہو گا اور بہن کی اولادیں دو ہیں اس لئے بہن دو عورتیں تصور ہو گی اور کل حصے چار ہوں گے۔

۳/۴ میں بھتیجی کا حصہ = ۳/۴ × ۲/۴ = ۳/۸

۳/۴ میں ہر بھانجی کا حصہ = ۳/۴ × ۱/۴ = ۳/۱۶

۱۶۰۰۰ روپے میں ہر بیوی کا حصہ = ۱۶۰۰۰ × ۱/۸ = ۲۰۰۰ روپے

۱۶۰۰۰ روپے میں ہر بھتیجی کا حصہ = ۱۶۰۰۰ × ۳/۸ = ۶۰۰۰ روپے

۱۶۰۰۰ روپے میں ہر بھانجی کا حصہ = ۱۶۰۰۰ × ۳/۱۶ = ۳۰۰۰ روپے

نوٹ: امام ابو یوسف کے اصول کے مطابق یہ حصے بالترتیب

۱/۸، ۱/۴، ۱/۴، ۱/۴ ہوں گے۔

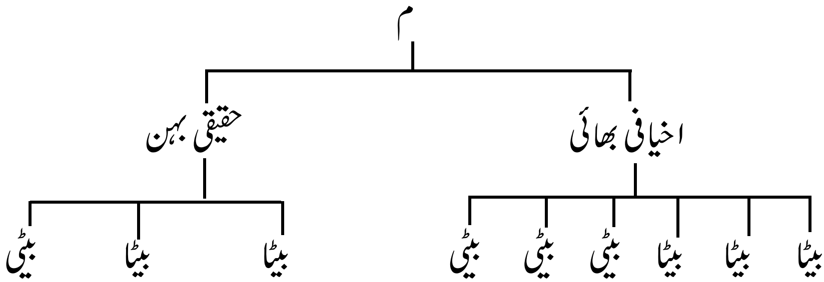
یعنی ہر بیوی کا ۱۶۰۰۰ میں حصہ = ۲۰۰۰ روپے

بھتیجی کا ۱۶۰۰۰ میں حصہ = ۴۰۰۰ روپے

ہر بھانجی کا ۱۶۰۰۰ میں حصہ = ۴۰۰۰ روپے

مثال نمبر ۳:

ایک میت نے تین اخیافی بھتیجے، تین اخیافی بھتیجیاں، دو حقیقی بھانجے اور ایک حقیقی بھانجی وارث چھوڑے۔ اگر جائداد ۹۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



چونکہ اخیافی زمرے میں چھ دعویدار ہیں اس لئے اخیافی بھائی کا حصہ ۱/۳ ہوگا اور یہ اس کی اولاد میں بلاتمیز تذکیر و تانیث مساوی طور پر تقسیم ہو جائے گا۔

اس لئے ہر اخیافی بھتیجے، بھتیجی کا حصہ = $\frac{۱}{۳} \times \frac{۱}{۶} = \frac{۱}{۱۸}$

حقیقی بہن کی تین اولادیں (دعویدار) ہیں اس لئے یہ بہن تین بہنوں کے برابر شمار ہوگی اور تین بہنوں کا حصہ یعنی ۲/۳ پائے گی اور یہ ۲/۳ اس کی اولاد میں بلحاظ تذکیر و تانیث تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر بھانجے کا حصہ = $\frac{۲}{۳} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۴}{۱۵}$

بھانجی کا حصہ = $\frac{۲}{۳} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۲}{۱۵}$

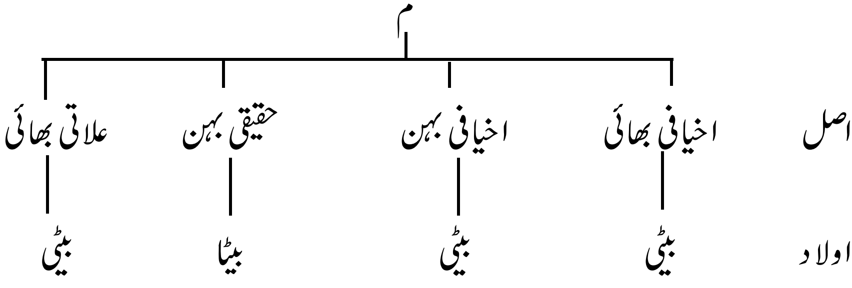
۹۰۰۰ روپے میں ہر اخیافی بھتیجا بھتیجی کا حصہ = ۹۰۰۰ × ۱/۱۸ = ۵۰۰ روپے

۹۰۰۰ روپے میں ہر بھانجے کا حصہ = ۹۰۰۰ × ۴/۱۵ = ۲۴۰۰ روپے

۹۰۰۰ روپے میں بھانجی کا حصہ = ۹۰۰۰ × ۲/۱۵ = ۱۲۰۰ روپے

مثال نمبر ۴:

ایک میت نے اخیافی بھتیجی، اخیافی بھانجی، حقیقی بھانجا اور علاتی بھتیجی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



چونکہ اصل میں حقیقی بھائی کوئی نہیں۔اس لئے یہاں علاتی بھائی عصبہ ہوگا۔

اخیافی زمرہ میں دو اولادیں ہیں اس لئے یہ دو بہن بھائی تصور ہوں گے اور ان کے مجموعی حصہ ۱/۳ ہوگا جو ان کی اولاد میں برابر برابر تقسیم ہوگا۔اس لئے ہر ایک دعویدار کو ۱/۶ حصہ ملے گا۔

حقیقی بہن کی اولاد صرف ایک ہے اس لئے اس کا حصہ ۱/۲ ہوگا۔جو اس کے بیٹے کو ملے گا۔

علاتی بھائی عصبہ ہے اس لئے باقی جائداد یعنی = $۱ - (\frac{۱}{۳} + \frac{۱}{۲}) = \frac{۱}{۶}$

حصہ حاصل کرے گا۔جو اس کی اولاد (بیٹی) کو ملے گا۔

لہٰذا اخیافی بھتیجی کا حصہ = ۱/۶

اخیافی بھانجی کا حصہ = ۱/۶

حقیقی بھانجے کا حصہ = ۱/۲

علاتی بھتیجی کا حصہ = ۱/۶

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق اخیافی اور علاتی بہن بھائیوں کی اولاد حقیقی بہن بھائیوں کی اولاد کے سامنے محروم ہوتی ہے اس لئے ساری جائداد حقیقی بھانجے کو مل جائے گی۔

مثال نمبر ۵:

ایک میت نے دو بیویاں، دو حقیقی بھانجے، دو حقیقی بھانجیاں اور دو علاتی بھتیجیاں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

دو بیویوں کا حصہ = ۱/۴

ہر ایک کا حصہ = ۱/۸

حقیقی بہن کی اولاد کا حصہ = ۲/۳ (کیونکہ اس کی چار اولادیں ہیں اور یہ بہن چار بہنوں کے برابر تصور ہوگی۔)

باقی = $۱ - (\frac{۱}{۴} + \frac{۲}{۳}) = \frac{۱}{۱۲}$

یہ ۱/۱۲ حصہ علاتی بھائی (عصبہ) کی اولاد یعنی اس کی دو بیٹیوں میں برابر برابر تقسیم ہوگا۔

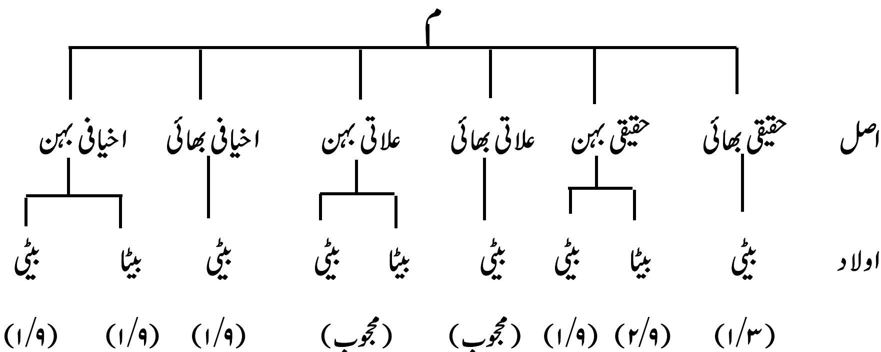
پس ہر ایک بیوی کا حصہ = ۱/۸

ہر حقیقی بھانجے کا حصہ = ٢/٣ × ٢/٦ = ٢/٩
ہر حقیقی بھانجی کا حصہ = ٢/٣ × ١/٦ = ٢/٩
ہر علاتی بھتیجی کا حصہ = ١/١٢ × ١/٢ = ١/٢٤

یعنی جائداد کے کل ٢٧ سہام کیئے جائیں گے اور ٩ ہر بیوی کے، ١٦ ہر حقیقی بھانجے کے، ٨ ہر حقیقی بھانجی کے اور ٣ ہر علاتی بھتیجی کے ہوں گے۔

مثال نمبر ٦:

ایک میت نے حقیقی بھتیجی، حقیقی بھانجا اور حقیقی بھانجی، علاتی بھتیجی اور علاتی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی، اخیافی بھائی کی ایک بیٹی اور اخیافی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



پہلے ہم ہر اصل کو زندہ تصور کر کے اُن کے حصے دیں گے۔ حقیقی بہن بھائیوں کی موجودگی میں علاتی بہن بھائی محروم ہوتے ہیں اس لئے ان کی اولادیں بھی محروم ہوں گی۔

اخیافی زمرے کے تین دعویدار ہیں اس لئے ان کا مجموعی حصہ ١/٣ ہوگا جو ان کی اولادوں میں بلاتمیز تذکیر و تانیث مساوی طور پر تقسیم ہوگا۔ اس لئے ہر ایک کا حصہ ١/٩ ہوگا۔

باقی یعنی (١ - ١/٣) = ٢/٣ حصہ حقیقی بھائی اور بہن کو بطور عصبہ کے ملے گا اور ان کی اولادوں میں تقسیم ہوگا۔

اب حقیقی بھائی کی صرف ایک اولاد ہے اس لئے یہ ایک مرد یا دو عورتیں تصور ہوگا۔ اور حقیقی بہن کی دو اولادیں ہیں اس لئے یہ بہن دو عورتیں تصور ہوگی۔

اس لئے باقی ۲/۳ حصہ میں حقیقی بھائی کا حصہ $= \frac{2}{3} \times \frac{2}{4} = \frac{1}{3}$

حقیقی بہن کا حصہ $= \frac{2}{3} \times \frac{2}{4} = \frac{1}{3}$

حقیقی بھائی کا حصہ ۱/۳ حصہ اس کی بیٹی کو مل جائے گا اور حقیقی بہن کا ۱/۳ حصہ اس کی اولاد میں مرد دگنا اور عورت کو اکہرا حصہ کے اصول پر تقسیم ہوگا۔

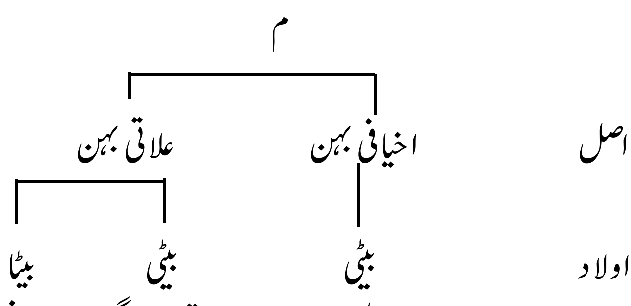
لہٰذا حقیقی بہن کے بیٹے کا حصہ $= \frac{1}{3} \times \frac{2}{3} = \frac{2}{9}$

حقیق بہن کی بیٹی کا حصہ $= \frac{1}{3} \times \frac{1}{3} = \frac{1}{9}$

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق تمام جائداد صرف حقیقی بہن بھائیوں کی اولاد میں **للذکر مثل حظ الانثیین** کے تحت تقسیم ہوگی اور اس طرح حقیقی بھائی کی بیٹی کو ۱/۴ حقیقی بہن کے بیٹے کو ۱/۲ اور حقیقی بہن کی بیٹی کو ۱/۴ حصہ ملے گا۔

مثال نمبر ۷:

ایک میت نے اخیافی بہن کی ایک بیٹی اور علاتی بہن کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ نیز اگر جائداد قابل تقسیم مابین ورثاء ۱۵۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کے حصہ کی رقم بتائیے۔



اخیافی بہن کی صرف ایک اولاد ہے اس لئے یہ ایک ہی بہن تصور ہوگی اور اخیافی بہن کا حصہ پائے گی یعنی ۱/۶ علاتی بہن کے دو دعویدار (اولادیں) ہیں اس لئے علاتی بہن دو بہنوں والا حصہ یعنی (۲/۳) پائے گی۔

اس طور سے ۱/۶ حصہ باقی بچ جاتا ہے چونکہ ''اصول'' میں کوئی عصبہ موجود نہیں اس لئے یہ باقی ماندہ حصہ بھی اخیافی اور علاتی بہنیں اپنے حصوں کی نسبت کے لحاظ سے حاصل کر لیں گی۔ یعنی یہ حصہ بھی انہیں کے درمیان ۱/۶ : ۲/۳ = ۱ : ۴ کے حساب

سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

پس ۱/۶ حصہ میں اخیافی بہن کا حصہ = $\frac{۱}{۶} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۱}{۳۰}$

اور علاتی بہن کا حصہ = $\frac{۱}{۶} \times \frac{۴}{۵} = \frac{۴}{۳۰}$

لہٰذا اخیافی بہن کا کل حصہ = $\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۳۰} = \frac{۱}{۵}$

اور علاتی بہن کا حصہ = $۲/۳ + \frac{۴}{۳۰} = \frac{۴}{۵}$

اخیافی بہن کا حصہ ۱/۵ حصہ اس کی بیٹی کو مل جائے گا اور علاتی بہن کا ۴/۵ حصہ اس کے بیٹے بیٹی میں تقسیم ہوگا۔

اس لئے اخیافی بہن کی بیٹی کا حصہ = ۱/۵

علاتی بہن کے بیٹے کا حصہ = $\frac{۴}{۵} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۸}{۱۵}$

علاتی بہن کی بیٹی کا حصہ = $\frac{۴}{۵} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۴}{۱۵}$

۱۵۰۰ روپے میں اخیافی بہن کی بیٹی کا حصہ = ۱۵۰۰ × ۱/۵ = ۳۰۰ روپے

۱۵۰۰ روپے میں اخیافی بہن کے بیٹے کا حصہ = ۱۵۰۰ × ۸/۱۵ = ۸۰۰ روپے

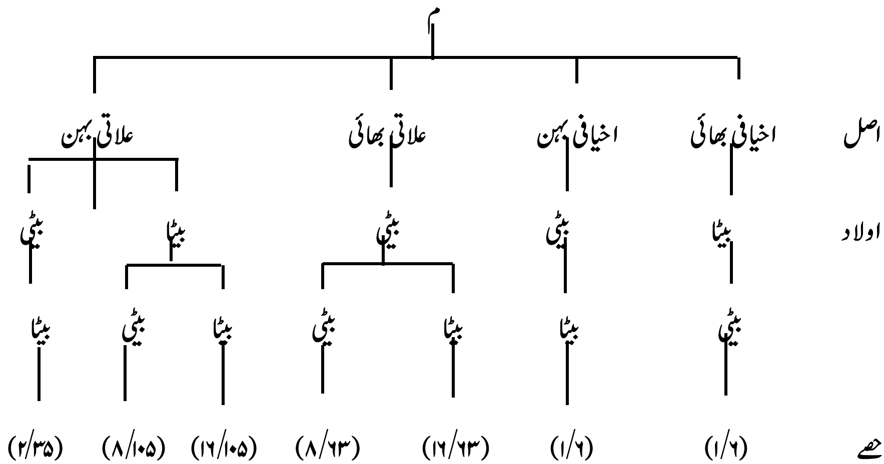
۱۵۰۰ روپے میں علاتی بہن کی بیٹی کا حصہ = ۱۵۰۰ × ۴/۱۵ = ۴۰۰ روپے

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق کل جائداد علاتی بہن کی اولاد کو ملے گی۔ ۲/۳ حصہ بیٹے کو اور ۱/۳ حصہ بیٹی کو۔

ذوی الارحام درجہ سوم قسم دوم

مثال نمبر ۸:

ایک میت نے اخیافی بھتیجے کی بیٹی، اخیافی بھانجی کا بیٹا، علاتی بھتیجی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی، علاتی بھانجے کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور علاتی بھانجی کا ایک بیٹا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔ ان تمام ذوی الارحام کو ایک نقشہ سے ظاہر کیجئے۔



اخیافی زمرے میں دو دعویدار ہیں۔ اس لئے اخیافی بھائی اور اخیافی بہن کا مجموعی حصہ ۱/۳ ہو گا۔ اور ہر ایک کا حصہ ۱/۶ ہو گا۔

اخیافی بہن بھائیوں کو حصہ دینے کے بعد جائداد کا ۲/۳ حصہ باقی رہ جاتا ہے جو علاتی بھائی اور علاتی بہن کے درمیان (بحیثیت عصبات) اُن کی دعویدار اولاد کی تعداد کے لحاظ سے تقسیم ہو گا۔ اب علاتی بھائی کی اولاد میں دو دعویدار ہیں۔ اس لئے وہ دو مرد یعنی چار عورتیں تصور ہو گا۔ علاتی بہن کی اولاد میں تین دعویدار ہیں اس لئے وہ تین عورتیں تصور ہو گی۔ اس طرح سے اس باقی ۲/۳ حصہ کے سات حصے ہوں گے ۴ علاتی بھائی کے اور تین علاتی بہن کے۔

لہٰذا ۲/۳ میں علاتی بھائی کا حصہ $= \frac{۲}{۳} \times \frac{۴}{۷} = \frac{۸}{۲۱}$

اور علاتی بہن کا حصہ $= \frac{۲}{۳} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۴}{۲۱}$

علاتی بھائی کا حصہ ۸/۲۱ حصہ اس کی بیٹی کو ملے گا اور اس (بیٹی) کے بیٹے اور بیٹی کے درمیان ۲ اور ۱ کی نسبت سے تقسیم ہو گا۔

اس لئے علاتی بھتیجی کے بیٹے کا حصہ $= \frac{۸}{۲۱} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱۶}{۶۳}$

علاتی بھتیجی کی بیٹی کا حصہ $= \frac{۸}{۲۱} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۸}{۶۳}$

علاتی بہن کا حصہ ۶/۲۱ حصہ پہلے اس کے بیٹے اور بیٹی کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ بیٹے کی اولاد میں دو دعویدار ہیں اس لئے وہ دو مردوں یا ۴ عورتوں کے برابر شمار ہو گا۔ بیٹی کا

صرف ایک بیٹا دعویدار ہے اس لئے وہ ایک ہی عورت شمار ہوگی۔

لہٰذا ۶/۲۱ حصہ میں سے بیٹے کا حصہ = $\frac{۶}{۲۱} \times \frac{۴}{۵} = \frac{۸}{۳۵}$

اور ۶/۲۱ حصہ میں بیٹی کا حصہ = $\frac{۶}{۲۱} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۲}{۳۵}$

اب بیٹے کا ۸/۳۵ حصہ اس کی دو اولادوں میں یعنی بیٹے اور بیٹی میں ۲ اور ۱ کی نسبت سے تقسیم ہوگا۔

پس علاتی بھانجے کے بیٹے کا حصہ = $\frac{۸}{۳۵} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱۶}{۱۰۵}$

علاتی بھانجے کی بیٹی کا حصہ = $\frac{۸}{۳۵} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۸}{۱۰۵}$

نوٹ: امام ابو یوسفؒ کے اصول کے لحاظ سے جائداد علاتی زمرے میں تقسیم ہوگی۔ اور اخیافی زمرہ بالکل محروم رہے گا۔ اس لحاظ سے حصے یہ ہوں گے۔

علاتی بھتیجی کے بیٹے کا حصہ = ۲/۸ = ۱/۴

علاتی بھتیجی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۸

علاتی بھانجے کے بیٹے کا حصہ = ۲/۸ = ۱/۴

علاتی بھانجے کی بیٹی کا حصہ = ۱/۸

علاتی بھانجی کے بیٹے کا حصہ = ۲/۸ = ۱/۴

ذوی الارحام کا چوتھا درجہ

اگر پہلے دوسرے اور تیسرے درجہ کے ذوی الارحام میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو ترکہ چوتھے درجہ کے ذوی الارحام میں تقسیم ہوتا ہے۔ ان کی ترتیب توریث یہ ہے:۔

قسم نمبر ۱:

متوفی کے وہ چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں جو عصبات میں شمار نہ ہوں (اس لحاظ سے اس نمبر میں حقیقی اور علاتی چچا شامل نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہیں)

قسم نمبر ۲:

متوفی کے چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد (خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو) لیکن ان میں متوفی کے حقیقی اور علاتی چچاؤں کی نرینہ اولاد شامل نہ ہوگی

کیونکہ وہ عصبات میں شامل ہے۔

قسم نمبر۳:

متوفی کے والدین کے چچا اور ماموں جو باپ کے حقیقی اور علاتی چچاؤں کے علاوہ ہوں۔

قسم نمبر۴:

متوفی کے والدین کے چچاؤں، ماموؤں، پھوپھیوں اور خالاؤں کی اولاد خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو، لیکن ان میں باپ کے حقیقی اور علاتی چچاؤں کی نرینہ اولاد شامل نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ عصبات میں داخل ہے۔

قسم نمبر۵:

دادا اور دادی کے چچا اور ماموں اور جو دادا کے حقیقی یا علاتی چچا اور ماموں نہ ہوں کیونکہ وہ عصبات ہیں۔

قسم نمبر۶:

دادا، دادی کے چچاؤں، ماموؤں، پھوپھیوں اور خالاؤں کی اولاد خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو۔ لیکن دادا کے حقیقی اور علاتی چچاؤں کے بیٹوں کی اولاد ان میں شامل نہ ہو گی۔ (کیونکہ وہ عصبات ہیں)

قسم نمبر۷:

بعید کے چچا، ماموں، پھوپھیاں اور خالائیں اور پھر ان کی اولادیں اسی ترتیب اور طریقے سے (بشرطیہ وہ عصبات میں شامل نہ ہوں)۔

چوتھے درجہ کے ذوی الارحام میں میراث تقسیم کرتے وقت حسب ذیل قواعد پر عمل کیا جاتا ہے۔

۱۔ الاقرب ثم الاقرب یعنی قریب تر بعید تر کو محروم کر دیتا ہے۔ اس لحاظ سے ہر قسم (زمرے) کے دعویداروں میں حقیقی کو علاتی پر اور علاتی کو اخیافی پر ترجیح دی جائے گی۔ اسی طرح ایک قسم کے تمام ارکان کے ختم ہو جانے کے بعد ہی کسی دوسری قسم کے ارکان کو میراث پہنچے گی۔

۲۔ اگر دعویدارانِ میراث میں صرف پدری (یعنی باپ کی طرف کے) رشتہ دار ہی ہوں یعنی صرف اخیافی چچا یا صرف اخیافی پھوپھیاں یا اخیافی چچا اور اخیافی پھوپھیاں (دونوں) تو پھران کے درمیان تمام جائداد برابر برابر تقسیم ہوگی۔

۳۔ اگر دعویداری میں صرف مادری (یعنی ماں کی طرف کے) رشتہ دار موجود ہوں یعنی صرف ماموں، یا صرف خالائیں یا ماموں اور خالائیں دونوں تو پھر تمام جائداد ان میں ہی حسب قواعد تقسیم ہوگی۔

۴۔ اگر دعویداران میراث میں پدری اور مادری دونوں قسم کے رشتہ دار موجود ہوں تو پھر مجموعی طور پر پدری رشتہ داری کو جائداد کا ۲/۳ حصہ اور مادری رشتہ داروں کو ۱/۳ حصہ ملے گا اور ان کا ہرگروہ اپنا مجموعی حصہ اس طور سے تقسیم کرے گا کہ مرد کو عورت سے دُگنا حصہ ملے۔ سوائے اخیافی قسم کے رشتہ داروں کے جن کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگی۔

نوٹ: یاد رکھیئے کہ کوئی بھی پدری رشتہ دار کسی بھی مادری رشتہ دار کی وجہ مجوب نہیں ہوتا اسی طرح کوئی بھی مادری رشتہ دار کسی بھی پدری رشتہ دار سے مجوب نہیں ہوتا۔ یہ دونوں سلسلے علیحدہ علیحدہ اپنا مفروضہ حصہ حاصل کرتے ہیں۔ اگر ایک سلسلہ کے افراد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتو پھر تمام جائداد کے مالک دوسرے موجود سلسلہ کے لوگ ہوں گے۔

یہ بھی خیال رکھیئے کہ حقیقی چچا، علاتی چچا اور ان کی اولادیں (یعنی ان کے بیٹے) عصبات میں شامل ہیں اس لئے اس جگہ پر ان کا ذکر نہیں آئے گا۔ ویسے ان میں سے اگر کوئی فرد موجود ہوتو ہرقسم کے ذوی الارحام محروم ہو جائیں گے۔

امام ابو یوسفؒ کا اصول

۱۔ چچاؤں، ماموؤں اور پھوپھیوں اور خالاؤں کی توریث کے متعلق امام ابو یوسفؒ اور امام محمد کی رائے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ چچاؤں، پھوپھیوں، خالاؤں اور ماموؤں کی اولاد میں تقسیم وراثت کے بارے میں ان دونو اماموں میں صرف اس قدر اختلاف ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو حصہ پدری اور مادری رشتہ داروں کو دیا جائے وہ دعویداروں میں جالراس

(للذكر مثل حظ الانثيين کے اصول کے تحت) تقسیم ہونا چاہئے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اسی طریق سے تقسیم ہونی چاہئے جس طرح سے ذوی الارحام کے درجہ اول کے باب میں بیان کی گئی ہے۔

ذوی الارحام درجہ چہارم قسم اوّل

میت کی ہر قسم کی پھوپھیاں (حقیقی، علاتی اوراخیافی) ہر قسم کی خالائیں اور ہر قسم کے ماموں۔ اخیافی چچا۔

ان میں سے باپ کی طرف سے پھوپھیاں (ہر سہ قسم) اوراخیافی چچا وارث بنتے ہیں۔ اور ماں کی طرف سے ماموں اور خالائیں (دونو ہر قسم) گویا باپ کی طرف سے اس قسم میں چار رشتہ دار اور ماں کی طرف سے ۶ رشتہ دار شامل ہوتے ہیں۔ یہ کل دس بنے۔ اب ہم ان کے درمیان میراث کی تقسیم کی چند ایک مثالیں بیان کرتے ہیں۔

مثال نمبر ۱:

ایک میت نے دو حقیقی پھوپھیاں، ایک علاتی پھوپھی، دو حقیقی خالائیں اور ایک حقیقی ماموں وارث چھوڑے ہیں۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

علاتی پھوپھی، حقیقی پھوپھی کی وجہ سے محروم رہے گی۔

دو حقیقی پھوپھیوں کا حصہ	= ۲/۳	(پدری حصہ)
ایک حقیقی پھوپھی کا حصہ	= ۱/۳	
دو حقیقی خالاؤں اور ایک حقیقی ماموں کا حصہ	= ۱/۳	(مادری حصہ)
اس لئے ماموں کا حصہ	= $\frac{۱}{۳} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۱}{۶}$	
اور ہر خالہ کا حصہ	= $\frac{۱}{۳} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۱}{۱۲}$	

مثال نمبر ۲:

ایک میت نے ایک علاتی پھوپھی، دو اخیافی چچا اور ایک حقیقی خالہ اور ایک حقیقی ماموں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

اخیافی چچا علاتی پھوپھی کی وجہ سے محروم ہوں گے۔

اس لئے پدری سلسلہ میں علاتی پھوپھی کا حصہ = ۲/۳

مادری سلسلہ میں حقیقی ماموں کا حصہ = $\frac{۱}{۳} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۲}{۹}$

اور خالہ کا حصہ = $\frac{۱}{۳} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۱}{۹}$

مثال نمبر۳:

ایک میت نے زوجہ، اخیافی چچا، اخیافی پھوپھی، حقیقی ماموں اور حقیقی خالہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۴ (بطور ذوی الفروض)

باقی = ۱ - ۱/۴ = ۳/۴

اس باقی (۳/۴) کا ۲/۳ حصہ پدری سلسلہ کے رشتہ داروں کو اور ۱/۳ حصہ مادری سلسلہ کے رشتہ داروں کو ملے گا۔

اس لئے اخیافی چچا اور اخیافی پھوپھی کا حصہ = $\frac{۳}{۴} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۲}$

ہر ایک کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۱}{۲} = \frac{۱}{۴}$

حقیقی ماموں اور حقیقی خالہ کا حصہ = $\frac{۳}{۴} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۴}$

حقیقی ماموں کا حصہ = $\frac{۱}{۴} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۶}$

حقیقی خالہ کا حصہ = $\frac{۱}{۴} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۱۲}$

یعنی اگر جائداد کے ۱۲ سہام کیئے جائیں تو ۳ سہام زوجہ کو ۳ سہام اخیافی چچا کو ۳ سہام اخیافی پھوپھی کو ۲ سہام حقیقی ماموں کو اور ایک سہم حقیقی خالہ کو ملیں گے۔

مثال نمبر۴:

ایک میت نے خاوند، علاتی ماموں، علاتی خالہ اور اخیافی پھوپھی وارث چھوڑے اگر ترکہ قابل تقسیم ۱۸۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

خاوند کا حصہ = ۱/۲

باقی = ۱ - ۱/۲ = ۱/۲

اخیافی پھوپھی کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۳}$

علاتی ماموں کا حصہ = $\frac{۱}{۶} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۹}$

علاتی خالہ کا حصہ = $\frac{1}{6} \times \frac{1}{3} = \frac{1}{18}$

۱۸۰۰روپے میں خاوند کا حصہ = ۱۸۰۰ × ۱/۲ = ۹۰۰روپے

۱۸۰۰روپے میں اخیافی پھوپھی کا حصہ = ۱۸۰۰ × ۱/۳ = ۶۰۰روپے

۱۸۰۰روپے میں علاتی ماموں کا حصہ = ۱۸۰۰ × ۱/۹ = ۲۰۰روپے

۱۸۰۰روپے میں علاتی خالہ کا حصہ = ۱۸۰۰ × ۱/۱۸ = ۱۰۰روپے

ذوی الارحام درجہ چہارم قسم نمبر۲

اعمام اورعمات کی اولاد درجہ چہارم قسم نمبر۲ میں شامل ہے یعنی چچاؤں پھپھیوں ماموؤں اور خالاؤں کی ایسی اولاد خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو جو عصبات میں شامل نہیں (گویا حقیقی اور علاتی چچاؤں کے بیٹے جو عصبات میں شامل ہیں۔ وہ ذوی الارحام میں شامل نہیں ہو سکتے) اس قسم میں ترتیب توریث حسب ذیل ہے۔

(۱) پدری سلسلہ

الف۔ حقیقی چچاؤں کی بیٹیاں[۱] ب۔ حقیقی پھپھیوں کی اولاد (بیٹے بیٹیاں)

ج۔ علاتی چچا کی بیٹیاں[۲]

د۔ علاتی پھپھیوں کی اولاد (بیٹے بیٹیاں)

ھ۔ اخیافی چچاؤں اور پھپھیوں کی اولاد جن میں برابر برابر تقسیم ہو گی تذکیر و تانیث کا فرق نہیں کیا جائے گا۔

جو زمرہ بھی میراث کا حقدار بنے گا اس میں جائداد اس طرح تقسیم ہو گی جس طرح درجہ دوم کے ذوی الارحام میں ہوتی ہے نیز ایک زمرے کے تمام ارکان کے ختم ہو جانے کے بعد اس سے اگلے زمرے کا رُکن یا ارکان وارث ہوں گے۔

(۲) مادری سلسلہ

الف۔ حقیقی ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد۔

ب۔ علاتی ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد۔

ج۔ اخیافی ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد (جن کا حصہ ۱/۳ برابر برابر تقسیم ہو گا)

---

[۱] و [۲] حقیقی اور علاتی چچا کے بیٹے عصبات میں شامل ہیں۔

نوٹ: اس دوسری قسم کے دعویدار عمام اور عمات کی اولادیں ہیں اس لئے امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اصول کے تحت دعویداروں کے حصوں میں فرق پڑ جائے گا۔ یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پدری اور مادری دونو سلسلوں کی اولادوں کو **للذکر مثل حظ الانثیین** کے اصول کے تحت حصے دیئے جائیں گے۔

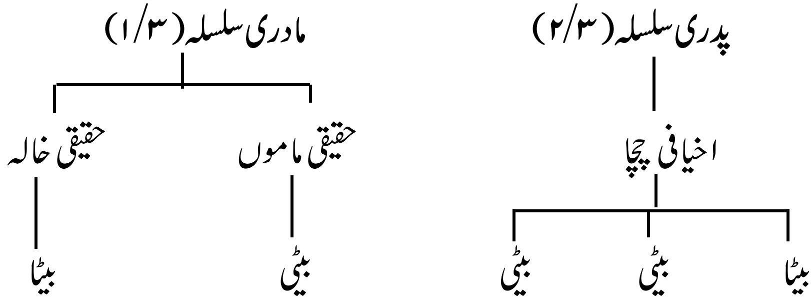
مثال نمبر۱:

ایک میت نے حقیقی پھوپھی کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا، اخیافی چچا کا بیٹا اور حقیقی ماموں کا ایک لڑکا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

حقیقی پھوپھی کی اولاد کی موجودگی کی وجہ سے اخیافی چچا کی اولاد محروم ہو گی۔ لہٰذا پدری سلسلہ کی اولاد کا حصہ (۲/۳) پھوپھی کی اولاد میں ۲ اور ۱ کی نسبت سے لڑکے اور لڑکی میں تقسیم ہو گا۔ اس لئے ان کے حصے بالترتیب ۴/۹ اور ۲/۹ ہوں گے۔ مادری سلسلہ میں صرف ایک ہی دعویدار ہے اس لئے اس سلسلہ کا حصہ (۱/۳) حقیقی ماموں کے لڑکے کو مل جائے گا۔

مثال نمبر۲:

ایک میت نے اخیافی چچا کا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں، حقیقی ماموں کی بیٹی اور حقیقی خالہ کا ایک بیٹا مع ایک زوجہ کے وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



زوجہ کا حصہ = ۱/۴

باقی = ۱ - ۱/۴ = ۳/۴

پدری سلسلہ کا حصہ = $\frac{۳}{۴} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۲}$

اخیافی چچا کے بیٹے کا حصہ = $\frac{1}{2} \times \frac{1}{3} = \frac{1}{6}$

اخیافی چچا کی ہر ایک بیٹی کا حصہ = $\frac{1}{2} \times \frac{1}{3} = \frac{1}{6}$

مادری سلسلہ کا حصہ = $\frac{3}{4} \times \frac{1}{3} = \frac{1}{4}$

حقیقی ماموں کی بیٹی کا حصہ = $\frac{1}{4} \times \frac{2}{3} = \frac{1}{6}$

حقیقی خالہ کے بیٹے کا حصہ = $\frac{1}{4} \times \frac{1}{3} = \frac{1}{12}$

امام ابو یوسفؒ کے اصول کے مطابق جو حصے بنتے ہیں وہ یہ ہیں۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۴

اخیافی چچا کے ہر بیٹے بیٹی کا حصہ = ۱/۶

حقیقی ماموں کی بیٹی کا حصہ = ۱/۱۲

حقیقی خالہ کے بیٹے کا حصہ = ۱/۶

مثال نمبر ۳:

ایک میت نے اپنے حقیقی چچا سعید کی پوتی اور حقیقی چچا حمید کی نواسی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

حقیقی چچا سعید — بیٹا — بیٹی

حقیقی چچا حمید — بیٹی — بیٹی

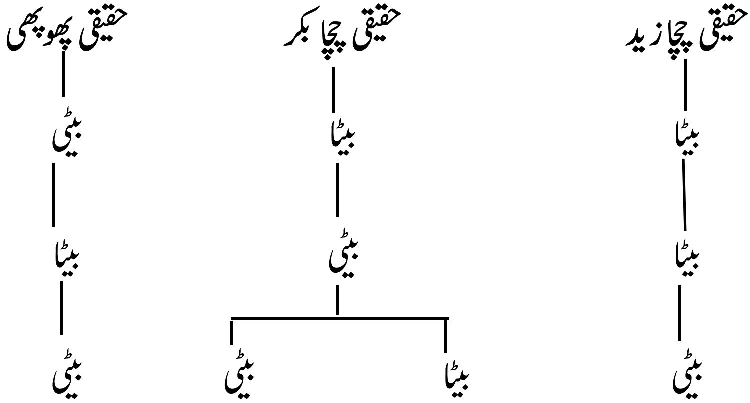
اس مثال میں صرف پدری رشتہ دار موجود ہیں اس لئے کل جائداد ان میں تقسیم ہو گی۔

درمیانی مورثوں میں پہلی پشت میں اختلاف واقع ہوتا ہے بیٹے کی وساطت سے صرف ایک دعویدار ہے اس لئے یہ ایک مرد یا دو عورتیں تصور ہو گا اور بیٹی کی وساطت سے بھی ایک ہی دعویدار ہے اس لئے یہ ایک ہی عورت تصور ہو گی۔ اس لئے بیٹے کو ۲/۳ اور بیٹی کو ۱/۳ ملے گا جو کہ بیٹے کی بیٹی کو اور بیٹی کی بیٹی کو بالترتیب مل جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ

کے اصول کے مطابق دونوں یعنی سعید کی پوتی اور حمید کی نواسی کو ۱/۲، ۱/۲ حصہ ملے گا۔

مثال نمبر۴:

ایک میت نے اپنے دو حقیقی چچاؤں زید و بکر کی اولاد جو نقشہ میں ظاہر ہے اپنے وارث چھوڑے اور حقیقی پھوپھی کے نواسے کی بیٹی بھی ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سب وارث ایک ہی قوت قرابت رکھنے والے ہیں یعنی حقیقی چچاؤں اور حقیقی پھوپھی کی اولاد ہیں مگر زید کے بیٹے کا بیٹا عصبہ ہے اس لئے اس کی بیٹی عصبہ کی اولاد ہے۔

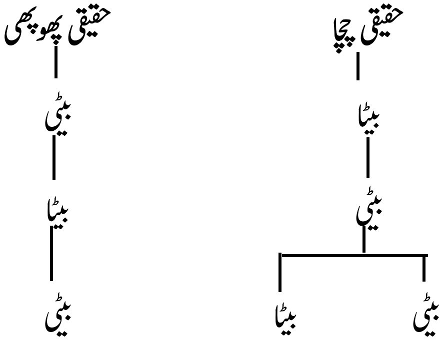
بکر کے بیٹے کی بیٹی ذی رحم ہے اس لئے اس کی اولاد ذی رحم کی اولاد ہے۔

اسی طرح پھوپھی کی بیٹی کے بیٹے کی بیٹی بھی ذوی الارحام کی اولاد ہے اب عصبہ کی اولاد کو ذوی الارحام کی اولاد پر فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے حقیقی چچا زید کے بیٹے کے بیٹے کی بیٹی تمام ترکہ حاصل کرے گی اور دوسرے تمام دعویدار باوجود ایک ہی درجہ اور ایک ہی قوت قرابت رکھنے کے محروم ہوں گے۔

امام ابو یوسفؒ کے اصول کے مطابق ان کے حصے بالترتیب ۱/۵ ، ۲/۵، ۱/۵ ، ۱/۵ اور ۱/۵ ہوں گے۔

مثال نمبر۵:

ایک میت نے نقشہ کے مطابق اپنے یہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔



اس میں پہلی ہی پشت میں اختلافِ جنس ہے اور حقیقی چچا کی اولاد میں دو دعویدار ہیں۔ اس لئے وہ دو مرد یعنی چار عورتیں شمار ہو گا۔ حقیقی پھوپھی کی اولاد میں صرف ایک دعویدار ہے اس لئے وہ ایک عورت شمار ہو گی اس لئے جائداد پانچ حصوں میں تقسیم ہو گا چار حصے حقیقی چچا اور ایک حصہ حقیقی پھوپھی کو ملے گا۔ حقیقی چچا کا حصہ (۴/۵) اس کی دو اولادوں (بیٹا، بیٹی یعنی موجودہ دعویداروں) میں تقسیم ہو گا۔ اس لئے

حقیقی چچا کے بیٹے کی بیٹی کے بیٹے کا حصہ = $\frac{4}{5} \times \frac{2}{3} = \frac{8}{15}$

حقیقی چچا کے بیٹے کی بیٹی کی بیٹی کا حصہ = $\frac{4}{5} \times \frac{1}{3} = \frac{4}{15}$

حقیقی پھوپھی کا حصہ (۱/۵) اس کی بیٹی کے بیٹے کی بیٹی کو مل جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے مطابق یہ حصے بالترتیب ۱/۲، ۱/۴ اور ۱/۴ ہوں گے۔

یہ نقشہ اسی طریق سے اگلی نسلوں تک لے جایا سکتا ہے اور اسی طریق سے اُن کے حصے مقرر کئے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ عملاً اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس لئے ان کے متعلق بحث نہیں کی گئی۔

(اگلے) صفحہ پر اعمام اور عمات کی تین پشت تک کی اولاد یکجائی طور پر دکھائی گئی ہے۔ تا ایک ہی نظر میں یہ معلوم ہو سکے کہ ان میں سے کون کون بطور ذوی الارحام حصہ پانے کے مستحق ہیں۔ اور کون کون عصبات میں شامل ہونے کی وجہ سے ذوی الارحام میں شمار نہیں ہوتے۔ بلکہ بطور عصبہ حصہ پاتے ہیں اور ان (عصبات) کی موجودگی کن ذوی الارحام کو وراثت سے محروم کر دیتی ہے۔

درجہ چہارم کی تیسری قسم

تیسری قسم میں متوفی کے والدین کے اعمام اور عمات شامل ہیں یعنی والد کی طرف سے اس (یعنی والد) کی حقیقی علاتی اور اخیافی پھوپھیاں، اخیافی چچا، حقیقی علاتی اور اخیافی ماموں اور حقیقی علاتی اور اخیافی خالائیں اور والدہ کی طرف سے اس (یعنی والدہ) کی حقیقی، علاتی واخیافی پھوپھیاں، اخیافی چچا اور حقیقی، علاتی، اخیافی ماموں اور خالائیں۔

ان کے درمیان ترکہ کی تقسیم بعینہٖ درجہ چہارم کی قسم اوّل کی طرح ہوتی ہے۔ نیز انہیں اسی وقت حصہ مل سکتا ہے جب قسم اوّل اور دوم کا کوئی بھی وارث موجود نہ ہو۔

درجہ چہارم کی چوتھی قسم

اس قسم میں متوفی کے والدین کے اعمام اور عمات کی وہ اولاد شامل ہے (خواہ وہ کتنے ہی نیچے درجہ کی ہو) جو عصبات میں شامل نہ ہو۔ ان کے لئے طریقہ تقسیم بھی بالکل وہی ہے جو درجہ چہارم قسم نمبر۲ کے لئے ہے، لیکن عموماً کسی متوفی کے اتنے دور کے ورثا کو میراث سے حصہ دینے کا موقعہ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تمام ترکہ ان سے زیادہ قریبی رشتہ داروں میں ہی تقسیم ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کے متعلق کسی تفصیل کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

مشق نمبر۳ سوالات مع جوابات

۱۔ ایک میت نے اپنی بیٹی رشیدہ کے بطن سے دولڑکے اور ایک لڑکی اور دوسری بیٹی حمیدہ سے ۴ لڑکیاں اور ایک لڑکا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ہر نواسے کا حصہ = ۲/۱۱ ،نواسی کا حصہ = ۱/۱۱

۲۔ ایک میت نے اپنی نواسی زینب کے دولڑکے اور ایک لڑکی اور نواسی کلثوم کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

ورثاء کا درجہ ایک ہی ہے اور جنس بھی ایک ہی ہے۔

اس لئے ہر لڑکے کا حصہ (خواہ وہ زینب کا ہو یا کلثوم کا ہو) = ۱/۴

ہر لڑکی کا حصہ (خواہ وہ زینب کی ہو یا کلثوم کی) = ۱/۸

۳۔ ایک میت نے اپنے نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا چھوڑے ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

جواب: نواسے کی بیٹی کا حصہ = ۲/۳

نواسی کے بیٹے کا حصہ = ۱/۳

۴۔ ایک میت نے اپنی بیٹی زاہدہ کے بیٹے کی بیٹی، دوسری بیٹی عابدہ کے بیٹے کی بیٹی اور تیسری بیٹی ساجدہ کی بیٹی کی بیٹی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زاہدہ کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = ۲/۵

عابدہ کے بیٹے کی بیٹی کا حصہ = ۲/۵

ساجدہ کی بیٹی کی بیٹی کا حصہ = ۱/۵

۵۔ ایک میت نے زوج (یعنی خاوند) اور دادی کے والد اور نانی کے والد وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوج کا حصہ = ۱/۲ دادی کے والد کا حصہ = ۱/۳

نانا کی والدہ کا حصہ= ۱/۶

۶۔ ایک میت نے اپنے نانا کے والد اور والدہ کے علاوہ زوجہ بھی وارث چھوڑی ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴ نانا کے والد کا حصہ = ۱/۲
نانا کی والدہ کا حصہ = ۱/۴

۷۔ ایک میت نے زوجہ اور دادی کا والد وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴
دادی کے والد کا حصہ = ۳/۴

۸۔ ایک میت نے دادی کا والد اور نانی کے والد اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: دادی کے والد کا حصہ = ۲/۳ نانی کے والد کا حصہ = ۲/۹
نانی کی والدہ کا حصہ = ۱/۹

۹۔ ایک میت نے زوجہ، دادی کا والد اور نانی کے والد اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴ دادی کے والد کا حصہ = ۱/۲
نانی کے والد کا حصہ = ۱/۱۲

۱۰۔ ایک میت نے اپنے ورثاء تین بھتیجیاں، دو بھانجے اور دو بھانجیاں چھوڑیں اگر اس کی کل جائداد ۳۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

جواب: ہر بھتیجی کا حصہ = ۶۰۰ روپے ہر بھانجے کا حصہ = ۴۰۰ روپے
ہر بھانجی کا حصہ = ۲۰۰ روپے

۱۱۔ ایک میت نے خاوند، ایک اخیافی بھتیجا، ایک اخیافی بھتیجی، ایک بھانجا اور ایک بھانجی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۱/۲ اخیافی بھتیجا کا حصہ = ۱/۶
اخیافی بھتیجی کا حصہ = ۱/۶ بھانجے کا حصہ = ۱/۹
بھانجی کا حصہ = ۱/۱۸

۱۲۔ ایک میت نے تین اخیافی بھانجے اور دو اخیافی بھانجیاں اور دو حقیقی بھانجے اور ایک حقیقی بھانجی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ہر اخیافی بھانجے یا بھانجی کا حصہ = ۱/۱۵
ہر حقیقی بھانجے کا حصہ = ۴/۱۵
حقیقی بھانجی کا حصہ = ۲/۱۵

۱۳۔ ایک میت نے زوجہ، دو حقیقی بھانجیاں اور ایک علاتی بھتیجی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴ ہر بھانجی کا حصہ = ۱/۳ اور
علاتی بھتیجی کا حصہ = ۱/۱۲

۱۴۔ ایک میت نے حقیقی بھائی کی ۲ بیٹیاں، حقیقی بہن کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا، علاتی بھائی کی دو بیٹیاں، علاتی بہن کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا، اخیافی بہن کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا اور اخیافی بھائی کا ایک بیٹا اور بیٹی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: حقیقی بھائی کی ہر بیٹی کا حصہ = ۲/۹ حقیقی بہن کی بیٹی کا حصہ = ۲/۲۷
حقیقی بہن کے بیٹے کا حصہ = ۴/۲۷ علاتی بھائی کی بیٹیاں اور بیٹے، محروم
علاتی بہن کے بیٹے اور بیٹیاں مرحوم
ہر اخیافی بھتیجے، بھتیجی، بھانجی اور بھانجے کا حصہ = ۱/۱۲

امام ابو یوسفؒ کے اصول کے لحاظ سے صرف حقیقی بھائی کی بیٹیاں اور حقیقی بہن کی اولاد وارث ہوگی اور ان کے حصے بالترتیب ۱/۵، ۱/۵، ۲/۵ اور ۱/۵ ہوں گے۔

۱۵۔ ایک میت نے ایک حقیقی پھوپھی، ایک علاتی پھوپھی، ایک حقیقی ماموں ایک علاتی ماموں اور ایک حقیقی خالہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: حقیقی پھوپھی کا حصہ = ۲/۳ علاتی پھوپھی محروم
حقیقی ماموں کا حصہ = ۲/۹ علاتی ماموں محروم
حقیقی خالہ کا حصہ = ۱/۹

۱۶۔ ایک میت نے ایک علاتی پھوپھی، دو اخیافی چچا اور ایک اخیافی پھوپھی اور ایک حقیقی خالہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: علاتی پھوپھی کا حصہ = ۲/۳ اخیافی چچا محروم

اخیافی پھوپھی محروم حقیقی خالہ کا حصہ = ۱/۳

۱۷۔ ایک میت نے زوج، ایک اخیافی چچا، ایک اخیافی پھوپھی اور ایک حقیقی خالہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوج کا حصہ = ۱/۲ اخیافی چچا کا حصہ = ۱/۶

اخیافی پھوپھی کا حصہ = ۱/۶ حقیقی خالہ کا حصہ = ۱/۶

۱۸۔ ایک میت نے زوجہ، حقیقی پھوپھی، اخیافی چچا، اخیافی پھوپھی اور تین علاتی خالائیں وارث چھوڑیں۔ اگر میت کی جائداد قابل ۲۷۰۰ روپے مالیت کی ہوتو علاتی خالہ کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ۳۰۰ روپے

ذوی الارحام میں تقسیم وراثت

کی چند مزید مثالیں

(ماخوذ از فتاویٰ عالمگیری بمطابق فیصلہ امام محمدؒ)

۱۔	خاوند	نواسی	خالہ	چچا کی بیٹی
	۱/۲	۱/۲	محروم	محروم
۲۔	پوتی کی بیٹی	نواسی کا بیٹا		
	کل مال	محروم		
۳۔	پوتی کا بیٹا	نواسی کا بیٹا		
	کل مال	محروم		
۴۔	نواسی کا بیٹا	نواسی کی بیٹی	نواسے کا بیٹا	نواسے کی بیٹی
	۲/۹	۱/۹	۴/۹	۲/۹
۵۔	بھائی کی پوتی	بھائی کی نواسی		
	کل مال	محروم		
۶۔	نانا	نانی کا باپ	دادی کا باپ	
	کل مال	محروم	محروم	
۷۔	نانی کا والد	نانا کا والد		
	۱/۳	۲/۳		
۸۔	دادا کا نانا	دادی کا دادا	نانا کا نانا	نانی کا دادا
	۴/۹	۲/۹	۲/۹	۱/۹
۹۔	سوتیلے چچا کی پوتی		سگی پھوپھی کا پوتا	
	محروم		کل مال	

۱۰۔	حقیقی بھائی کا نواسہ		علاتی بھائی کا نواسہ	
	محروم		کل مال	
۱۱۔	سگی پھوپھی	علاتی پھوپھی	اخیافی پھوپھی	سگی خالہ
	۲/۳	محروم	محروم	۱/۳
	سوتیلی خالہ	مادری (اخیافی) خالہ		
	محروم	محروم		
۱۲۔	سگی خالہ	سگا ماموں	سگی پھوپھی	سوتیلی پھوپھی
	۱/۹	۲/۹	۲/۳ = ۶/۹	محروم
۱۳۔	ماموں کی بیٹی	خالہ کا بیٹا		
	۲/۳	۱/۳		
۱۴۔	والد کی پھوپھی	والد کی خالہ	ماں کی پھوپھی	ماں کی خالہ
	۴/۹	۲/۹	۲/۹	۱/۹
۱۵۔	۴ زوجہ	علاتی خالہ کی بیٹی	علاتی پھوپھی کی بیٹی	
	۱/۴	۱/۴	۱/۲	

اخیافی خالہ اور پھوپھی کی بیٹیاں

محروم

باب نہم

نقشہ حصہ جات ذوی الفروض

نمبر	حصہ	تفصیل وارث یا ورثاء مع مختصر تشریح
ا۔	نصف (۱/۲) ۵ وارثوں کو ملتا ہے	الف۔ شوہر کو ملتا ہے جب کہ مرنے والی بیوی کی اولاد نہ ہو۔ ب۔ بیٹی کو ملتا ہے جب کہ صرف ایک ہو اور میت کی نرینہ اولاد نہ ہو۔ ج۔ پوتی کو ملتا ہے جب کہ میت کی بیٹی، بیٹا، پوتا وغیرہ موجود نہ ہوں۔ د۔ عینی (حقیقی) ہمشیرہ کو ملتا ہے جب کہ صرف ایک ہی ہو اور میت کا بیٹا، بیٹی کوئی نہ ہو اور باپ بھی نہ ہو۔ ھ۔ علاتی ہمشیرہ کو ملتا ہے جب کہ حقیقی ہمشیرہ بھی موجود نہ ہو۔
۲۔	ربع (۱/۴) ۲ وارثوں کو ملتا ہے	الف۔ بیوی کو ملتا ہے جب کہ مرنے والے خاوند کی اولاد موجود نہ ہو ب۔ شوہر کو ملتا ہے جب کہ مرنے والی بیوی کی اولاد موجود ہو۔
۳۔	ثمن (۱/۸) ایک ہی وارث کو ملتا ہے	صرف بیوی کو ملتا ہے جب کہ مرنے والے خاوند کی اولاد موجود ہو
۴۔	دو ثلث (۲/۳) چار وارثوں کو ملتا ہے	الف۔ بیٹیوں کو ملتا ہے جب کہ دو یا دو سے زائد ہوں اور ان کا کوئی موجود نہ ہو۔

تفصیل وارث یا ورثاء مع مختصر تشریح	حصہ	نمبر
ب۔ پوتیوں کو ملتا ہے جب کہ دو یا دو سے زائد ہوں اور بیٹے بیٹیاں موجود نہ ہوں اور کوئی پوتا بھی نہ ہو۔ ج۔ حقیقی بہنیں حاصل کرتی ہیں جب کہ دو یا دو سے زائد ہوں اور میت کی نہ اصل ہو اور نہ ہی فرع۔ د۔ علاتی بہنوں کو ملتا ہے جب کہ حقیقی بہنیں نہ ہوں بشرائط بالا		
الف۔ والدہ کو ملتا ہے جب کہ میت کی اولاد نہ ہو اور دو بہن بھائی بھی نہ ہوں۔ ب۔ اخیافی بہن بھائی کو ملتا ہے جب کہ ایک سے زائد ہوں اور میت کلالہ ہو۔	ثلث (۱/۳) دو وارثوں کو ملتا ہے۔	۵۔
الف۔ والدہ کو ملتا ہے جب کہ میت کی اولاد ہو۔ ب۔ والدہ کو ملتا ہے جب کہ میت کی اولاد ہو یا کسی قسم کے دو بھائی ہوں۔ ج۔ اخیافی بھائی کو ملتا ہے جب کہ صرف ایک ہو اور میت کلالہ ہو۔ د۔ اخیافی بہن کو ملتا ہے جب کہ صرف ایک ہو اور میت کلالہ ہو۔	سدس (۱/۶) چار وارثوں کو ملتا ہے۔	۶۔

عول

عول کے لغوی معنے نقصان کے ہیں۔ یعنی ایک طرف سے حصے کاٹ کر دوسری طرف منتقل کرنا۔ تقسیم ترکہ کے وقت بعض دفعہ ذوی الفروض اتنی تعداد میں موجود ہوتے ہیں کہ ان کے حصوں کا مجموعہ اکائی سے بڑھ جاتا ہے۔ ایسے حالات میں تمام ورثاء کو ان کے پورے حصے نہیں مل سکتے اور تقسیم میں مشکل پیش آتی ہے کیونکہ کسی بھی ذوی الفروض کو اس کے حصے سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اس مشکل کو سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس حسابی طریق سے حل فرمایا وہ عول کہلاتا ہے۔ اور اسے ایک مثال کے ذریعے واضح کیا جاتا ہے۔

مثال:

ایک میت نے خاوند، دو اخیافی بہنیں اور دو حقیقی بہنیں وارث چھوڑیں ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

یہ تینوں قسم کے ورثاء ذوی الفروض میں شامل ہیں اور ان کے حصے بالترتیب ۱/۲، ۱/۳ اور ۲/۳ ہیں جن کا مجموعی $\frac{۱}{۲} + \frac{۱}{۳} + \frac{۲}{۳} = \frac{۴+۲+۳}{۶} = \frac{۹}{۶}$ بن جاتا ہے یعنی مفروضہ حصوں کا مجموعہ ترکہ کی اکائی (یعنی کل ترکہ) سے بڑھ جاتا ہے اور ورثاء کو ان کے پورے حصے نہیں ملتے اس کا حل یہ ہے کہ مفروضہ حصوں کو ان کی اپنی نسبت سے اتنا اتنا گھٹایا جاوے کہ ان کا مجموعہ ایک کے برابر ہو جائے جس کا آسان طریق یہ ہے کہ اصل حصوں کے مجموعہ (۹/۶) کے نسب نما (Denominator) ۶ کو بڑھا کر شمار کنندہ (Numerator) ۹ کے برابر کر دیں اس طرح حصوں کا مجموعہ $\frac{۹}{۹} = \frac{۴+۲+۳}{۹}$ لکھا جاتا ہے یعنی ذوی الفروض کے حصے علی الترتیب ۱/۲، ۱/۳ اور ۲/۳ کی بجائے ۳/۹، ۲/۹ اور ۴/۹ رہ جاتے ہیں۔ ان حصوں میں وہی نسبت قائم رہتی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے اور کوئی بھی ذوی الفروض محروم نہیں رہتا بلکہ ہر فرد حصہ رسدی اپنا مفروضہ حصہ حاصل کر لیتا ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ طریق تقسیم یعنی عول شرعاً جائز ہے؟ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت اور احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی وقت اس طرح بھی ترکہ تقسیم کیا

گیا ہو۔ اس بارہ میں یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا واقعہ جس میں ذوی الفروض کے حصوں کا مجموعہ اکائی سے بڑھ گیا ہو ایسا واقعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہی پیش آیا۔ اور اس حدیث کہ مطابق **فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْابِهَا۔** (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

"یعنی تم پر میری (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی) اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے تمہیں چاہئے کہ تم اسے مضبوطی سے پکڑے رکھو۔"

پس یہی طریق درست اور واجب العمل ہے اگر کوئی شخص اس طریق سے متفق نہ ہو تو اسے چاہئے کہ کوئی اور اس سے بہتر طریق بتلائے ورنہ سیّدنا حضرت عمرؓ کے بتلائے ہوئے طریق کو اپنائے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور ادب اور سلامت روی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ برضا و رغبت خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کی جائے۔ یہاں دو احادیث بھی درج کئے دیتا ہوں جن سے یہ پتہ لگتا ہے کہ سیّدنا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عمرؓ کا کیا مقام ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّے اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ النَّاسَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَعَلَیْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَایَبْلُغُ الشُّدْیَ وَمِنْهَا (مَایَبْلُغُ) دُوْنَ ذٰلِکَ وَمَرَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَیْهِ تَمِیْصٌ یَجُرُّهٗ قَالُوْا مَاذَا اَوَّلْتَ ذَالِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الدِّیْنُ. (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ)

"ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا میں سو رہا تھا کہ لوگوں کو میرے سامنے پیش کیا گیا تمام لوگ قمیض پہنے ہوئے تھے ان میں سے بعض کی قمیض سینہ تک تھی اور بعض کی اس سے بھی کم پھر عمر بن خطاب میرے سامنے سے گزرے جو اپنی لمبی قمیض پہنے ہوئے تھے کہ اسے گھسیٹتے ہوئے چل رہے تھے صحابہؓ نے پوچھا اس خواب کی تعبیر آپ نے کیا لی ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میں نے

اس کی تعبیر دین سے لی ہے۔[۱]

۲۔عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اِذْرَاَیْتُ قَدْحًا اُتِیْتُ بِہٖ فِیْہِ لَبَنٌ فَشَرِبْتُ مِنْہُ حَتّٰی اَنِّیْ لَاَرَی الرَّیَّ یَجْرِیْ فِیْ اَظْفَارِیْ ثُمَّ اَعْطَیْتُ فَضْلِیْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا انمَا اَوَّلْتَ ذٰلِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْعِلْمُ

(صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ)

''ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سو رہا تھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا میں نے اس دودھ میں سے کچھ پیا جس کا اثر میں نے اپنے ناخنوں تک محسوس کیا پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دے دیا۔ صحابہؓ نے پوچھا اس خواب کی تعبیر آپؐ نے کیا لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا! علم۔''[۲]

یہ دو احادیث صرف اس لئے نقل کی ہیں تا ہمیں حضرت عمر فاروقؓ کی علمی شخصیت اور فقہی اور دینی مسائل کو سمجھنے کی اہلیت کے بارے میں علم ہو جائے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان خوبیوں سے کس قدر متصف فرمایا تھا۔ مسئلہ عول ان کا ایک عظیم الشان علمی حسابی کارنامہ ہے جس کے ذریعہ تمام ذوی الفروض کو حصوں کے تناسب سے ترکہ پہنچ جاتا ہے اور کوئی بھی محروم نہیں رہتا۔ سو تقسیم ترکہ کر کے ایسے سوالات جن میں وارثوں کے حصوں کا مجموعہ اکائی سے بڑھ جائے یعنی مسئلہ عول کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہو تو حسبِ ذیل دو طریقوں سے ترکہ تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ مفروضہ حصوں کے نسب نما کو بڑھا کر ان حصوں کے مجموعہ کے شمار کنندہ کے برابر کر دیں پھر ضمنی شمار کنندگان کے مطابق ورثاء کے حصے متعین کریں۔

یا

---

[۱] اہلِ عبارت (تعبیر) کا قول ہے کہ قمیض کا خواب میں دیکھنا دین سے مراد ہوتا ہے اور اس کا گھسٹینا آثار جمیلہ اور سنن حسنہ کی بقا سے مراد ہے (نووی دوم صفحہ ۲۷۴)

[۲] دودھ کو خواب میں دیکھنا علم سے مراد ہے جیسے دودھ بچوں کی غذا اور ان کی تندرستی کا سبب ہے۔ اسی طرح علم صلاح آخرت اور دنیا کا سبب ہے۔ (نووی دوم صفحہ ۲۷۴)

ب۔ کل جائداد کوا کائی تصور کر کے اس کو ذوی الفروض کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دیں۔
نوٹ نمبر ا: عول کی صورت میں عصبات کو زیر بحث لانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ وہ تو صرف ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ حاصل کرتے ہیں اور یہاں بچت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
نوٹ نمبر ۲:۔ اگر میت کے وارثوں میں کوئی بیٹا موجود ہو تب بھی عول کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ خدائے علیم وحکیم نے فرقان مجید میں جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ ان کے تحت بیٹے یا پوتے کی موجودگی میں یا تو بہت سے ذوی الفروض مکمل طور پر گر جاتے ہیں یا پھر ان کے حصوں میں اس قدر کمی آ جاتی ہے کہ ان کے حصے دینے کے بعد کافی مال بچ جاتا ہے جسے بیٹا یا پوتا حاصل کر لیتا ہے۔ جس سے اولاد کی اولیت، اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

مثال نمبر ا:

ایک میت نے خاوند والدہ، والد اور ایک بیٹی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

پہلا طریقہ = خاوند کا حصہ = ۱/۴ والد کا حصہ = ۱/۶
والدہ کا حصہ = ۱/۶ بیٹی کا حصہ = ۱/۲

مجموعہ $= \frac{۱}{۴} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۲} = \frac{۳+۲+۲+۶}{۱۲} = \frac{۱۳}{۱۲}$

نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کر دیں تو پھر بالترتیب یہ حصے ہوں گے۔
۳/۱۳، ۲/۱۳، ۲/۱۳، اور ۶/۱۳ یعنی اگر جائداد کے کل ۱۳ سہام کریں تو ۳ خاوند صرف ۲ والدہ کو، دو والد کو اور چھ سہام بیٹی کو ملیں گے۔

دوسرا طریقہ = ورثاء کے حصوں میں تناسب

$= \frac{۱}{۴} : \frac{۱}{۶} : \frac{۱}{۶} : \frac{۱}{۲} = \frac{۳:۲:۲:۶}{۱۲} = ۳ : ۲ : ۲ : ۶$

اور تناسبی مجموعہ = ۳ + ۲ + ۲ + ۶ = ۱۳

اس لئے ترکہ میں خاوند کا حصہ = ۳/۱۳
والدہ کا حصہ = ۲/۱۳
والد کا حصہ = ۲/۱۳

اور بیٹی کا حصہ = ۶/۱۳

مثال نمبر۲:

ایک میت نے زوجہ، بیٹی، پوتی، والدہ اور والد وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

پہلا طریقہ: زوجہ کا حصہ = ۱/۸ بیٹی کا حصہ = ۱/۲

پوتی کا حصہ = ۱/۶ والدہ کا حصہ = ۱/۶

والد کا حصہ = ۱/۶

حصوں کا مجموعہ = $\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۲} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۶}$

= $\frac{۳+۱۲+۴+۴+۴}{۲۴} = \frac{۲۷}{۲۴}$

نسب نما (۲۴) کو شمار کنندہ (۲۷) کے برابر کرنے سے یہ حصے بالترتیب ۳/۲۷، ۱۲/۲۷، ۴/۲۷، ۴/۲۷، ۴/۲۷ ہوں گے یعنی اگر جائداد کے ۲۷ سہام کیئے جائیں تو تین زوجہ کے ۱۲ بیٹی کے ۴ پوتی کے ۴ والدہ کے اور ۴ سہام والد کے ہوں گے۔

دوسرا طریقہ ورثاء کے حصوں کا تناسب

$\frac{۱}{۸} : \frac{۱}{۲} : \frac{۱}{۶} : \frac{۱}{۶} : \frac{۱}{۶} = \frac{۳:۱۲:۴:۴:۴}{۲۴} = ۳ : ۱۲ : ۴ : ۴ : ۴$

لہٰذا تناسبی مجموعہ = ۳ + ۱۲ + ۴ + ۴ + ۴ = ۲۷

اس لئے ترکہ میں زوجہ کا حصہ = ۳/۲۷

بیٹی کا حصہ = ۱۲/۲۷

پوتی کا حصہ = ۴/۲۷

والدہ کا حصہ = ۴/۲۷

والد کا حصہ = ۴/۲۷

اگر ترکہ کی مالیت ۲۷۰۰۰ روپے ہو تو زوجہ کو تین ہزار، بیٹی کو بارہ ہزار پوتی کو چار ہزار والدہ کو چار ہزار اور والد کو چار ہزار روپے ملیں گے۔

مثال نمبر۳:

ایک میت نے ایک زوجہ، دو حقیقی بہنیں، ایک اخیافی بھائی اور ایک بھتیجا وارث چھوڑے اگر ترکہ کی مالیت ۱۳۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

پہلا طریق:

زوجہ کا حصہ	=	۱/۴
دو حقیقی بہنوں کا حصہ	=	۲/۳
ہر بہن کا حصہ	=	۱/۳
اخیافی بھائی کا حصہ	=	۱/۶

حصوں کا مجموعہ $= \frac{۱}{۴} + \frac{۲}{۳} + \frac{۱}{۶} = \frac{۳+۸+۲}{۱۲} = \frac{۱۳}{۱۲}$

یہ عول کی صورت میں اس میں بھتیجا جو عصبہ ہے محروم رہے گا۔

نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کرنے سے ورثاء کے حصے بالترتیب یہ ہوں گے ۱۳/۳، ۱۳/۸ (ہر ایک کا ۱۳/۴) اور ۱۳/۲ یعنی اگر جائداد کے ۱۳ سہام کریں تو تین سہام بیوی کے، چار ہر بہن کے اور دو اخیافی بھائی کے ہوں گے۔

دوسرا طریقہ ورثاء کے حصوں کا تناسب

$= \frac{۱}{۴} : \frac{۲}{۳} : \frac{۱}{۶} = \frac{۳:۸:۲}{۱۲}$ تناسبی مجموعہ $= ۳ + ۸ + ۲$

اس لئے زوجہ کا حصہ	=	۳/۱۳	دو حقیقی بہنوں کا حصہ	= ۸/۱۳
ہر بہن کا حصہ	=	۴/۱۳	اخیافی بھائی کا حصہ	= ۲/۱۳

اس لئے ۱۳۰۰۰ روپے میں ۳۰۰۰ زوجہ کے ۴۰۰۰ روپے ہر بہن کے اور ۲۰۰۰ روپے اخیافی بھائی کے ہوں گے اور بھتیجا محروم رہے گا۔

مثال نمبر۴:

ایک میت نے خاوند، والدہ، حقیقی بہن اور دو اخیافی بہنیں وارث چھوڑے اگر ترکہ قابل تقسیم مابین ورثاء ۹۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

پہلا طریقہ

خاوند کا حصہ	=	۱/۲
والدہ کا حصہ	=	۱/۶
حقیقی بہن کا حصہ	=	۱/۲
دو اخیافی بہنوں کا حصہ	=	۱/۳
حصوں کا مجموعہ	=	$\frac{۱}{۲} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۲} + \frac{۱}{۳}$
	=	$\frac{۳+۱+۳+۲}{۶} = \frac{۹}{۶}$

نسب نما کو شمار کنندہ (۹) کے برابر کرنے سے ورثاء کے حصے بالترتیب یہ ہوں گے ۱/۹، ۳/۹، ۳/۹ اور ۲/۹ یعنی کل ۹ سہام میں سے تین خاوند کے، ایک والدہ کا تین حقیقی بہن کے اور ایک ہر اخیافی بہن کا ہوگا۔

دوسرا طریقہ ورثاء کے حصوں کا تناسب

$= \frac{۱}{۲} : \frac{۱}{۶} : \frac{۱}{۲} : \frac{۱}{۳} = \frac{۳:۱:۳:۲}{۶} = ۳:۱:۳:۲$

اور تناسبی مجموعہ = ۳ + ۱ + ۳ + ۲ = ۹

اس لئے خاوند کا حصہ	=	۳/۹	والدہ کا حصہ	=	۱/۹
حقیقی بہن کا حصہ	=	۳/۹	دو اخیافی بہنوں کا حصہ	=	۱/۹
ہر ایک کا حصہ	=	۱/۹			

اس لئے ۹۰۰۰ روپے میں سے ۳۰۰۰ خاوند کو، ۱۰۰۰ والدہ کو ۳۰۰۰ حقیقی بہن کو اور ۱۰۰۰ روپے ہر اخیافی بہن کو ملے گا۔

مثال نمبر ۵:

ایک میت نے زوجہ، دو حقیقی بہنیں ایک اخیافی بہن اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ جب کہ ترکہ کی مالیت ۳۰۰۰ روپے ہو۔

پہلا طریقہ زوجہ کا حصہ = ۱/۴

دو حقیقی بہنوں کا حصہ = ۲/۳

اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

حصوں کا مجموعہ = $\frac{۱}{۲}+\frac{۲}{۳}+\frac{۱}{۶}+\frac{۱}{۶}$

= $\frac{۳+۸+۲+۲}{۱۲}=\frac{۱۵}{۱۲}$

نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کرنے سے ورثاء کے حصے بالترتیب یہ ہوں گے ۳/۱۵، ۸/۱۵، ۲/۱۵ اور ۲/۱۵

دوسرا طریقہ ورثاء کے حصوں کا تناسب

= $\frac{۱}{۴}:\frac{۲}{۳}:\frac{۱}{۶}:\frac{۱}{۶}=\frac{۳:۸:۲:۲}{۱۲}=۳:۸:۲:۲$

تناسبی مجموعہ = ۳ + ۸ + ۲ + ۲ = ۱۵

اس لئے ترکہ میں زوجہ کا حصہ = ۳/۱۵

دو حقیقی بہنوں کا حصہ = ۸/۱۵ ہر حقیقی بہن کا حصہ = ۴/۱۵

اخیافی بہن کا حصہ = ۲/۵

والدہ کا حصہ = ۲/۱۵

اس لئے ۳۰,۰۰۰ روپے میں سے زوجہ کے ۶۰۰۰ روپے ہر ایک حقیقی بہن کے ۸۰۰۰ روپے اخیافی بہن کے ۴۰۰۰ روپے اور والدہ کے ۴۰۰۰ روپے ہوں گے۔

مثال نمبر ۶:

ایک میت نے زوجہ، دو حقیقی بہنیں ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ جبکہ ترکہ کی مالیت ۶۰۰۰ روپے ہو۔

پہلا طریقہ

زوجہ کا حصہ = ۱/۴

دو حقیقی بہنوں کا حصہ = ۲/۳

اخیافی بہن بھائی کا حصہ = ۱/۳

حصوں کا مجموعہ = ۱/۴ + ۲/۳ + ۱/۳

= (۳ + ۸ + ۴)/۱۲ = ۱۵/۱۲

نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کرنے سے ورثاء کے حصے بالترتیب یہ ہوں گے ۳/۱۵، ۸/۱۵، ۸/۱۵ اور ۴/۱۵

دوسرا طریقہ ورثاء کے حصوں کا تناسب

= ۱/۴ : ۲/۳ : ۱/۳ = (۳:۸:۴)/۱۲ = ۳:۸:۴

تناسبی مجموعہ = ۳ + ۸ + ۴ = ۱۵

اس لئے ترکہ میں زوجہ کا حصہ = ۳/۱۵

دو حقیقی بہنوں کا حصہ = ۸/۱۵ ہر ایک کا حصہ = ۴/۱۵

اخیافی بہن بھائی کا حصہ = ۴/۱۵ ہر ایک کا حصہ = ۲/۱۵

لہٰذا ۶۰,۰۰۰ روپے میں سے زوجہ کے ۱۲۰۰۰ روپے، ہر حقیقی بہن کے ۱۶۰۰۰ روپے اخیافی بھائی کے ۸۰۰۰ روپے اور اخیافی بہن کے ۸۰۰۰ روپے ہوں گے۔

مثال نمبر ۷:

ایک میت نے زوجہ، دو حقیقی ہمشیرگان، تین اخیافی ہمشیرگان اور والد وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ؟

دوسرے طریقہ پر: ورثا کے حصوں کا تناسب

= ۱/۴ : ۲/۳ : ۱/۳ : ۱/۶ = (۳:۸:۴:۲)/۱۲ = ۳:۸:۴:۲

تناسبی مجموعہ = ۳ + ۸ + ۴ + ۲ = ۱۷

زوجہ کا حصہ = ۳/۱۷

دو حقیقی بہنوں کا حصہ = ۸/۱۷

ہر ایک کا حصہ	=	۴/۱۷
تین اخیافی بہنوں کا حصہ	=	۴/۱۷
ہر ایک کا حصہ	=	۴/۵۱
والد کا حصہ	=	۲/۱۷

یعنی اگر جائداد کے ۵۱ سہام کئے جائیں تو ۹ زوجہ کے، ۱۲ ہر حقیقی بہن کے، ہر اخیافی بہن کے ۴ اور ٦ سہام والد کے ہوں گے۔

مشق نمبر۴ سوالات مع جوابات

۱۔ ایک میت نے خاوند، ایک عینی بہن اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند ۳/۷، عینی بہن ۳/۷، اور والدہ ۱/۷

۲۔ ایک میت نے زوجہ، ایک حقیقی بہن، ایک علاتی بہن اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ ۳/۱۳ حقیقی بہن کا حصہ = ۶/۱۳
علاتی بہن کا حصہ ۲/۱۳ اور والدہ کا حصہ = ۲/۱۳

۳۔ ایک میت نے زوج، والدہ اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوج کا حصہ =۳/۱۳ والدہ کا حصہ=۲/۱۳، ہر ایک بیٹی کا حصہ =۴/۱۳

۴۔ ایک میت نے زوج والدہ، بیٹی اور پوتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوج کا حصہ =۳/۱۳، والدہ کا حصہ=۲/۱۳، بیٹی کا ۶/۱۳، اور پوتی کا حصہ ۲/۱۳

۵۔ ایک میت نے زوجہ، دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۳/۱۵ ہر حقیقی بہن کا حصہ = ۴/۱۵
ہر اخیافی بہن کا حصہ= ۴/۱۵

۶۔ ایک میت نے بیوی، دو حقیقی بہنیں، دو اخیافی بہنیں اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیوی کا حصہ = ۳/۱۷ ہر حقیقی بہن کا حصہ = ۴/۱۷
ہر اخیافی بہن کا حصہ= ۲/۱۷ والدہ کا حصہ = ۲/۱۷

۷۔ ایک میت نے زوجہ، دو بیٹیاں والد اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۳/۲۷ ہر بیٹی کا حصہ = ۸/۲۷
والد کا حصہ = ۴/۲۷ والدہ کا حصہ = ۴/۲۷

۸۔ ایک میت نے خاوند، دو حقیقی بہنیں، ۳ اخیافی بہنیں اور ۵ اخیافی بھائی اور والدہ

وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۳/۱۰ ہر حقیقی بہن کا حصہ = ۲/۱۰

ہر اخیافی بہن یا بھائی کا حصہ = ۱/۴۰ اور والدہ کا حصہ = ۱/۱۰

۹۔ ایک میت نے خاوند، دو حقیقی بہنیں اور دو اخیافی بھائی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۳/۹ ہر حقیقی بہن کا حصہ = ۲/۹

ہر اخیافی بھائی کا حصہ = ۱/۹

۱۰۔ ایک میت نے خاوند، والدہ، دو حقیقی بہنیں، اور ایک اخیافی بھائی اور بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۳/۱۰ والدہ کا حصہ = ۱/۱۰

ہر حقیقی بہن کا حصہ = ۲/۱۰ ہر اخیافی بھائی/ بہن کا حصہ = ۱/۱۰

۱۱۔ ایک میت نے خاوند، والدہ اور حقیقی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۳/۸ والدہ کا حصہ = ۲/۸

حقیقی بہن کا حصہ = ۳/۸

۱۲۔ ایک میت نے خاوند، حقیقی بہن، علاتی بہن اور مادری بہن وارث چھوڑے۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۳/۸ حقیقی بہن کا حصہ = ۳/۸

علاتی بہن کا حصہ = ۱/۸ مادری بہن کا حصہ = ۱/۸

۳۔ مسئلہ ردّ

بعض حالات میں ذوی الفروض کو ان کے شرعی حصے دینے کے بعد کچھ ترکہ بچ رہتا ہے اور عصبہ کوئی بھی موجود نہیں ہوتا۔ اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ بھی ذوی الفروض میں ہی تقسیم کر دیا جاتا ہے یہ عمل وراثتی اصطلاح میں ''ردّ'' کہلاتا ہے۔ جس کے لغوی معنے ''لوٹانے'' گویا ردّ عول کی ضد ہے عول کا عمل اس وقت ہوگا جب مفروضہ حصوں کا مجموعہ مخرج (یعنی اکائی) سے بڑھ جائے اور ردّ کے عمل کی اس وقت ضرورت پیش آتی ہے جب یہ مجموعہ اکائی سے کم رہ جائے۔

ردّ کے مال میں سے زوجین (میاں، بیوی) کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ یہ امر سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اکابر صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ثابت ہے اور علماء احناف کا بھی یہی مسلک ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ خاوند اور بیوی ''نسبی'' رشتہ دار نہیں بلکہ ان کا رشتہ انسان کا خود پیدا کردہ ہے اس لئے نسبی رشتہ کو اس پر ترجیح حاصل ہے۔ لہٰذا میاں بیوی کو مقررہ حصہ ہی ملتا ہے۔ اور ردّ کا مال صرف نسبی ذوی الفروض کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے یہ نسبی ذوی الفروض سات ہیں۔

۱۔ والدہ، ۲۔ جدّہ، ۳۔ بیٹی، ۴۔ پوتی
۵۔ حقیقی بہن، ۶۔ علاتی بہن، ۷۔ اخیافی بہن اور بھائی

نوٹ:

۱۔ والد کا شمار ذوی الفروض کے علاوہ عصبہ میں بھی ہے لہٰذا والد کے ہوتے ہوئے ردّ کی صورت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ تمام بچا ہوا مال والد حاصل کر لیتا ہے۔

۲۔ اگر صرف زوج یا زوجہ وارث ہوں تو فقہاء احناف کے نزدیک ان کو ان کے شرعی حصے دینے کے بعد باقی کا ترکہ بیت المال میں داخل کروا دینا چاہئے۔ ہاں اگر بیت المال کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو تو پھر باقی ماندہ ترکہ زوجین پر ردّ ہوگا۔ مسئلہ ردّ کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا بھی یہی مسلک ہے!

۳۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی رائے یہ ہے کہ باقی ماندہ ترکہ کسی صورت میں بھی ذوی

الفروض پر ردّ نہ کیا جائے بلکہ باقی ماندہ ترکہ تمام کا تمام بیت المال میں داخل ہونا چاہئے۔ یہی مسلک امام مالکؒ اور امام شافعی کا ہے۔ حنفی علما اپنے مسلک کی تائید میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَاوَارِثَ لَهٗ (ابوداوٗد)

''یعنی جس کا اور کوئی وارث موجود نہیں تو (پھر) ماموں اس کا وارث ہے۔''

اس حدیث سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

اوّل: ذوی الارحام کو میراث کا پہنچنا۔ جس کا ذکر پچھلے باب میں ہو چکا ہے۔

دوم: یہ کہ ذوی الارحام کو تبھی ورثہ ملے گا۔ جب اور کوئی وارث نہ ہو۔ ورنہ اگر کوئی عصبہ موجود ہو تو متروکہ اسے مل جاتا ہے۔ ماموں تک نہیں پہنچتا۔

سوم: جب کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو ذوی الفروض کو اُن کے مقررہ حصے دینے کے بعد جو مال بچے وہ ذوی الارحام کو نہیں مل سکتا کیونکہ ذوی الارحام کو اسی وقت میراث پہنچتی ہے جب اور کوئی وارث نہ ہو اور یہاں ذوی الفروض موجود ہیں۔ پس ان کے مقررہ حصوں سے زائد مال بھی انہیں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اور اسی کو ردّ کہتے ہیں سو اس حدیث سے واضح ہے کہ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں جو بعد میں بنا لیا گیا ہو۔

اب ہم ایسی مثالیں لیتے ہیں جس میں ردّ کی ضرورت پیش آتی ہے اور پھر یہ کہ کس طرح اسے حل کیا جا سکتا ہے۔

مثال نمبر ۱:

ایک میت نے والدہ، دو اخیافی بہنیں وارث چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

دو اخیافی بہنوں کا حصہ = ۱/۳

ورثاء کا کل حصہ = $\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۳} = \frac{۱+۲}{۶} = \frac{۳}{۶} = \frac{۱}{۲}$

اس صورت میں آدھی جائداد بچ جاتی ہے۔ اب یہ ۱/۲ جائداد بھی والدہ اور دو اخیافی بہنوں کو ان کے حصہ کی نسبت کے لحاظ سے یعنی ۱/۶ : ۱/۳ = ۱ : ۲ سے ردّ ہو گی۔ یعنی

لوٹا دی جائے گی۔

اس لئے باقی (۱/۲) میں والدہ کا حصہ= $\frac{۱}{۲} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۶}$

اوراخیافی بہنوں کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۳}$

اس لئے والدہ کا کل حصہ = $\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۶} = \frac{۱}{۳}$

دواخیافی بہنوں کا حصہ = $\frac{۱}{۳} + \frac{۱}{۶} = \frac{۲}{۳}$ یا ہرایک کا کل حصہ=$\frac{۱}{۳}$

اس عمل کو یوں آسان کیا جا سکتا ہے کہ ردّ کی صورت میں شروع سے ہی کل جائداد کو ورثاء کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کردو۔ یہاں والدہ اوراخیافی بہنوں کے حصوں میں نسبت

= ۱/۶ : ۱/۳ = ۱ : ۲

پس کل جائدادکو۱:۲ سے تقسیم کردو۔

اس لئے والدہ کا کل حصہ = $۱ \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۳}$

دواخیافی بہنوں کا حصہ = $۱ \times \frac{۲}{۳} = \frac{۲}{۳}$

نوٹ: ردّ میں خاوند یا بیوی کو حصہ نہیں دیا جاتا اس لئے ایسی صورتوں (مثالوں) میں جب کہ زوج یا زوجہ موجود ہوتو اُن کے مقررہ حصے جائداد سے نکالنے کے بعد''باقی'' کو دوسرے الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کردو۔

مثال نمبر۲:

ایک میت نے زوج، والدہ اور بیٹی وارث چھوڑے ہرایک کا حصہ بتاؤ۔

زوج کا حصہ = ۱/۴

باقی = ۱ - ۱/۴ = ۳/۴

والدہ کا مقررہ حصہ= ۱/۶

بیٹی کا مقررہ حصہ = ۱/۲

والدہ اور بیٹی کے حصوں میں نسبت = $\frac{۱}{۶} : \frac{۱}{۲} = ۱ : ۳$

اس لئے باقی (۳/۴ حصہ) کو۱:۳ سے والدہ اور بیٹی میں تقسیم کردو۔

پس والدہ کا کل حصہ= $\frac{۳}{۴} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۳}{۱۶}$ (۱/۶بطور مقررہ حصہ اور۱/۴۸بطور ردّ)

بیٹی کا کل حصہ = $\frac{۳}{۴} \times \frac{۳}{۴} = \frac{۹}{۱۶}$ (۱/۲بطور مقررہ حصہ اور۱/۱۶بطور ردّ)

یعنی اگر جائداد کے کل ۱۶ سہام کئے جائیں تو چار خاوند کو، تین والدہ کو اور ۹ سہام بیٹی کو ملیں گے۔
اس اصول کو مدّنظر رکھ کر ہم ردّ کی ہر صورت کو حل کر سکتے ہیں۔

مثال نمبر ۳

ایک میت نے زوجہ اور ایک بیٹی وارث چھوڑے تو ان کے حصے یہ ہوں گے۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

بیٹی کا حصہ = ۷/۸ (۱/۲ بطور ذوی الفروض کے اور ۳/۸ بذریعہ ردّ)

مثال نمبر ۴:

اگر ایک میت نے والدہ اور پوتی وارث چھوڑے ہوں تو ان کے حصے یہ ہوں گے۔

والدہ اور پوتی کے حصوں میں تناسب = $\frac{۱}{۶}$: $\frac{۱}{۲}$ = ۱:۳

اس لئے والدہ کا کل حصہ = ۱/۴

اس لئے پوتی کا کل حصہ = ۳/۴

مثال نمبر ۵:

اگر ایک میت نے ایک دادی، ایک نانی اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے ہوں تو ان کے حصے بتاؤ۔

دادی اور نانی کا حصہ = ۱/۶

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳

ان کے حصوں میں تناسب = $\frac{۱}{۶}$: $\frac{۲}{۳}$ = ۱ :۴

اس لئے دادی اور نانی کا کل حصہ = ۱/۵ ہر ایک کا کل حصہ = ۱/۱۰

دو بیٹیوں کا حصہ = ۴/۵ ایک بیٹی کا کل حصہ = ۲/۵

مثال نمبر ۶:

ایک میت نے والدہ ایک حقیقی بہن اور ایک علاتی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

مقررہ حصے حقیقی بہن کا حصہ = ۱/۲

علاتی بہن کا حصہ = ۱/۶

ان کے حصوں میں نسبت = ۱/۶ : ۱/۲ : ۱/۶ = ۱ : ۳ : ۱

نسبتی مجموعہ = ۵

اس لئے والدہ کا کل حصہ = ۱/۵

حقیقی بہن کا کل حصہ = ۳/۵

علاتی بہن کا کل حصہ = ۱/۵

مثال نمبر ۷:

ایک میت نے ایک حقیقی بہن، ایک علاتی بہن اور ایک اخیافی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

حقیقی بہن کا حصہ = ۱/۲

مقررہ حصے — علاتی بہن کا حصہ = ۱/۶

اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۶

ان کے حصوں میں نسبت = ۱/۲ : ۱/۶ : ۱/۶ = ۳ : ۱ : ۱

اس لئے حقیقی بہن کا کل حصہ = ۳/۵

علاتی بہن کا کل حصہ = ۱/۵

اخیافی بہن کا کل حصہ = ۱/۵

مثال نمبر ۸:

ایک میت نے والدہ، حقیقی بہن اور اخیافی بھائی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

مقررہ حصے — حقیقی بہن کا حصہ = ۱/۲

اخیافی بھائی کا حصہ = ۱/۶

ان کے حصوں کا نسبت = ۱/۶ : ۱/۲ : ۱/۶ = ۱ : ۳ : ۱

نسبتی مجموعہ = ۵

اس لئیوالدہ کا کل حصہ = ۱/۵

حقیقی بہن کا کل حصہ = ۱/۶

اخیافی بھائی کا کل حصہ = ۱/۵

مثال نمبر ۹:

ایک میت نے زوجہ، والدہ اور بیٹی وارث چھوڑے ہر ایک کے حصے بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸ اس لئے باقی = ۷/۸

والدہ کا مقررہ حصہ = ۱/۶

بیٹی کا مقررہ حصہ = ۱/۲

والدہ اور بیٹی کے حصوں میں نسبت = $\frac{۱}{۶}$: $\frac{۱}{۲}$ = ۱ : ۳

اس لئے ۷/۸ میں والدہ کا حصہ = $\frac{۷}{۸} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۷}{۳۲}$

اس لئے ۷/۸ میں بیٹی کا حصہ = $\frac{۷}{۸} \times \frac{۳}{۴} = \frac{۲۱}{۳۲}$

گویا اگر جائداد کے ۳۲ سہام کئے جائیں تو چار سہام بیوی کو سات والدہ کو اور ۲۱ بیٹی کو ملیں گے۔

مثال نمبر ۱۰:

ایک میت نے زوجہ، اخیافی بھائی، اخیافی بہن اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۴ اس لئے باقی = ۳/۴

مقررہ حصے
اخیافی بھائی کا حصہ = ۱/۶
اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۶
والدہ کا حصہ = ۱/۶

اخیافی بھائی، بہن اور والدہ کے حصوں کا تناسب = $\frac{۱}{۶}$: $\frac{۱}{۶}$: $\frac{۱}{۶}$ = ۱ : ۱ : ۱

نسبتی مجموعہ = ۳

اس لئے اخیافی بھائی کا کل حصہ = $\frac{۳}{۴} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۴}$

اخیافی بہن کا کل حصہ = $\frac{۳}{۴} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۴}$

والدہ کا حصہ = $\frac{۳}{۴} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۱}{۴}$

یعنی اگر جائداد کے چار حصے کئے جائیں تو ہر ایک کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا۔

مثال نمبر ۱۱:

ایک میت نے خاوند اور نواسہ چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

خاوند کا حصہ	=	۱/۲
باقی	=	۱/۲

یہ نواسہ کو مل جائے گا کیونکہ خاوند کو باقی جائداد بذریعہ ردّ نہیں مل سکتی زوج یا زوجہ اگرچہ ذوی الفروض ہیں۔ لیکن ان کے ہوتے ہوئے بھی ذوی الارحام کو میراث پہنچتی ہے۔

مسئلہ ردّ کے سوالات کو بعض مصنفین نے اس طریق سے بھی حل کیا ہے کہ تمام موجود ذوی الفروض کے حصے لکھ دیئے اور ان کو جمع کیا۔ ردّ میں نسب نما شمارکنندہ سے بڑا ہوتا ہے اس لئے نسب نما کو شمارکنندہ کے برابر کردو۔ (یعنی نسب نما کو اتنا کم کردو کہ شمارکنندہ کے برابر ہو جائے) اس نئے نسب نما کو لے کر اس پر الگ الگ ضمنی شمارکنندگان لکھ دو۔ ورثا کے مکمل حصوں کی مقداریں حاصل ہو جائیں گی مثلاً:۔

فرض کیجئے کہ ایک میت نے بیٹی، پوتی اور والدہ وارث چھوڑے اور ہم نے ان کے حصے معلوم کرنے ہیں اب۔

بیٹی کا حصہ	=	۱/۲
پوتی کا حصہ	=	۱/۶
والدہ کا حصہ	=	۱/۶

ان حصوں کا مجموعہ = $\frac{1}{2} + \frac{1}{6} + \frac{1}{6} = \frac{1+1+3}{6} = \frac{5}{6}$

یہاں نسب نما ۶ ہے اور شمارکنندہ ۵۔ نسب نما کو شمارکنندہ کے برابر کردو۔ تو پھر علی الترتیب مکمل حصے یہ ہوں گے۔

۳/۵ ، ۱/۵ ، ۱/۵

پہلا طریق زیادہ آسان ہے یعنی ذوی الفروض کے مقررہ حصوں کے تناسب سے کل جائداد تقسیم کر دی جائے۔ اگر زوج یا زوجہ زندہ ہو تو اس کا شرعی حصہ نکالنے کے بعد باقی ترکہ کو دوسرے ذوی الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کریں۔ اس لئے ردّ کے تمام سوالات پہلے طریق سے ہی حل کرنے چاہئیں۔

مشق نمبر ۵ سوالات مع جوابات

۱۔ ایک میت نے ایک جدّہ اور ایک اخیافی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: جدّہ کا حصہ = ۱/۲ اخیافی بہن = ۱/۲

۲۔ ایک میت نے ایک بیٹی، ایک پوتی اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیٹی کا حصہ = ۳/۵ پوتی کا حصہ = ۱/۵

والدہ کا حصہ = ۱/۵

۳۔ ایک میت نے ایک بیٹی اور تین پوتیاں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: بیٹی کا حصہ = ۳/۴ ہر پوتی کا حصہ = ۱/۱۲

۴۔ ایک میت نے چار جدّہ، ایک زوجہ اور چھ اخیافی بہنیں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ہر جدّہ کا حصہ = ۱/۱۶ زوجہ کا حصہ = ۱/۴

ہر اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۱۲

۵۔ ایک میت نے ۴ بیویاں، نو بیٹیاں، اور چھ دادیاں نانیاں چھوڑیں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: ہر بیوی کا حصہ = ۱/۳۲ ہر لڑکی کا حصہ = ۷/۹۰

ہر دادی نانی کا حصہ = ۷/۲۴۰

۶۔ ایک میت نے زوجہ، والدہ اور دو پوتیاں وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۸ والدہ کا حصہ = ۷/۴۰

دو پوتیوں کا حصہ = ۷/۱۰

۷۔ ایک متوفیہ نے خاوند، ایک اخیافی بھائی اور ایک اخیافی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: خاوند کا حصہ = ۱/۲ اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۴

اخیافی بھائی کا حصہ = ۱/۴

۸۔ ایک میت نے زوجہ، اخیافی بھائی اور اخیافی بہن وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴ اخیافی بھائی کا حصہ = ۳/۸
اخیافی بہن کا حصہ = ۳/۸

۹۔ ایک میت نے زوجہ، اخیافی بھائی، اخیافی بہن اور والدہ وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴ اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۴
اخیافی بھائی کا حصہ = ۱/۴ والدہ کا حصہ = ۱/۴

۱۰۔ ایک میت نے زوجہ اور بھتیجی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

جواب: زوجہ کا حصہ = ۱/۴ بھتیجی کا حصہ = ۳/۴

نوٹ: بھتیجی ذوی الارحام میں ہے یہ اس لئے بقیہ جائداد کو اسی کو ہی ملے گی۔ کیونکہ زوجہ ردّ کی مستحق نہیں۔

۴۔ مسئلہ تخارج

تخارج خرج سے ہے اور اس کے معنے آپس میں ایک دوسرے کو خارج کرنے کے ہیں۔ وراثتی اصطلاح میں جب ایک یا زیاد وارث باہمی رضا مندی سے ترکہ میں سے کچھ مال لے کر باقی ترکہ سے دستبرداری اختیار کرلیں تو ایسے وارث کے باقی ترکہ کی تقسیم سے نکل جانے کو تخارج کہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ نکلنے والا وارث جو کچھ لے کر دستبرداری اختیار کرتا ہے وہ اس کے شرعی حصہ سے کم بھی ہوسکتا ہے، زیادہ بھی ہوسکتا ہے اور برابر بھی ہوسکتا ہے۔ پہلی صورت میں جب وہ ایسی رقم پر راضی ہو جاتا ہے جو اس کے شرعی حصہ سے کم ہو تو بچی ہوئی رقم دوسرے ورثاء میں اُن کے حصوں کی نسبت سے تقسیم کردی جاتی ہے اسے طرح دوسرے ورثاء اپنے شرعی حصوں سے کچھ زائد حاصل کرتے ہیں۔

دوسری صورت میں جب وہ ایسی رقم پر راضی ہوتا ہے جو اس کے شرعی حصہ سے زیادہ ہے تو پھر یہ زیادہ رقم دوسرے ورثاء کے حصوں سے اُن کے حصوں کے تناسب سے وضع کی جاتی ہے۔ اس طرح دوسروں کو قدرے کم ملتا ہے۔ بہرحال یہ معاملہ صلح اور رضا مندی کا ہے تخارج میں یہ شرط ہے کہ جو کچھ لیا ہو وہ مورث کے متروکہ میں سے ہو اگر باقی وارثوں نے اپنی ذاتی جائداد میں سے کچھ دیا تو اس کو تخارج نہیں کہہ سکتے ہیں بلکہ وہ اپنے حصہ کی بیع ہے جس پر شرائط بیع عائد ہوں گی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ''ایسی صلح'' جائز ہے؟ اور اس کی دلیلِ جواز کیا ہے۔ اس کا ثبوت وہ واقعہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیش آیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنی چار بیویوں میں سے ایک بیوی تماضر الشجیۃ کو اپنی آخری بیماری کے ایام میں طلاق دے دی۔ ابھی وہ بیوی اپنی عدت کے ایام ہی گزار رہی تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا انتقال ہوگیا۔ چونکہ یہ طلاق شرعی لحاظ سے تکمیل کو نہیں پہنچی تھی اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بیوی کو بھی اُن کے ترکہ کا وارث قرار دیا۔ سو یہ بیوی بھی اُن کے ترکہ میں دوسری بیویوں کی طرح ۱/۳۲ حصہ کی وارث قرار پائی، لیکن اس نے دوسری بیویوں کے ساتھ تراسی ہزار دینار کے بدلے صلح کرکے ترکہ

سے دستبرداری اختیار کر لی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تخارج جائز ہے۔

اس مسئلہ کی تفاصیل ذہن نشین کرنے کے لئے نیچے چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

مثال نمبر ا:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، ایک بھائی وارث چھوڑے اس کا ترکہ ایک مکان تھا۔ جس کی مالیت ۱۸۰۰۰ روپے تھی اور ایک رقم ۳۰۰۰ روپے جو بنک میں تھی۔ اس کی زوجہ نے دوسرے ورثاء کی رضا مندی سے ۳۰۰۰ روپے کی رقم کے بدلہ میں اپنے حق سے دستبرداری اختیار کر لی۔ والدہ اور بھائی کا حصہ بتاؤ۔

حل کا ایک طریقہ　کل ترکہ = ۱۸۰۰۰ + ۳۰۰۰ = ۲۱۰۰۰ روپے

زوجہ کا مقررہ حصہ = ۱/۴

اس لئے ۲۱۰۰۰ روپے میں زوجہ کا حصہ = ۲۱۰۰۰ × ۱/۴ = ۵۲۵۰ روپے

والدہ کا مقررہ حصہ = ۱/۳

اس لئے ۲۱۰۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۲۱۰۰۰ × ۱/۳ = ۷۰۰۰ روپے

بھائی کا مقررہ حصہ = باقی کا ترکہ = ۱ - (۱/۴ + ۱/۳) = ۵/۱۲

اس لئے ۲۱۰۰۰ روپے میں بھائی کا حصہ = ۲۱۰۰۰ × ۵/۱۲ = ۸۷۵۰

اگر زوجہ صلح نہ کرتی تو ورثاء کے حصے اسی طرح ہوتے۔ جس طرح اوپر دکھائے گئے ہیں اب چونکہ اس نے ۳۰۰۰ روپے کے بدلے اپنا حق چھوڑ دیا اس لئے اس کے حصے سے بچا ہوا روپیہ (۲۲۵۰) والدہ اور بھائی میں ان کے حصوں کے تناسب سے یعنی ۱/۳ : ۵/۱۲ = ۴:۵ سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

لہٰذا ۲۲۵۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۲۲۵۰ × ۴/۹ = ۱۰۰۰ روپے

اور بھائی کا حصہ = ۲۲۵۰۰ × ۵/۹ = ۱۲۵۰ روپے

پس والدہ کا کل حصہ = ۷۰۰۰ + ۱۰۰۰ = ۸۰۰۰ روپے

بھائی کا کل حصہ = ۸۷۵۹ + ۱۲۵۰ = ۱۰۰۰۰ روپے

دوسرا طریقہ: ایسے سوالات اِس طریق سے بھی حل کئے جا سکتے ہیں کہ تقسیم کرتے وقت پہلے زوجہ (صلح کرنے والے وارث) کو تقسیم میں شامل سمجھا جائے پھر جب دوسرے وارثوں کو حصہ

دینے لگیں تو اسے کالعدم سمجھا جائے۔ اور جائداد میں سے وہ جائداد بھی خارج کر دی جائے جو خارج ہونے والا حصہ دار وصول کر چکا ہو اور باقی حصہ داروں میں باقی جائداد کو ان کے حصوں کی نسبت سے تقسیم کیا جائے جو خارج ہونے والے حصہ دار کو شامل کر کے متعین کئے گئے تھے مثلاً مندرجہ بالا مثال میں

بیوی کا مقررہ حصہ = ۱/۴

والدہ کا مقررہ حصہ = ۱/۳

بھائی کا مقررہ حصہ = باقی کا = ۵/۱۲

اب زوجہ کو اور اس کے وصول کردہ حصہ کو نکال دیں تو باقی جائداد یعنی صرف مکان کی مالیت ۱۸۰۰۰ روپے قابل تقسیم رہ جاتی ہے یہ رقم والدہ اور بھائی میں اُن کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دیں یعنی $\frac{۱}{۳}$: $\frac{۵}{۱۲}$ = ۴ : ۵ سے۔

اس لئے والدہ کا کل حصہ = ۱۸۰۰۰ × ۴/۹ = ۸۰۰۰ روپے

بھائی کا کل حصہ = ۱۸۰۰۰ × ۵/۹ = ۱۰۰۰۰ روپے

نوٹ: اگر شروع میں حصے متعین کرتے وقت زوجہ کو شامل نہ کریں تو پھر دوسروں کے حصوں میں فرق پڑ جاتا ہے یعنی ذوی الفروض کے حصے کم ہو جاتے ہیں اور عصبات یا عصبہ کے بڑھ جاتے ہیں اور یہ جائز نہیں۔ مثلاً اگر بیوی کو شروع سے ہی خارج از تقسیم ترکہ کر دیں اور دوسروں کے حصے متعین کرنے میں اسے شامل نہ کریں تو

والدہ کا حصہ = ۱/۳

بھائی کا حصہ = (۱ - ۱/۳) = ۲/۳

لہٰذا ۱۸۰۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۶۰۰۰ روپے

اور بھائی کا حصہ = ۱۲۰۰۰ روپے

اس طرح والدہ کو اپنے حق سے ۲۰۰۰ کم ملتے ہیں۔ پس شروع میں حصے متعین کرتے وقت تخارج اختیار کرنے والے وارث کو شامل کیا جائے گا پھر باقی جائداد میں سے دوسروں کو

---

[۱] جس کے بدلے میں وارث باقی ترکہ سے دستبرداری اختیار کرتا ہے یعنی تخارج

حصے دیتے وقت اسے کالعدم سمجھا جائے گا۔

مثال نمبر۲:

ایک میت نے خاوند، والدہ اور چچا وارث چھوڑے۔ اس نے مرتے وقت اپنے حق مہر بذمہ خاوند کے علاوہ ۶۰۰۰ روپے چھوڑے۔ خاوند نے تقسیم ترکہ کے وقت یہ کہہ کر کہ میں اپنا حق (حصہ) حق مہر کے بدلہ چھوڑتا ہوں باقی جائداد سے دستبرداری اختیار کر لی والدہ اور چچا کے حصے بتاؤ۔

خاوند کا مقررہ حصہ = ۱/۲

والدہ کا مقررہ حصہ = ۱/۳

چچا کا مقررہ حصہ = $۱ - (\frac{۱}{۲} + \frac{۱}{۳}) = \frac{۱}{۶}$

اب باقی جائداد کی تقسیم کے وقت خاوند کو چھوڑ دیا جائے اور باقی ترکہ ۶۰۰۰ روپے والدہ اور چچا میں $\frac{۱}{۳} : \frac{۱}{۶}$ یعنی ۲ : ۱ سے تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس لئے والدہ کا حصہ = ۶۰۰۰ × ۲/۳ = ۴۰۰۰ روپے

چچا کا حصہ = ۶۰۰۰ × ۱/۳ = ۲۰۰۰ روپے

نوٹ: اگر پہلے ہی خاوند کو ترکہ سے نکال دیا جاتا تو تقسیم بالکل الٹ ہو جاتی ہے یعنی

والدہ کا حصہ = ۱/۳

چچا کا حصہ = باقی جائداد = ۱ - ۱/۳ = ۲/۳

اس صورت میں ۶۰۰۰ روپے والدہ اور چچا میں ۱ : ۲ سے تقسیم ہوں گے اور والدہ کو ۲۰۰۰ روپے اور چچا کو ۴۰۰۰ روپے ملیں گے جو کہ صحیح نہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ شروع میں حصے متعین کرتے وقت تخارج اختیار کرنے والے وارث کو شامل رکھا جائے پھر باقی جائداد کی تقسیم کے وقت اسے نکال دیا جائے۔

مثال نمبر۳:

ایک میت نے بیوی، والدہ اور ایک حقیقی بھتیجا چھوڑے۔ متوفی کی جائداد کچھ نقدی اور کچھ اراضی پر مشتمل ہے جس کی مجموعی مالیت ۱۲۰۰۰ روپے ہے بیوی اس بات پر راضی ہوگئی کہ اگر اس کو نقد رقم سے ۲۰۰۰ روپیہ دے دیا جائے تو اسے باقی ترکہ سے کوئی

سروکار نہیں ہوگا۔ دوسرے ورثاء بھی اس پر رضا مند ہیں والدہ اور بھتیجے کا حصہ بتائیں۔

پہلا طریقہ: بیوی کا مقررہ حصہ = ۱/۴

والدہ کا مقررہ حصہ = ۱/۳

بھتیجے کا مقررہ حصہ = ۵/۱۲

۱۲۰۰۰ روپے میں بیوی کا حصہ = ۱۲۰۰۰ × ۱/۴ = ۳۰۰۰ روپے

والدہ کا حصہ = ۱۲۰۰۰ × ۱/۳ = ۴۰۰۰ روپے

بھتیجے کا حصہ = ۱۲۰۰۰ × ۵/۱۲ = ۵۰۰۰ روپے

بیوی نے ۲۰۰۰ روپے کے بدلے اپنے حق سے دستبرداری اختیار کی اس لئے اس کے حصے سے بچی ہوئی رقم یعنی ۳۰۰۰ - ۲۰۰۰ = ۱۰۰۰ روپے والدہ اور بھتیجے میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کی جائے گی۔ یعنی ۴ : ۵ سے

لہٰذا ۱۰۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = $۱۰۰۰ \times \frac{۴}{۹} = \frac{۴۰۰۰}{۹} = ۴۴۴\frac{۴}{۹}$ روپے

۱۰۰۰ روپے میں بھتیجے کا حصہ = $۱۰۰۰ \times \frac{۵}{۹} = \frac{۵۰۰۰}{۹} = ۵۵۵\frac{۴}{۹}$ روپے

پس والدہ کا کل حصہ = $۴۰۰۰ + ۴۴۴\frac{۴}{۹} = ۴۴۴۴\frac{۴}{۹}$ روپے

بھتیجے کا حصہ = $۵۰۰۰ + ۵۵۵\frac{۵}{۹} = ۵۵۵۵\frac{۴}{۹}$ روپے

دوسرا طریقہ:

حصے معلوم کرنے کے بعد بیوی کو معدوم سمجھیں اور باقی ترکہ یعنی ۱۰,۰۰۰ روپے والدہ اور بھتیجے کے درمیان اُن کے مقررہ حصوں کے تناسب $\frac{۱}{۳} : \frac{۵}{۱۲}$ = ۴ : ۵ سے تقسیم کریں۔

تو والدہ کا حصہ = $۱۰۰۰۰ \times ۴/۹ = ۴۴۴۴\frac{۴}{۹}$ روپے

بھتیجے کا حصہ = $۱۰۰۰۰ \times ۵/۹ = ۵۵۵۵\frac{۵}{۹}$ روپے

مثال نمبر ۴:

ایک میت نے ایک زوجہ اور چار بیٹے وارث چھوڑے۔ ایک بیٹے نے کچھ مال کے عوض دوسرے ورثاء کی رضا مندی سے باقی ترکہ سے دستبرداری اختیار کر لی۔ بتائیے اب باقی ترکہ زوجہ اور باقی بیٹوں میں کس نسبت سے تقسیم ہوگا؟

زوجہ کا مقررہ حصہ = ۱/۸ لہٰذا ایک بیٹے کا حصہ = ۷/۳۲ کیونکہ

چار بیٹوں کا مقررہ حصہ = باقی کا = ۱ - ۱/۸ = ۷/۸

ایک بیٹا کچھ مال کے عوض ترکہ سے دستبردار ہو گیا۔ اس لئے اب ہم اسے معدوم سمجھیں تو زوجہ اور تین بیٹے رہے اور ان کے مقررہ حصوں کی نسبت ۱/۸ : ۲۱/۳۲ ہے۔ اس لئے باقی کا ترکہ ان میں ۴ : ۲۱ سے تقسیم ہوگا۔ یعنی اگر اس باقی ترکہ کے ۲۵ سہام کئے جائیں تو چار زوجہ کو اور ۲۱ تین بیٹوں کو یا ۷ ہر بیٹے کو ملیں گے۔

مثال نمبر ۵:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، ایک اخیافی بھائی اور ایک بھتیجا وارث چھوڑے اخیافی بھائی نے ۳۰۰۰ روپے کے عوض اپنے حق سے دستبرداری اختیار کر لی دوسرے ورثاء بھی اس پر راضی ہو گئے۔ اگر متوفی کا کل ترکہ ۲۷۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک کا حصہ بتائیے۔

اخیافی بھائی کا مقررہ حصہ = ۱/۶

والدہ کا مقررہ حصہ = ۱/۳

بیوی کا مقررہ حصہ = ۱/۴

بھتیجے کا مقررہ حصہ = ۱ - (۱/۶ + ۱/۳ + ۱/۴) = ۱ - $\frac{۳+۴+۲}{۱۲}$ = ۳/۱۲ = ۱/۴

اخیافی بھائی ۳۰۰۰ روپے کے عوض تخارج اختیار کیا۔ اس لئے اس کو ورثاء سے اور ۳,۰۰۰ روپے کو ترکہ سے نکال دیں باقی رقم ۲۴,۰۰۰ روپے والدہ، بیوی اور بھتیجے کے مقررہ حصوں کے تناسب کے لحاظ سے تقسیم کریں۔ یعنی ۱/۳ : ۱/۴ : ۱/۴ = ۴ : ۳ : ۳ سے۔

اس لئے والدہ کا حصہ = ۲۴۰۰۰ × ۴/۱۰ = ۹۶۰۰ روپے

بیوی کا حصہ = ۲۴۰۰۰ × ۳/۱۰ = ۷۲۰۰ روپے

بھتیجے کا حصہ = ۲۴۰۰۰ × ۳/۱۰ = ۷۲۰۰روپے

سوال نمبر۱: ایک میت نے بیوی، والدہ، اخیافی بھائی اور چچا وارث چھوڑے اگر اس کی کل جائداد ۳۰۰۰۰ روپے مالیت کی ہو اور اس کے اخیافی بھائی نے برضا مندی دیگر ورثاء ایک زمین کے ٹکڑے کے بدلے میں جس کی مالیت ۳۰۰۰ روپے ہے اپنے حصہ سے دستبرداری اختیار کر لی ہو تو دوسرے ورثاء کے حصے بتاؤ۔

جواب: بیوی کا حصہ = ۸۱۰۰روپے

والدہ کا حصہ = ۱۰۸۰۰روپے

چچا کا حصہ = ۸۱۰۰روپے

سوال نمبر۲: ایک میت نے ایک بیوی، دو بیٹے اور تین بیٹیاں وارث چھوڑیں اس کا کل ترکہ ۲۳۰۰۰ روپے مالیت کا ہے جس میں ایک مکان جس کی قیمت ۵۰۰۰ روپے ہے۔ شامل ہے۔ میت کے ایک لڑکے نے بارضا مندی دیگر ورثاء مکان کے بدلہ میں اپنے شرعی حصہ سے دستبرداری اختیار کر لی۔ دوسرے ورثاء کے حصے بتائیے۔

بیوی کا حصہ = ۳۰۰۰روپے

بیٹے کا حصہ = ۶۰۰۰ روپے

ہر بیٹی کا حصہ = ۳۰۰۰روپے

باب دہم

مناسخہ یعنی میراث وابستہ کا بیان

مناسخہ نسخ سے ہے جس کے معنی نقل کرنے کے ہیں اور وراثتی اصطلاح میں یہ لفظ بمعنی انتقال وتحویل استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اگر کوئی وارث قبل تقسیم ترکہ فوت ہو جائے تو دوسرے متوفی کے ورثاء کو براہ راست پہلے متوفی کے رشتہ داروں میں شمار کر کے ان سب کے درمیان (متوفی اوّل) کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا۔ (سوائے کسی مخصوص صورت کے جس کا ذکر آگے آئے گا) بلکہ پہلے مورث (متوفی دوم) کو زندہ تصور کر کے متوفی اوّل کا ترکہ تقسیم کر دیا جاتا ہے اور پھر متوفی دوم کا حصہ اس کے وارثوں کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ متوفی دوم کے ورثاء براہ راست متوفی اوّل کے وارث قرار نہیں پاتے بلکہ متوفی دوم کے قائم مقام بن کر متوفی اوّل کے ترکہ میں شریک ہوتے ہیں۔ اور اسے مناسخہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص عبدالرحیم فوت ہوا جس کے وارث اس کے بیٹے عبدالکریم اور عبدالرحمٰن ہیں جو اس کے ترکہ میں برابر کے شریک ہیں۔ لیکن ابھی ان کے درمیان ترکہ تقسیم نہ ہوا تھا کہ عبدالکریم بھی فوت ہو گیا۔ اب عبدالرحیم کا ترکہ عبدالرحمٰن اور عبدالکریم کے ورثاء کے درمیان تقسیم نہیں ہو گا۔ بلکہ اب یہ ترکہ پہلے عبدالکریم کو زندہ تصور کر کے اس کے اور عبدالرحمٰن کے درمیان برابر تقسیم ہو گا۔ اس طرح عبدالکریم کو جائداد کا نصف حصہ ملے گا اور پھر یہ نصف حصہ عبدالکریم کے ورثاء کے مابین تقسیم ہو گا۔ اب اگر ایسا نہ کیا جائے یعنی مناسخہ کا طریق اختیار نہ کیا جائے تو بعض صورتوں میں ورثاء کے حصوں میں نہایت ہی ناواجب فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً اگر زیر نظر مثال میں ہی عبدالکریم کے فوت ہونے پر (جس نے فرض کرو دو بیٹے چھوڑے ہوں) عبدالکریم کا ترکہ اس کی زندہ اولاد میں ہی تقسیم کیا جائے تو تمام ترکہ عبدالرحمٰن کو ہی مل جائے گا اور عبدالکریم کے دونوں بیٹے محروم رہ جائیں گے اور یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ کہ تقسیم ترکہ میں دیر ہو جانے سے کسی ایسے وارث کو محروم کر دیا جائے جسے بروقت ترکہ کی تقسیم ہونے کی صورت میں برابر حصہ ملنا تھا۔ البتہ بعض مخصوص صورتوں میں جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے مناسخہ کا طریق استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

جبکہ دوسرے متوفی کی وفات سے پہلے متوفی کے باقی ورثاء کے حصوں کی باہمی نسبت میں کچھ تبدیلی واقع نہ ہوتی ہو۔ اور یہ تبھی ممکن ہے کہ دوسرے متوفی کی اولاد نہ ہو یا اس کے بھی وہی ورثاء ہوں جو اس کے علاوہ متوفی اوّل کے ورثاء تھے مثلاً اگر کسی متوفی کے تین بھائی وارث ہوں اور کوئی دوسرا رشتہ دار موجود نہ ہو جو ترکہ میں حصہ دار بن سکتا ہو اور ابھی یہ تینوں غیر شادی شدہ ہوں تو اگر تقسیم ترکہ سے پہلے کوئی بھائی فوت ہو جائے تو پہلے متوفی کا ترکہ باقی دو بھائیوں میں براہِ راست تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں مناسخہ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ کیونکہ ورثاء موجودہ کے حصوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس سلسلہ میں مثال نمبر ۱۰ ملاحظہ فرمائیے۔

مثال نمبر ۱:

ایک میت نے زوجہ، دو لڑکے اور دو لڑکیاں وارث چھوڑے۔ زوجہ قبل تقسیم ترکہ اپنی مذکورہ اولاد اور اپنی والدہ چھوڑ کر فوت ہوگئی اور پھر ایک لڑکی اپنا شوہر دو بھائی اور ایک بہن چھوڑ کر فوت ہوگئی پہلی میت کے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

پہلی میت کے ورثاء زوجہ، دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔

۱۔ ابتدائی تقسیم:۔ زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی = ۱ - ۱/۸ = ۷/۸

یہ ۷/۸ حصہ دو لڑکوں اور دو لڑکیوں میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے والد کے ترکہ میں سے ہر لڑکے کا حصہ = ۷/۸ × ۲/۶ = ۷/۲۴

اور ہر لڑکی کا حصہ = ۷/۸ × ۱/۶ = ۷/۴۸

۲۔ دوسری میت یعنی زوجہ کے ورثاء والدہ، دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں اور اس کا قابل تقسیم حصہ ۱/۸ تھا۔

لہٰذا زوجہ کی والدہ کا حصہ = ۱/۸ × ۱/۶ = ۱/۴۸

باقی = ۱/۸ - ۱/۴۸ = ۵/۴۸

یہ ۵/۴۸ حصہ اس کے دو لڑکوں اور دو لڑکیوں میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے والدہ کے ترکہ میں سے ہر لڑکے کا حصہ = ۵/۴۸ × ۲/۶ = ۵/۱۴۴

اور ہر لڑکی کا حصہ = $\frac{۵}{۴۸} \times \frac{۱}{۶} = \frac{۵}{۲۸۸}$

پس ماں اور باپ کی جائداد میں سے ہر لڑکے کا کل حصہ = $\frac{۷}{۲۴} + \frac{۵}{۱۴۴} = \frac{۴۷}{۱۴۴}$

اور ہر لڑکی کا کل حصہ = $\frac{۷}{۲۴} + \frac{۵}{۲۸۸} = \frac{۴۷}{۱۴۴}$

۳۔ تیسری میت لڑکی کا قابل تقسیم حصہ (۲۸۸/۴۷) ہے اور اس کے ورثاء خاوند، دو بھائی اور ایک بہن کے درمیان تقسیم ہوگا۔

اس لئے خاوند کا حصہ = $\frac{۴۷}{۱۴۴} \times \frac{۱}{۲} = \frac{۴۷}{۵۷۶}$

باقی = $\frac{۴۷}{۲۸۸} - \frac{۴۷}{۵۷۶} = \frac{۴۷}{۵۷۶}$

یہ ۵۷۶/۴۷ حصہ دو حقیقی بھائیوں اور ایک حقیقی بہن میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

لہٰذا بہن کے ترکہ میں سے ہر حقیقی بھائی یعنی متوفی کے بیٹے کا حصہ =

$\frac{۴۷}{۵۷۶} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۴۷}{۱۴۴۰}$

اور حقیقی بہن کا حصہ = $\frac{۴۷}{۵۷۶} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۴۷}{۲۸۸۰}$

پس میت کے وارثوں کے آخری طور پر کل حصے مندرجہ ذیل ہوں گے۔

زوجہ کی والدہ (خوش دامن) کا حصہ = ۱/۴۸

ہر لڑکے کا حصہ = $\frac{۴۷}{۵۷۶} + \frac{۴۷}{۱۴۴۰} = \frac{۵۱۷}{۱۴۴۰}$

موجودہ لڑکی کا حصہ = $\frac{۴۷}{۵۷۶} + \frac{۴۷}{۲۸۸۰} = \frac{۵۱۷}{۲۸۸۰}$

متوفیہ لڑکی کے خاوند (میت نمبر۱ کے داماد) کا حصہ = $\frac{۴۷}{۵۷۶}$

یعنی اگر جائداد کے ۲۸۸۰ سہام کئے جائیں تو زوجہ کی والدہ کو ۶۰ ہر لڑکے کو ۱۰۳۴ زندہ لڑکی کو ۵۱۷ اور فوت شدہ لڑکی کے خاوند کو ۲۳۵ سہام ملیں گے۔

مثال نمبر۲:

ایک میت نے خاوند، والدہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی وارث چھوڑے قبل تقسیم ترکہ ایک بیٹا اپنی بیوی اور ایک بیٹی چھوڑ کر فوت ہوگیا۔ متوفیہ کے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ؟

متوفیہ کے ورثاء خاوند، والدہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔

۱۔ ابتدائی تقسیم خاوند کا حصہ = ۱/۴

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۴}) = ۱ - \frac{۲ + ۳}{۱۲} = \frac{۷}{۱۲}$

یہ ۱۲/۷ حصہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

ہر بیٹے کا حصہ $= \frac{۷}{۱۲} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۷}{۳۰}$

بیٹی کا حصہ $= \frac{۷}{۱۲} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۷}{۶۰}$

۲۔ متوفی بیٹے کا قابل تقسیم حصہ = ۳۰/۷ ہے اور ورثاء اس کی بیوی، بیٹی اور والد ہیں۔ بھائی۔ بہن اور نانی محروم رہیں گے۔ کیونکہ متوفی کی اولاد موجود ہے۔

اس لئے متوفی کی بیوی کا حصہ $= \frac{۷}{۳۰} \times \frac{۱}{۸} = \frac{۷}{۲۴۰}$

اور بیٹی کا حصہ $= \frac{۷}{۳۰} \times \frac{۱}{۲} = \frac{۷}{۶۰}$

اور والد کا حصہ = باقی کا تمام ترکہ $= \frac{۷}{۳۰} - (\frac{۷}{۲۴۰} + \frac{۷}{۶۰})$

$= \frac{۵۶ - ۷ - ۲۸}{۲۴۰} = \frac{۲۱}{۲۴۰} = \frac{۷}{۸۰}$

آخری طور پر کل حصے یہ ہوں گے۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

خاوند کا حصہ $= \frac{۱}{۴} + \frac{۷}{۸۰} = \frac{۲۷}{۸۰}$

موجود بیٹے کا حصہ = ۳۰/۷

متوفی بیٹے کی بیوی (بہو) کا حصہ $= \frac{۷}{۲۴۰}$

متوفی بیٹے کی بیٹی (متوفیہ کی پوتی) کا حصہ $= \frac{۷}{۶۰}$

یعنی اگر جائداد کے ۲۴۰ سہام کئے جائیں تو والد کو ۴۰، خاوند کو ۸۱، بیٹے کو ۵۶، بیٹی کو ۱۸ بیٹے کی بیوی کو ۷، بیٹے کی بیٹی (پوتی) کو ۲۸ سہام ملیں گے۔

مثال نمبر ۳:

ایک میت نے زوجہ، دو بیٹیاں، اور ایک بھائی وارث چھوڑے قبل تقسیم ترکہ ایک بیٹی اپنے تین بیٹے دو بیٹیاں اور خاوند چھوڑ کر فوت ہوگئی ان کے علاوہ اس کا ایک چچا بھی موجود ہے۔ میت کے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

۱۔ ابتدائی تقسیم: میت کے ورثاء زوجہ، دو بیٹیاں اور بھائی ہیں۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳ ہر بیٹی کا حصہ = ۱/۳

باقی = $۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۲}{۳}) = ۱ - \frac{۳ + ۱۶}{۲۴} = \frac{۵}{۲۴}$

جو بھائی کو ملے گا۔

۲۔ متوفیہ بیٹی کا قابل تقسیم حصہ ۱/۳ ہے اور اس کے ورثاء تین بیٹے، دو بیٹیاں، خاوند اور والدہ ہیں۔ بہن اور چچا محروم رہیں گے۔ کیونکہ متوفیہ کی اولاد موجود ہے۔

متوفیہ کی والدہ یعنی متوفی کی زوجہ کا حصہ = $\frac{۱}{۳} \times \frac{۱}{۶} = \frac{۱}{۱۸}$

متوفیہ کے خاوند کا حصہ = $\frac{۱}{۳} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۱}{۱۲}$

باقی = $\frac{۱}{۳} - (\frac{۱}{۱۸} + \frac{۱}{۱۲}) = \frac{۱۲-۲-۳}{۳۶} = \frac{۷}{۳۶}$

یہ ۷/۳۶ حصہ متوفیہ کے تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

لہٰذا متوفیہ کے ہر ایک بیٹے کا حصہ = $\frac{۷}{۳۶} \times \frac{۲}{۸} = \frac{۱۴}{۱۴۴}$

متوفیہ کی ہر ایک بیٹی کا حصہ = $\frac{۷}{۳۶} \times \frac{۱}{۸} = \frac{۷}{۲۸۸}$

آخری طور پر کل حصے مندرجہ ذیل ہوں گے۔

زوجہ کا حصہ = $\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۱۸} = \frac{۹ + ۴}{۷۲} = \frac{۱۳}{۷۲}$

موجودہ بیٹی کا حصہ = ۱/۳

متوفیہ بیٹی کے خاوند یعنی متوفی کے داماد کا حصہ = ۱/۱۲

متوفیہ بیٹی کے ہر بیٹے یعنی متوفی کے نواسہ کا حصہ = ۷/۱۴۴

متوفیہ بیٹی کی بیٹی یعنی متوفی کی نواسی کا حصہ = ۷/۲۸۸

متوفی کے بھائی کا حصہ = ۵/۲۴

یعنی اگر جائداد کے ۲۸۸ سہام کئے جائیں تو زوجہ کو ۵۲، بیٹی کو ۹۶ داماد کو ۲۴ ہر

نواسہ کو ۱۴ نواسی کو ۷ اور بھائی کو ۶۰ سہام ملیں گے۔

مثال نمبر۴:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، بیٹی اور چچا وارث چھوڑے قبل تقسیم ترکہ بیٹی اپنی دو بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہوگئی۔ میت کے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

میت کے ورثاء زوجہ، والدہ، بیٹی اور چچا ہیں۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

زوجہ کا حصہ = ۱/۸ (۱) ابتدائی تقسیم

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

چچا کا حصہ = باقی = $۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۲}) = ۱ - \frac{۱۲+۳+۴}{۲۴} = \frac{۵}{۲۴}$

۲۔ متوفیہ بیٹی کا قابل تقسیم ترکہ ۱/۲ اور ورثاء والدہ (میت کی زوجہ) اور دو بیٹیاں (متوفی کی نواسیاں) ہیں۔ متوفیہ کے ترکہ سے اس کی دادی (یعنی متوفی کی والدہ) محروم رہے گی۔ کیونکہ متوفیہ کی والدہ موجود ہے لہٰذا متوفیہ کی والدہ کا حصہ ۱/۶ اور دو بیٹیوں کا حصہ ۲/۳ کوئی عصبہ موجود نہیں اس لئے یہ ردّ کی صورت ہے لہٰذا متوفیہ کے ۱/۲ حصہ کو اس کی والدہ اور بیٹیوں کے حصوں کے تناسبت سے یعنی $\frac{۱}{۶} : \frac{۲}{۳} = ۱:۴$ سے تقسیم کریں گے۔

لہٰذا والدہ یعنی (میت کی زوجہ) کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۱}{۱۰}$

دو بیٹیوں کا حصہ = $\frac{۱}{۲} \times \frac{۴}{۵} = \frac{۲}{۵}$

ایک بیٹی کا حصہ = ۱/۵

آخری طور پر کل حصے یہ ہوں گے۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

زوجہ کا حصہ = $\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۱۰} = \frac{۹}{۴۰}$

بیٹی کی بیٹی یعنی (نواسی) کا حصہ = ۱/۵

چچا کا حصہ = ۵/۲۴

یعنی اگر جائداد ۱۲۰ سہام کئے جائیں تو والدہ کے ۲۰ سہام زوجہ کے ۲۷ سہام بیٹی کی

بیٹی کے ۲۴ سہام اور چچا کے ۲۵ سہام ہوں گے۔

مثال نمبر ۵:

ایک میت ایک زوجہ اور اس کے بطن سے تین بیٹے اور دو بیٹیاں دسری زوجہ اور اس کے بطن سے صرف ایک لڑکی وارث چھوڑے۔ قبل تقسیم ترکہ پہلی زوجہ اور پھر اس کے دو بیٹے وفات پاگئے بعد میں زوجہ ثانی کی لڑکی بھی فوت ہوگئی باقی وارثوں کے حصے بتاؤ۔

میت کے ورثاء دو بیویاں، تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔

۱۔ ابتدائی تقسیم:

دو بیویوں کا حصہ = ۱/۸ ہر ایک کا حصہ = ۱/۱۶

باقی = $۱ - \frac{۱}{۸} = \frac{۷}{۸}$

یہ ۷/۸ حصہ تین بیٹوں اور تین بیٹیوں میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے باپ کے ترکہ میں سے ہر بیٹے کا حصہ = $\frac{۷}{۸} \times \frac{۲}{۹} = \frac{۷}{۳۶}$

اور ہر بیٹی کا حصہ = $\frac{۷}{۸} \times \frac{۱}{۹} = \frac{۷}{۷۲}$

۲۔ متوفیہ (متوفی کی پہلی زوجہ) کا حصہ قابل تقسیم ۱/۱۶ ہے۔ اور اس کے ورثاء تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

پس والدہ کے ترکہ ۱/۱۶ حصہ میں ہر لڑکے کا حصہ = $\frac{۱}{۱۶} \times \frac{۲}{۸} = \frac{۱}{۶۴}$

اور ہر لڑکی کا حصہ = $۱/۱۶ \times \frac{۱}{۸} = \frac{۱}{۱۲۸}$

گویا اس وقت تک اس متوفیہ بیوی کے ہر بیٹے کا حصہ

$$= \frac{۷}{۳۶} + \frac{۱}{۶۴} = \frac{۹ + ۱۱۲}{۵۷۶} = \frac{۱۲۱}{۵۷۶}$$

اور ہر بیٹی کا حصہ

$$= \frac{۷}{۷۲} + \frac{۱}{۶۴} = \frac{۹ + ۱۱۲}{۱۱۵۲} = \frac{۱۲۱}{۱۱۵۲}$$

۳۔ پہلی بیوی کے متوفی بیٹوں کا حصہ قابل تقسیم $\frac{۱۲۱}{۵۷۶} \times ۲ = \frac{۱۲۱}{۲۸۸}$ ہے اور ان کے

ورثاء ایک حقیقی بھائی اور دو حقیقی بہنیں ہیں۔

اس لئے $\frac{۱۲۱}{۲۸۸}$ میں ایک بھائی کا حصہ $= \frac{۱۲۱}{۲۸۸} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۱۲۱}{۵۷۶}$

اس لئے $\frac{۱۲۱}{۲۸۸}$ میں ایک بہن (متوفی کی ہر بیٹی) کا حصہ $= \frac{۱۲۱}{۲۸۸} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۱۲۱}{۱۱۵۲}$

لہٰذا یہاں تک پہلی بیوی کے بطن سے زندہ بیٹے کا حصہ $= \frac{۱۲۱}{۵۷۶} + \frac{۱۲۱}{۱۱۵۲} = \frac{۱۲۱}{۲۸۸}$

اور ہر بیٹی کا حصہ $= \frac{۱۲۱}{۱۱۵۲} + \frac{۱۲۱}{۱۱۵۲} = \frac{۱۲۱}{۵۷۶}$

۴۔ دوسری بیوی کی متوفیہ بیٹی کا قابل تقسیم حصہ ۷۲/۷ ہے اور اس کے ورثاء اس کی والدہ، دو علاتی بہنیں اور ایک علاتی بھائی ہے۔

اس لئے ۷۲/۷ حصہ میں سے والدہ (متوفی کی زوجہ ثانی) کا حصہ

$$= \frac{۷}{۷۲} \times \frac{۱}{۶} = \frac{۷}{۴۳۲}$$

باقی $= \frac{۷}{۷۲} - \frac{۷}{۴۳۲} = \frac{۳۵}{۴۳۲}$

یہ ۴۳۲/۳۵ حصہ علاتی بھائی اور دو علاتی بہنوں میں بطور عصبہ ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے علاتی بھائی (متوفی کے بیٹے) کا حصہ $= \frac{۳۵}{۴۳۲} \times \frac{۱}{۴} =$ ۳۵/۸۶۴

اور ہر علاتی بہن (یعنی متوفی کی بیٹی) کا حصہ $= \frac{۳۵}{۴۳۲} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۳۵}{۱۷۲۸}$

اب آخری طور پر کل حصے یہ ہوں گے۔

دوسری بیوی کا حصہ $= \frac{۱}{۱۶} + \frac{۷}{۴۳۲} = \frac{۲۷ + ۷}{۴۳۲} = \frac{۳۴}{۴۳۲} = \frac{۶۸}{۸۶۴}$

پہلی بیوی کے لڑکے کا حصہ $= \frac{۱۲۱}{۲۸۸} + \frac{۳۵}{۸۶۴} = \frac{۷۲۶+۷۰}{۱۷۲۸} = \frac{۷۹۶}{۱۷۲۸} = \frac{۳۹}{۸۶۴}$

پہلی بیوی کی ہر لڑکی کا حصہ $= \frac{۱۲۱}{۵۷۶} + \frac{۳۵}{۱۷۲۸} = \frac{۳۶۳ + ۳۵}{۱۷۲۸} = \frac{۳۹۸}{۱۷۲۸} = \frac{۱۹۹}{۸۶۴}$

یعنی اگر جائداد کے ۸۶۴ سہام کئے جائیں تو بیوی کو ۶۸ لڑکے کو ۳۹۸ اور ہر لڑکی کو ۱۹۹ سہام

ملیں گے۔

مثال نمبر ٦:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، بیٹا اور بھائی وارث چھوڑے قبل تقسیم ترکہ بیٹا فوت ہو گیا۔ پھر والدہ فوت ہوگئی ہر ایک کے حصے بتاؤ۔

میت کے ورثاء: والدہ، زوجہ اور بیٹا ہیں (بھائی محروم ہے کیونکہ بیٹا موجود ہے)

۱۔ ابتدائی تقسیم: والدہ کا حصہ = ۱/٦

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی = $۱ - \left(\frac{۱}{٦} + \frac{۱}{۸}\right) = ۱ - \frac{۴+۳}{۲۴} = \frac{۱۷}{۲۴}$ جو بیٹے کو ملے گا۔

اور اس کی وجہ سے بھائی محروم رہے گا۔

۲۔ متوفی بیٹے کا قابل تقسیم حصہ ۱۷/۲۴ تھا اور اس کے ورثاء اس کی والدہ (پہلے متوفی کی زوجہ) اور چچا (پہلے متوفی کا بھائی) تھے۔

پس والدہ (پہلے متوفی کی زوجہ) کا حصہ $= \frac{۱۷}{۲۴} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱۷}{۷۲}$

اور چچا (پہلے متوفی کے بھائی) کا حصہ $= \frac{۱۷}{۲۴} - \frac{۱۷}{۷۲} = \frac{۳۴}{۷۲}$

اس لئے اس وقت تک والدہ (پہلے متوفی کی زوجہ) کا حصہ

$= \frac{۱}{۸} + \frac{۱۷}{۷۲} = \frac{۱۷}{۷۲} = \frac{۱۳}{۳٦}$

دادی (پہلے متوفی کی والدہ) کا حصہ = ۱/٦

اور چچا کا حصہ = ۳۴/۷۲

۳۔ متوفیہ والدہ کا قابل تقسیم ترکہ ۱/٦ ہے اور اس کا وارث صرف اس کا اپنا بیٹا ہے یعنی پہلے متوفی کا بھائی۔

اس لئے بھائی کا کل حصہ $= \frac{۲۴}{۷۲} + \frac{۱}{٦} = \frac{۱۲+۳۴}{۷۲} = \frac{۴٦}{۷۲} = \frac{۲۳}{۳٦}$

اس لئے آخری طور پر زندہ ورثاء کے کل حصے یہ ہوں گے۔

زوجہ کا حصہ = ۱٦/۳٦

بھائی کا حصہ = ۲۳/۳۶

گویا اگر جائداد کے ۳۶ سہام کئے جائیں تو ۱۳ زوجہ کے اور ۲۳ سہام بھائی کے ہوں گے۔

مثال نمبر ۷:

ایک میت نے دو بیویاں اور ایک لڑکی وارث چھوڑے۔ قبل تقسیم ترک ایک بیوی جس نے اپنے سابقہ شوہر سے لڑکی کا ایک بیٹا چھوڑا۔ فوت ہوگئی۔ مابعد دوسری بیوی (جس کے بطن سے میت کی ایک لڑکی ہے) فوت ہوگئی ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

۱۔ دو بیویوں کا حصہ = ۱/۸ ایک بیوی کا حصہ = ۱/۱۶

لڑکی کا حصہ = ۷/۸ (۱/۲ بطور ذوی الفروض کے ۳/۸ بطور ردّ کے)

۲۔ پہلی متوفیہ بیوی کا حصہ قابل تقسیم ۱/۱۶ ہے اور اس کا وارث صرف اس کے سابقہ شوہر کی بیٹی کا بیٹا یعنی اس کا نواسا ہے۔ اس لئے یہ ۱/۱۶ حصہ اس نواسے کو مل جائے گا۔

۳۔ دوسری متوفیہ بیوی کا حصہ قابل تقسیم ۱/۱۶ ہے اور اس کی وارث صرف ایک بیٹی ہے جو یہ ۱/۱۶ حصہ حاصل کر لے گی۔ (۱/۳۲ بطور ذوی الفروض اور ۱/۳۲ بطور ردّ کے)

آخری طور پر حصے یہ ہوں گے۔

بیٹی کا حصہ = $\frac{۷}{۸} + \frac{۱}{۱۶} = \frac{۱۵}{۱۶}$

زوجہ کے نواسہ کا حصہ = ۱/۱۶

گویا جائداد کے ۱۶ سہام ہوں گے جن میں سے ۱۵ میت کی بیٹی کو اور ایک سہم زوجہ کے نواسے کو ملے گا۔

مثال نمبر ۸:

ایک میت کی دو بیویاں، والدہ اور بیٹا وارث ہیں، قبل تقسیم ترکہ والدہ فوت ہوگئی مابعد لڑکے کی والدہ بھی فوت ہوگئی ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

۱۔ ابتدائی تقسیم:

دو بیویوں کا حصہ = ۱/۸ ہر ایک بیوی کا حصہ = ۱/۱۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = $۱ - \left(\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۶}\right) = ۱ - \frac{۴+۳}{۲۴} = \frac{۱۷}{۲۴}$ جو بیٹے کو مل جائے گا۔

۲۔ پہلی متوفیہ یعنی متوفی کی والدہ کا حصہ قابل تقسیم ۱/۶ ہے اور وارث صرف اس کا پوتا (میت کا بیٹا) جو کہ بطور عصبہ تمام کا تمام ترکہ (۱/۶ حصہ) حاصل کرے گا۔

اس لئے اس وقت تک میت کے بیٹے کا حصہ $= \frac{۱۷}{۲۴} + \frac{۱}{۶} = \frac{۲۱}{۲۴}$ بن جائے گا۔

۳۔ متوفی کی دوسری متوفیہ بیوی (مادرِ فرزند) کا حصہ قابل تقسیم ۱/۱۶ ہے اور وارث صرف بیٹا، اس لئے یہ حصہ بھی بیٹے کو مل جائے گا۔

لہٰذا بیٹے کا کل حصہ $= \frac{۲۱}{۲۴} + \frac{۱}{۱۶} = \frac{۴۲+۳}{۴۸} = \frac{۴۵}{۴۸}$

اس لئے آخری طور پر کل حصے یہ ہوں گے۔

زوجہ (جو بقید حیات ہے اس) کا حصہ = ۱/۱۶

بیٹے کا حصہ = ۴۵/۴۸

یعنی اگر جائداد کے ۴۸ سہام کئے جائیں تو تین سہام بیوی کے اور ۴۵ سہام بیٹے کے ہوں گے۔

مثال نمبر ۹:

ایک میت نے زوجہ، دو بیٹے اور چار بیٹیاں وارث چھوڑے قبل تقسیم ترکہ ایک بیٹا تین بیٹے چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ ہر ایک کے حصے بتاؤ۔

۱۔ ابتدائی تقسیم: زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی $= ۱ - \frac{۱}{۸} = \frac{۷}{۸}$

یہ ۷/۸ دو بیٹوں اور چار بیٹیوں میں ۲:۱ سے تقسیم ہو گا۔

اس لئے ہر بیٹے کا حصہ $= \frac{۷}{۸} \times \frac{۲}{۸} = \frac{۷}{۳۲}$

اور ہر بیٹی کا حصہ $= \frac{۷}{۸} \times \frac{۱}{۸} = \frac{۷}{۶۴}$

۲۔ متوفی بیٹے کا قابل تقسیم حصہ ۷/۳۲ ہے اور اس کے وارث اس کے تین بیٹے اور والدہ (زوجہ میت اوّل) ہیں۔ اور بھائی اور بہنیں محروم ہوں گی۔ کیونکہ اولاد موجود ہے۔

اس لئے والدہ کا حصہ = $\frac{۷}{۳۲} \times \frac{۱}{۶} = \frac{۷}{۱۹۲}$

باقی = $\frac{۷}{۳۲} - \frac{۷}{۱۹۲} = \frac{۳۵}{۱۹۲}$ تین بیٹوں میں تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر بیٹے کا حصہ = $\frac{۳۵}{۱۹۲} \times \frac{۱}{۶} = \frac{۳۵}{۵۷۶}$

آخری طور پر کل حصے یہ ہوں گے۔

زوجہ کا حصہ = $\frac{۱}{۸} + \frac{۷}{۱۹۲} = \frac{۲۴ + ۳}{۱۹۲} = \frac{۳۱}{۱۹۲}$

بیٹے کا حصہ = ۷/۳۲

ہر پوتے کا حصہ = ۳۵/۵۷۶

ہر بیٹی کا حصہ = ۷/۶۴

یعنی اگر جائداد کے ۵۷۶ سہام کئے جائیں تو زوجہ کے ۹۳ بیٹے کے ۱۲۶ ہر پوتے کے ۳۵ اور ہر بیٹی کے ۶۳ سہام ہوں گے۔

مثال نمبر۱۰:

ایک میت نے ۴ بیٹے اور تین بیٹیاں وارث چھوڑے۔قبل تقسیم ترکہ ایک بیٹا فوت ہوگیا ہرایک کا حصہ بتاؤ۔

۱۔ ابتدائی تقسیم۔ چونکہ صرف عصبات ہی موجود ہیں اس لئے انہیں میں تمام جائداد تقسیم ہوگی اس طرح کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ۔

لہٰذا ہر بیٹے کا حصہ = ۲/۱۱

ہر بیٹی کا حصہ = ۱/۱۱

۲۔ متوفی بیٹے کا قابل تقسیم حصہ ۲/۱۱ ہے اور اس کے ورثاء تین بھائی اور ۳ بہنیں ہیں۔

اس لئے ۲/۱۱ حصہ میں ہر بھائی (پہلے متوفی کے بیٹے) کا حصہ = $\frac{۲}{۱۱} \times \frac{۲}{۹} = \frac{۴}{۹۹}$

ہر بہن (پہلے متوفی کی بیٹی) کا حصہ = $\frac{۲}{۱۱} \times \frac{۱}{۹} = \frac{۲}{۹۹}$

پس متوفی والد کے ہر زندہ بیٹے کا کل حصہ = $\frac{۲}{۱۱} + \frac{۴}{۹۹} = \frac{۱۸+۴}{۹۹} = \frac{۲۲}{۹۹} = \frac{۲}{۹}$

ہر بیٹی کا کل حصہ = $\frac{۱}{۱۱} + \frac{۴}{۹۹} = \frac{۸ + ۲}{۹۹} = \frac{۱۱}{۹۹} = \frac{۱}{۹}$

نوٹ:۔ یہ حصے براہ راست یکجائی تقسیم سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک بیٹے کے فوت ہونے سے باقی وارث بھی وہی رہتے ہیں۔ جو باپ کے وارث تھے اور دو دفعہ یا ایک ہی دفعہ تقسیم کرنے سے ان کے حصوں میں بھی کچھ فرق نہیں پڑتا۔ پس فوت شدہ لڑکے کو تقسیم شروع کرنے سے پہلے ہی خارج کر دیا جائے اور جائداد تین زندہ بیٹوں اور تین بیٹیوں میں ۲:۱ سے تقسیم کر دی جائے تو ہر بیٹے کا حصہ 2/9 اور ہر بیٹی کا حصہ 1/9 ہوگا اور یہ وہی حصے ہیں جو اوپر دو مرتبہ یعنی مناسخہ کے طریق پر تقسیم کرنے سے حاصل ہوئے تھے۔ اس لئے اگر کسی وارث کے فوت ہونے سے ورثاء وہی رہیں جو پہلے تھے اور ان کے حصوں میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہو تو ترکہ کو ایک بار ہی ان میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔

مثال نمبر ۱۱:

ایک میت نے ایک بیٹا ایک بیٹی اور ایک بہن وارث چھوڑے۔ قبل تقسیم ترکہ بیٹا فوت ہو گیا۔ ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

اس مثال میں براہ راست تقسیم نہیں کر سکتے کیونکہ بیٹے کی غیر موجودگی میں میت کی بہن بھی وارث بن جاتی ہے اور دوسرے ورثاء کے حصوں میں بھی فرق پڑ جاتا ہے مثلاً اگر لڑکے کو ابتدائے تقسیم پر ہی نکال دیں تو حصے یہ ہوں گے۔

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

بہن کا حصہ = ۱/۶

یہ ردّ کی صورت ہے اس لئے ان کے حصوں کے لحاظ سے ترکہ تقسیم ہوگا۔ یعنی ۳:۱ سے۔

اس لئے بیٹی کا حصہ = ۳/۴

بہن کا حصہ = ۱/۴

لیکن اگر ہم ابتدائی تقسیم میں متوفی کے بیٹے کو بھی شامل کریں جو پہلے متوفی کی وفات کے وقت زندہ تھا (اور یہی طریق درست ہے) اور پھر فوت ہونے والے بیٹے کا حصہ اس کے ورثاء کو دیں تو حصے یہ ہوں گے۔

۱۔ ابتدائی تقسیم:

بیٹے کا حصہ = ۲/۳

بیٹی کا حصہ = ۱/۳

بہن محروم رہے گی کیونکہ اس کے بھائی کی وفات کے وقت بھائی کا بیٹا موجود تھا۔

۲۔ متوفی بیٹے کا قابل تقسیم ترکہ ۲/۳ ہے اور اس کی وارث صرف اس کی بہن ہے اس لئے اس کا (۲/۳) حصہ اس کی بہن (یعنی میت کی بیٹی) کو مل جائے گا۔ اس طرح بیٹی کا حصہ $\frac{۱}{۳} + \frac{۲}{۳} = ۱$ ہوگا یعنی وہ کل جائداد کی مالک ہوگی اور (میت کی) بہن محروم رہے گی۔

اس لئے یاد رکھیئے کہ ایک بار ہی براہ راست ترکہ اسی وقت تقسیم ہو سکتا ہے جب کسی وارث کے فوت ہو جانے کے بعد ورثاء اور ان کے حصوں میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتی ہو۔ اگر کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہو تو ہر میت کا حال علیحدہ علیحدہ لکھیئے اور ان کے حصے یکے بعد دیگرے تقسیم کیجئے۔

مثال نمبر۱۲:

ایک میت نے ایک بیٹا اپنی موجودہ بیوی کے بطن سے اور دو بیٹے اور ایک بیٹی سابقہ بیوی کے بطن سے وارث چھوڑے قبل تقسیم ترکہ سابقہ زوجہ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا مابعد اس کا دوسرا بیٹا بھی فوت ہو گیا اور اس نے تین بیٹیاں پیچھے وارث چھوڑیں۔ پہلی میت کے ترکہ میں ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

۱۔ ابتدائی تقسیم: زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی $= ۱ - \frac{۱}{۸} = \frac{۷}{۸}$

یہ ۸/۷ حصہ تین بیٹوں اور ایک بیٹی میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے ہر بیٹے کا حصہ $= \frac{۷}{۸} \times \frac{۲}{۷} = \frac{۲}{۸} = \frac{۱}{۴}$

اور ہر بیٹی کا حصہ $= \frac{۷}{۸} \times \frac{۱}{۷} = \frac{۱}{۸}$

۲۔ سابقہ زوجہ کے پہلے متوفی بیٹے کا قابل تقسیم حصہ ۲/۸ ہے اور اس کے وارث اس کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہن ہیں۔ پہلے متوفی کی زوجہ یعنی اس متوفی بیٹے کی سوتیلی ماں محروم رہے گی۔ اسی طرح اس کا علاتی بھائی بھی محروم رہے گا کیونکہ حقیقی بھائی موجود ہے۔

حقیقی بھائی کا حصہ $= \frac{۲}{۸} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱}{۶}$

اور حقیقی بہن کا حصہ $= \frac{۲}{۸} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱}{۱۲}$

لہٰذا اس وقت تک سابقہ زوجہ کے بطن سے پہلے متوفی کے لڑکے کا حصہ

$= \frac{۲}{۸} + \frac{۱}{۶} = \frac{۶ + ۴}{۲۴} = \frac{۱۰}{۲۴} = \frac{۵}{۱۲}$

اور لڑکی کا حصہ $= \frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۱۲} = \frac{۳ + ۲}{۲۴} = \frac{۵}{۲۴}$

۳۔ سابقہ زوجہ کے دوسرے متوفی بیٹے کا حصہ قابل تقسیم حصہ ۵/۱۲ ہے اور اس کے وارث اس کی اپنی تین بیٹیاں (پہلے متوفی کی پوتیاں) اور حقیقی بہن (پہلے متوفی کی بیٹی) ہیں۔ اس لئے علاتی بھائی اور سوتیلی والدہ محروم رہیں گی۔ کیونکہ اس متوفی کی اولاد موجود ہے۔

چونکہ بیٹیوں کی موجودگی میں ہمشیرہ عصبہ بن جاتی ہے۔

اس لئے ۵/۱۲ حصہ میں تین بیٹیوں (پہلے متوفی کی پوتیوں) کا حصہ

$= \frac{۵}{۱۲} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱۰}{۳۶} = \frac{۵}{۱۸}$

اور بہن (پہلے متوفی کی بیٹی) کا حصہ $= \frac{۵}{۱۲} - \frac{۵}{۱۸} = \frac{۵}{۳۶}$

ایک بیٹی کا حصہ $= \frac{۵}{۱۸} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۵}{۵۴}$

اس لئے آخری طور پر کل حصے مندرجہ ذیل ہوں گے۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

موجودہ زوجہ کے بطن سے لڑکے کا حصہ = ۱/۴

سابقہ زوجہ کے بطن سے لڑکی کا حصہ $= \frac{۵}{۲۴} + \frac{۵}{۳۶} = \frac{۱۵ + ۱۰}{۷۲} = \frac{۲۵}{۷۲}$

اور ہر پوتی کا حصہ = ۵/۵۴

لہٰذا اگر جائداد کے ۲۱۶ حصے کئے جائیں تو زوجہ کو ۲۷ لڑکے کو ۵۴ لڑکی کو ۷۵ اور ہر پوتی کو ۲۰ حصے ملیں گے۔

حمل کی میراث

اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کی بیوی یا اس کے خاندان کی کوئی ایسی عورت جس کی اولاد کو میت کے ترکہ میں سے حصہ پانے کا حق پہنچتا ہو۔ حاملہ ہو تو ان حالات میں بہتر تو یہ ہوتا ہے کہ وضع حمل کا انتظار کر لیا جائے اور اس کے بعد ہی ترکہ تقسیم ہو کیونکہ اولاد پیدا ہونے کی صورت میں یا بچوں کی تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے مختلف رشتہ دار یا تو کلیۃً مجوب ہو جاتے ہیں یا بعض کے حصوں میں کمی ہو جاتی ہے۔ اس لئے بعد کی پیچیدگیوں سے بچنے کے لئے صحیح صورت حال کا انتظار کر لینا بہتر ہوتا ہے۔

لیکن اگر بعض ورثاء اس انتظار میں کچھ حرج یا تنگی محسوس کریں یا یہ ڈر ہو کہ کہیں ترکہ ضائع نہ ہو جائے یا خرد بُرد نہ ہو جائے تو پھر موجودہ ورثاء ترکہ تقسیم کروا سکتے ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وضع حمل کے لئے کتنا عرصہ انتظار کیا جائے۔ اور اگر انتظار نہ کیا جا سکتا ہو تو پھر ترکہ میں سے حمل کے لئے کتنا حصہ محفوظ (Reserve) کرنا چاہیئے؟

مدتِ حمل!

مدتِ حمل کے بارہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کم سے کم مدت چھ ماہ بعد از نکاح ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دو سال بعد از وفات ہے۔ یہ خیال رہے کہ کم سے کم مدت حمل (یعنی چھ ماہ) کے تقرر کا تعلق تقسیم ترکہ کے التوا سے نہیں۔ التوا سے صرف زیادہ سے زیادہ مدت حمل کا تعلق ہے۔ کم سے کم مدت حمل کے تقرر کی غرض صحت نسب کی جانچ پڑتال ہے مثلاً جو بچہ تاریخ نکاح سے چھ ماہ کے اندر پیدا ہوا اسے شرعاً متوفی کی اولاد قرار نہیں دیا جاتا اور نہ ہی وراثت میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس مدت کا استدلال قرآن پاک کی اِن آیات کریمہ سے کیا جاتا ہے۔

i. وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ

''اس (یعنی بچہ) کے اُٹھانے (حمل قرار پانے) اور اس کا دودھ چھڑانے میں تیس ماہ (دو سال چھ مہینے) لگے تھے۔'' (سورۃ احقاف آیت ۱۶)

ii. وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ .

''اور دودھ چھڑانے کا عرصہ چوبیس ماہ یعنی دو سال تک ہے۔''

(سورۃ لقمان آیت ۱۵)

اس لحاظ سے حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ بنتی ہے۔

زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل کے تقرر کی غرض و غایت اور وجوہات ذہن نشین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ قوانینِ طب، اسلامی ممالک کے قوانین اور حضرت امام ابو حنیفہ کی رائے کو بالتفصیل بیان کیا جائے۔

طب کی رو سے مدت حمل کا عرصہ زیادہ سے زیادہ گیارہ ماہ قرار دیا گیا ہے لیکن دسویں اور گیارہویں مہینوں پیدا ہونے والے بچے شاذ و نادر ہی زندہ پیدا ہوتے ہیں۔ یا زندہ بچتے ہیں۔ کیونکہ ان کی پیدائش عمومی مدت حمل کے بعد (Post-Mature) ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان بچوں میں غیر معمولی خصوصیات (Abnormalities) پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ان کا وزن قد یا سر کا حجم عام نوزائیدہ بچوں کی نسبت زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ ایک مشہور و معروف اور اعلیٰ پایہ کے طبیب شیخ بوعلی سینا نے جنہیں سائنسدان موجد طب (Father of Medicine) کے نام سے یاد کرتے ہیں اپنی کتاب ''القانون فی الطب'' میں لکھا ہے کہ قرار حمل کے بعد عام طور پر اور اکثر ۹ ماہ کی مدت میں وضع حمل ہوتا ہے کم سے کم سات ماہ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ ماہ ہیں۔ (جلد دوم صفحہ ۵۷۰ مطبوعہ مصر)

موجودہ طب (Medicine) میں بھی عام حالات میں مدت حمل ۲۶۵ دن کے قریب تسلیم کی گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ ۳۰۰ دن۔ برطانوی عدالت میں سب سے زیادہ لمبا عرصۂ حمل ۳۴۹ دن تک بھی مانا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

A text book of Midwifery by Johnston and Keller.

جس میں لکھا ہے کہ

1- Modern scientific evidence, therefore, indicates that in women the duration of pregnancy, i.e., the conception -- delivery interval, is nearer 265 days than 273. (page 108)

2. The medico-legal bearings of the subject lie in relation to the question of the legitmacy of children born more than nine

months after the death or the depature of the mother's husband. Fully developed children have been recorded as being born after the gestation lasting for considerably more than 300 days from the commencement of the last period. In English and Scots law there is no legal limit to the length of pregnancy. The longest periods of gestation ever admited in the law courts in Great Britain are 349, 346 and 331 days.

(page 110)

''الاسرۃ فی الشرع الاسلامی'' صفحہ ۹۹ (مصنفہ عمر فروخ بیروت)

سے اسی مضمون کا ایک اقتباس بھی پیش کیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اَقَلُّ مُدَّةِ الْحَمْلِ طِبِّيًّا فَهِيَ سُبْعَةُ اَشْهُرٍ كَامِلَةٍ وَلٰكِنَّ الطِّفْلَ لَايَعُيشُ حِيْنَئِذٍ اِلَّا اِذَاكَانَ وَزْنُهٗ عِنْدَ وَلَادَتِهٖ اَكْثَرَ مِنْ الْفٍ وَّخَمْسِمِائَةِ غَرامٍ اَمَّا اَلْمُدَّةُ الْعَادِيَةُ فَهِيَ مَائتَانِ وَ ثَمَانُوْنَ يَوْمًا اِلَّا اَنَّ مَكْثَهٗ فِي الرِّحْمِ اِذَا زَادَ عَلٰى ۳۳۰ يَوْمًا فَاِنَّهٗ يُسَبِّبُ مَوْتِهٖ وَقَدْ يَتَّفِقُ اَنْ يَبْقَى الْجَنِيْنُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ سَنَةً اَوْاَكْثَرَ وَلٰكِنَّهٗ يَكُوْنُ عِنْدَئِذٍ مَيْتًا وَاَكْثَرُالْاَحْوَالِ الَّتِيْ تَدَّعِيْ فِيْهَا الْمَرْأَةُ اَنَّهاَ وَلَدَتْ لِاَقَلِّ ۲۸۰ يَوْمًا اَوْلِاَ كْثَرِ مِنْ ذَالِكَ رَاجِعٌ فِي الْاَغْلَبِ اِلٰى خَطَأِ الْحَامِلِ فِي الْحِسَابِ زِيَادَةً اَوْنُقْصَانًا.

''طب کی رو سے حمل کی کم از کم مدت پورے سات ماہ ہے لیکن اس صورت میں بچہ زندہ نہیں رہتا۔ سوائے اس کے کہ ولادت کے وقت اس کا وزن ۱۵۰۰ گرام سے زیادہ۔ بالعموم یہ مدت ۲۸۰ دن ہوتی ہے، لیکن ممکن ہے کہ کوئی بچہ ۳۳۰ دنوں تک رحم میں رہ جائے۔ البتہ اگر رحم میں اس کا قیام ۳۳۰ دن سے بڑھ جائے تو یہ امر اس کی موت کا باعث بن جاتا ہے کبھی کبھی ایسا اتفاق بھی ہو جاتا ہے کہ بچہ ایک سال تک یا اس سے بھی زیادہ اپنی ماں کے پیٹ میں رہے، لیکن اسی صورت

میں جب وہ مرا ہوا ہو۔ نیز اکثر ایسے حالات سے جن میں عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس نے ۲۸۰ دنوں سے کم یا اس سے زیادہ عرصہ میں بچہ جنا ہے یہی ظاہر ہوا کرتا ہے کہ اغلبًا اس حاملہ عورت نے حساب لگانے میں غلطی کھائی ہے۔خواہ زیادتی کی طرف یا کمی کی طرف۔''

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہے کہ جہاں تک علم طب کا تعلق ہے۔ زیادہ سے زیادہ عرصۂ حمل گیارہ ماہ پندرہ دن یعنی تقریباً ۳۴۹ دن ہے۔

ممالک اسلامیہ میں مدت حمل کا تعین

عرصۂ حمل سے متعلق اسلامی ممالک میں جو قانون پائے جاتے ہیں۔ اُن کے تحت کم سے کم عرصہ چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے۔ اس بارہ میں چند ایک ممالک کے قوانین کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

مصر: دفعہ ۱۵

(مرد کے) انکار کی صورت میں بچے کے لئے نسب کا دعویٰ مسموع نہ ہوگا۔ جبکہ زوجین کے درمیان وقت عقد سے ملاقات ثابت نہ ہو اور نہ اس صورت میں جبکہ عورت نے اس بچے کو شوہر کے غائب ہونے سے ایک سال بعد جنا ہو اور نہ مطلقہ کا بچہ (بصورت انکار) شوہر کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ نہ اُس زوجہ کا بچہ جس کا شوہر مر چکا ہو اگر اس عورت نے طلاق یا وفات سے ایک سال کے بعد جنا ہو۔[1]

عراق: دفعہ ۵۱

ہر زوجہ کا بچہ حسبِ ذیل شرائط کے ساتھ اس کے شوہر کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

الف۔ زوجین کے عقد کے بعد وضع حمل کم از کم چھ ماہ یا اس کے بعد ہوا ہو۔

ب۔ زوجین میں ملاقات کا امکان ہو۔

۲۹: بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ مرد کے انکار کی صورت میں جبکہ زوجین کے درمیان ملاقات ثابت نہ ہو اور نہ اس بچے کا نسب ثابت ہوگا جس کو عورت نے شوہر کے غائب ہونے کے یا اس کی وفات کے یا تاریخ طلاق سے ایک سال بعد جنا ہو۔[1]

تیونس: دفعہ ۷۱:

جب زوجہ عقد کے بعد چھ ماہ کے اختتام پر یا اس کے بعد بچہ جنے تو بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا۔ خواہ عقد صحیح ہو یا فاسد۔[۲]

شام: دفعہ ۱۲۸

حمل کی کم سے کم مدت ۱۸۰ یوم ار زیادہ سے زیادہ ایک سال شمسی ہے۔[۳]

پاکستان: دفعہ ۱۱۲ قانون شہادت، ۱۸۷۴ء (صحیح النسبی کے بارے میں)

یہ واقعہ کہ کوئی شخص (بچہ) اپنی ماں کے کسی مرد کے جائز نکاح میں رہنے کی حالت میں یا اس نکاح کے انفساخ سے ۲۸۰ یوم کے اندر پیدا ہوا اور اس اثناء میں اس کی ماں بے زوج رہی۔ اس امر کا قطعی ثبوت ہوگا کہ وہ شخص (بچہ) اس مرد کا صحیح النسب بیٹا ہے۔ بجز اس صورت کے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ اس عرصہ میں زوجین کو کسی وقت بھی ایک دوسرے سے ملنے کا ایسا موقع نہ ملا تھا کہ حمل قرار پا سکتا۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اور اُس کی مصلحت

ماہرین طب کے نزدیک زیادہ سے زیادہ عرصہ حمل ۳۴۹ دن تک اور اسلامی ممالک کے قوانین میں یہ عرصہ ایک سال تک تسلیم کیا گیا ہے، لیکن حضرت ابوحنیفہؒ نے زیادہ سے زیادہ عرصہ حمل دو سال تک قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسلام صحیح النسبی کے لئے ہر امکانی صورت کو قبول کرتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی غیر معمولی ہو۔ اس معاملہ میں اُسے اس سے بحث نہیں کہ حقیقت کیا ہے یہ مدنظر ہے کہ ایک انسان کی زندگی بچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ قانونی امکان کیا ہے۔

کیونکہ اس لچک میں بہت سے معاشرتی اور معاشی فوائد مضمر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو حنیفہؒ نے بچہ کو صحیح النسب قرار دینے کی خاطر بعض بعید الوقوع اور نادر الوجود صورتوں کو بھی سامنے رکھا ہے اور محض احتیاط کی خاطر زیادہ سے زیادہ عرصہ حمل دو سال تک مانا ہے یعنی اگر ایک عورت اپنی عدت کے دوران یہ ظاہر کر دے کہ وہ حاملہ ہے اور اس کا بچہ دو سال کے اندر اندر پیدا ہو تو وہ صحیح النسب تصور ہوگا اور ترکہ کا بھی وارث ہوگا۔

دو سال کے بعد پیدا ہونے والا بچہ نہ صحیح النسب تصور ہوگا اور نہ ہی ورثاء میں شمار ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک عورت عدت کے دوران یہ ظاہر کر دے کہ وہ حمل سے آزاد ہے تو اس کے بعد کسی وقت بھی اس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو وہ وارث نہیں ہوگا۔

یہ یاد رہے کہ مدت حمل کے دو سال تک ممتد ہونے کے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ بلکہ ایک حد تک ناممکن ہیں۔ لیکن یہ عرصہ فقہا احناف نے محض اور محض احتیاط کی خاطر مانا ہے تا کہ بچے کو اپنے والد کی صحیح اولاد تسلیم کرایا جا سکے اور اِس طرح حتی الامکان اسے ناجائز ولادت کے الزام سے بچا لیا جائے۔ تا کہ اس کی زندگی اجیرن نہ ہو اور معاشرہ میں وہ ایک معزز مقام حاصل کر سکے۔

غرض احتیاط کے اس پہلو کو حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بطور خاص ملحوظ رکھا ہے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے اِستخراج مسائل قرآن میں ایک خاص مقام عطا فرمایا تھا۔ وہ اپنی قوتِ اجتہاد، علم اور معرفت میں باقی تمام اماموںؒ سے بلند اور فائق نظر آتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ تو ان کے اعلیٰ مقام کو سمجھنے تک سے قاصر ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک فقہ کے بارہ میں حضرت میرزا غلام احمد قادیانیؑ بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

> ''وہ ایک بحر اعظم تھا اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں۔ اِس کا نام اہل الرائے رکھنا ایک بھاری خیانت ہے امام بزرگ حضرت ابوحنیفہؒ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ کے استخراج مسائل قرآن میں یدطولیٰ تھا۔ خدا تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی پر رحمت کرے۔ انہوں نے مکتوب صفحہ ۳۰۷ میں فرمایا ہے کہ امام اعظم صاحب کی آنے والے مسیح کے ساتھ استخراج مسائل قرآن میں ایک روحانی مناسبت ہے۔''
>
> (الحق مباحثہ لدھیانہ صفحہ ۱۰۱)

اسی طرح آپ اپنی کتاب ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۵۳۰۔۵۳۱ پر فرماتے ہیں۔

''اصل حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب موصوف اپنی قوت اجتہادی اور اپنے

---

[1] قانون المصری نمبر ۲۵ بابت ۱۹۲۹ء

علم اور درایت اور فہم و فراست میں ائمہ ثلاثہ باقیہ سے افضل و اعلیٰ تھے اور اُن کی خداداد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت عدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے اور ان کی قوت مدرکہ کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور اُن کی فطرت کو کلام الٰہی سے ایک خاص مناسبت تھی اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجتہاد و استنباط میں اُن کے لئے وہ درجہ علیا مسلم تھا۔ جس تک پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔''

حمل کا حصہ

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ایسا حمل موجود ہے کہ پیدا ہونے پر اس بچے کا شمار ورثاء میں ہو گا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایسے حمل کے لئے ترکہ کا کس قدر حصہ محفوظ (Reserve) رکھا جائے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حمل کے لئے چار بیٹوں یا چار بیٹیوں کے حصہ میں سے جو زیادہ ہو وہ محفوظ رکھا جائے۔

حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تین بیٹوں یا تین بیٹیوں میں سے جو زیادہ ہو وہ محفوظ رکھا جائے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ دو بیٹوں کے برابر رکھ لیا جائے۔

یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں البتہ اس قدر احتیاط ضرور لازم ہے کہ جو کچھ بھی حمل کے لئے محفوظ رکھا جائے وہ زیادہ سے زیادہ حصہ ہو بلحاظ تعداد و کمیت۔ اور پھر بھی ممکن ہے کہ وہ کسی وجہ سے کم ہو جائے اس لئے ورثاء سے تحریراً ضمانت لے لینی چاہئے کہ وہ اس کو اپنے حاصل کردہ حصوں سے پورا کر دیں گے۔ اگر محفوظ کئے گئے حصہ میں سے کچھ بچ جائے تو اسے ورثاء میں اُن کے شرعی حصوں کے مطابق واپس لوٹا دیا جائے اسی طرح اگر کسی وقت یہ ثابت

۱؎ قانون الاحوال الشخصیۃ ۱۹۵۹ء عراق

۲؎ مجلۃ الاحوال الشخصیۃ تیونس

۳؎ قانون الاحوال الشخصیۃ شام

ہو جائے کہ حمل نہیں تھا یا اسقاط ہو جائے۔ یا بچہ مردہ پیدا ہو تو اس صورت میں بھی محفوظ کیا گیا ترکہ ورثاء میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے اب یہ تمام صورتیں مثالوں سے واضح کی جاتی ہیں۔

مثال نمبر ۱

ایک میت نے والدہ، چچا اور ایک زوجہ (جو حاملہ ہے) وارث چھوڑے ورثاء نے قبل از وضع حمل تقسیم ترکہ کی خواہش کی اور حمل کو لڑکا کا تصور کر کے تقسیم کر دی گئی۔ لیکن بعد میں لڑکی تولّد ہوئی۔ دونوں صورتوں میں ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

ولادت سے قبل تقسیم ترکہ

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۶}) = ۱ - \frac{۴ + ۳}{۲۴} = \frac{۱۷}{۲۴}$

لہٰذا حمل (لڑکے کا حصہ) = ۱۷/۲۴

جو محفوظ رکھا گیا (چچا محروم)

بیٹی کی ولادت کے بعد تقسیم ترکہ

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

بیٹی کا حصہ = ۱/۲

باقی $= ۱ - (\frac{۱}{۸} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۲})$

$= ۱ - \frac{۱۲+۴+۳}{۲۴} = \frac{۵}{۲۴}$

جو چچا کو بطور عصبہ ملے گا۔

اس طرح ۱۷/۲۴ حصہ جو حمل کے لئے محفوظ رکھ لیا تھا اس میں سے ۱۲/۲۴ حصہ نوزائیدہ لڑکی کو ملا اور باقی ۵/۲۴ حصہ چچا نے حاصل کر لیا۔ جو قبل ازیں محروم رہ گیا تھا۔

نوٹ: ولادت کے بعد بظاہر تو یہ طریقِ عمل ہونا چاہئے کہ صرف محفوظ کردہ حصہ کو نومولود اور موجودہ ورثاء میں تقسیم کیا جاتا، لیکن اس طریق کو اختیار کرنے میں طولِ عمل کے علاوہ کئی الجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ محفوظ حصہ میں سے نومولود کا حصہ عموماً بڑے پیچیدہ جسمانی عمل سے ہی متعین کیا جا سکتا ہے۔ مزید براں بعض ایسے رشتہ دار بھی جو وضع حمل سے قبل کی تقسیم میں محروم رہ گئے تھے۔ واضح حمل کے بعد ورثاء میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے سہل ترین طریق جو عملاً اختیار کیا جاتا ہے یہی ہے کہ وضع حمل کے بعد جو رشتہ دار وارث قرار پائیں تمام ترکہ ان میں تقسیم کر دیا جائے اور پہلے حاصل کردہ حصوں اور بعد میں قائم شدہ حصوں

میں جو فرق ہو۔ وہ محفوظ کردہ حصہ سے پورا کیا جائے۔ ان مثالوں میں یہی طریق اختیار کیا گیا ہے۔ البتہ ہر مثال میں محفوظ کردہ حصہ کی تقسیم بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ کیونکہ ابتدائی اور آخری حصوں کے معلوم ہو جانے کے بعد بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ محفوظ کردہ حصہ میں سے کتنا کتنا کس کس وارث کو ملنا چاہیئے تا ہر ایک کا آخری قائم شدہ حصہ پورا ہو جائے۔

مثال نمبر۲:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، چچا اور دو لڑکیاں وارث چھوڑے۔ زوجہ حاملہ ہے اگر ترکہ قبل از وضع حمل تقسیم ہو تو ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔ جب کہ حمل کو لڑکا تصور کر لیا جائے اور اگر بعد میں لڑکی تولّد ہو جائے تو پھر وارثوں کے حصے بتایئے۔

قبل از ولادت ورثاء کے حصے

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱ - ($\frac{۱}{۸}$ + $\frac{۱}{۶}$) = $\frac{۱۷}{۲۴}$

حمل کو لڑکا تصور کیا گیا ہے اس لئے لڑکیاں اس کے ساتھ عصبہ بن جائیں گی۔

لہٰذا حمل (لڑکے) کا محفوظ حصہ

= $\frac{۱۷}{۲۴}$ × $\frac{۲}{۴}$ = $\frac{۱۷}{۴۸}$

ہر ایک لڑکی کا حصہ = $\frac{۱۷}{۲۴}$ × $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۱۷}{۹۶}$

بیٹی کی ولادت کے بعد تقسیم ترکہ

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

تین لڑکیوں کا حصہ = ۲/۳

ہر لڑکی کا حصہ = ۲/۹

باقی = ۱ - ($\frac{۱}{۸}$ + $\frac{۱}{۶}$ + $\frac{۲}{۳}$)

= ۱ - $\frac{۱۶+۴+۳}{۲۴}$ = $\frac{۱}{۲۴}$

جو چچا کا حصہ ملے گا۔

یعنی محفوظ کئے گئے حصے (۱۷/۴۸) میں سے ۲/۹ حصہ نوزائیدہ بیٹی کو ۱۳/۲۸۸ حصہ پہلے سے موجود ہر بیٹی کو اور ۱/۲۴ حصہ چچا کو ملا۔ اور پہلی دونو لڑکیوں میں سے ہر ایک کا کل حصہ $\frac{۱۷}{۹۶}$ + $\frac{۱۳}{۲۸۸}$ = $\frac{۱۳+۵۱}{۲۸۸}$ = $\frac{۶۴}{۲۸۸}$ = $\frac{۲}{۹}$ بن گیا۔

مثال نمبر۳:

ایک میت نے زوجہ، والد اور بیٹے کی بیوہ (جو ایام حمل گزار رہی ہے) وارث چھوڑے حمل کو لڑکا تصور کر کے ورثاء نے ترکہ تقسیم کر لیا۔ اگر بعد میں لڑکی پیدا ہوئی ہو تو

دونوں صورتوں میں ہر وارث کا حصہ بتائیے۔

قبل از ولادت ورثاء کے حصے

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱ - (۱/۸ + ۱/۶) = ۱۷/۲۴

جو حمل کے لئے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ بیٹا پیدا ہونے کی صورت میں یہ کل حصہ اس کا حق ہوگا۔

بیٹے کی بیوہ یعنی متوفی کی بہو = محروم

بعد از ولادت (لڑکی) ورثاء کے حصے

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

پوتی کا حصہ = ۱/۲

والد کا حصہ = باقی

باقی = ۱ - (۱/۸ + ۱/۶) = ۳/۸

(۱/۶ بطور ذوی الفروض اور ۵/۲۴ بطور عصبہ کے)

یعنی پوتے کے لئے محفوظ کئے گئے ۱۷/۲۴ حصہ میں سے اب ۱۲/۲۴ پوتی کو اور ۵/۲۴ والد کو مل گیا۔

مثال نمبر۴:

ایک میت نے زوجہ، والدہ، پوتی اور پوتی کی والدہ (جو حاملہ ہے) وارث چھوڑے۔ اگر حمل کو لڑکا تصور کر کے تقسیم کر لی جائے تو تمام ورثاء کے حصے بتائیے۔ نیز اگر بعد میں لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہو تو بھی ہر ایک وارث کا حصہ بتائیے۔

قبل از وضع حمل ورثاء کے حصے

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱-(۱/۸ + ۱/۶) = ۱۷/۲۴

چونکہ حمل کو لڑکا تصور کیا گیا ہے اس لئے وہ میت کا پوتا ہوگا اور پوتی اس کے ساتھ عصبہ قرار پائے گی۔

اس لئے پوتے (حمل) کا محفوظ حصہ

= ۱۷/۲۴ × ۲/۳ = ۱۷/۳۶

پوتی کا حصہ = ۱۷/۲۴ × ۱/۳ = ۱۷/۷۲

پوتی ولادت کے بعد ورثاء کے حصے

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

دو پوتیوں کا حصہ = ۲/۳

کوئی عصبہ موجود نہیں اس لئے باقی کا ترکہ بھی انہی ذوی الفروض کو ماسوائے زوجہ کے ردّ کیا جائے گا۔ لہٰذا ورثا کے کل حصے یہ ہوں گے۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی = ۱ - ۱/۸ = ۷/۸

والدہ اور پوتیوں کے حصوں کا تناسب

۱/۶ : ۲/۳ = ۱ : ۴

انہی ذوی الفروض کو ماسوائے زوجہ کے ردّ کیا جائے گا۔ لہٰذا ورثا کے کل حصے یہ ہوں گے۔

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی = ۱ - ۱/۸ = ۷/۸

والدہ اور پوتیوں کے حصوں کا تناسب

۱/۶ : ۲/۳ = ۱ : ۴

نسبتی مجموعہ = ۱ + ۴ = ۵

پس والدہ کا حصہ = ۷/۸ × ۱/۵ = ۷/۴۰

دو پوتیوں کا حصہ = ۷/۸ × ۴/۵ = ۲۸/۵۰

اور ہر ایک پوتی کا حصہ = ۱۴/۴۰

یعنی اگر کل جائداد کے ۴۰ سہام کئے جائیں تو ۵ زوجہ کے، سات والدہ کے اور ۱۴ ہر پوتی کے ہوں گے۔

یاد رکھئے کہ حمل کے لئے جو حصہ محفوظ رکھا جاتا ہے وہ صرف اسی صورت میں نوزائیدہ بچے یا بچوں کو ملتا ہے جب وہ زندہ پیدا ہوں اگر کوئی مردہ بچہ پیدا ہو یا حمل کے دوران اسقاط ہو جائے تو پھر اس کی خاطر محفوظ کیا گیا حصہ دوسرے ورثاء میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

مثال نمبر ۵:

ایک میت نے والد، بھائی اور حاملہ بیوی وارث چھوڑے۔ حمل کو لڑکا تصور کر کے ترکہ تقسیم کر دیا گیا۔ بعد میں بچہ مُردہ پیدا ہوا۔ دونوں صورتوں میں ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

قبل از ولادت تقسیم

والد کا حصہ = ۱/۶

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

حمل بیٹے کا محفوظ حصہ = باقی = ۱۷/۲۴

(بھائی محروم کیونکہ بیٹا موجود ہے)

بعد از وفات تقسیم

زوجہ کا حصہ = ۱/۴

(کیونکہ اولاد موجود نہیں)

والد کا حصہ = باقی = ۳/۴

(۱/۶ بطور ذوی الفروض اور ۱۲/۷ بطور عصبہ کے)

(بھائی محروم، بوجہ والد کی موجودگی کے)

مثال نمبر ۶:

محمد نواز نے اپنی وفات پر اپنی والدہ اور تین بیٹیاں وارث چھوڑے ان کے علاوہ اس کے مرحوم بھائی محمد نیاز کی بیوی بھی موجود ہے۔ (جو حاملہ ہے اور جس کی پہلے کوئی اولاد نہیں) اگر حمل کو لڑکا تصور کر کے ترکہ تقسیم کر لیا جائے تو ہر ایک وارث کے حصے بتائیے؟ نیز اگر بعد میں لڑکی پیدا ہو تو بھی تمام ورثاء کے حصے بتاؤ۔

قبل از ولادت ورثاء کے حصے

والدہ کا حصہ = ۱/۶

تین بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳

ہر ایک کا حصہ = ۲/۹

حمل (بھتیجے) کا محفوظ حصہ = باقی

$$=۱-(\tfrac{۱}{۶}+\tfrac{۲}{۳}) = ۱ - \tfrac{۵}{۶} = \tfrac{۱}{۶}$$

بھتیجی کی ولادت کے بعد ورثاء کے حصے

بھائی کے ہاں بیٹی یعنی متوفی کی بھتیجی پیدا ہوئی جو ذوی الارحام میں شامل ہے اس لئے ذوی الفروض کے ہوتے ہوئے وہ محروم رہے گی لہٰذا یہ ردّ کی صورت بن گئی اور جائداد والدہ اور تین بیٹیوں میں اُن کے حصوں کے تناسب سے تقسیم ہو جائے گی۔ یعنی $\tfrac{۱}{۶} : \tfrac{۲}{۳} = ۱:۴$ سے تقسیم ہو گی لہٰذا

والدہ کا حصہ = ۱/۵

تین بیٹیوں کا حصہ = ۴/۵

اور ہر ایک بیٹی کا حصہ = ۴/۱۵

مثال نمبر ۷:

ایک آدمی کی والدہ، بھائی، دو بہنیں، ایک بیوی اور ایک لڑکی موجود ہیں۔ اس نے

دوسری شادی کی۔ کچھ عرصہ بعد اس کی وفات ہوگئی۔ اور یہ اپنی دوسری بیوی کو حاملہ چھوڑ گیا۔ ورثاء نے تقسیم ترکہ کا مطالبہ کیا اور حمل کو لڑکا قرار دے کر تقسیم کر دی گئی بعد میں لڑکی پیدا ہوئی۔ دونوں صورتوں میں ورثاء کے حصے بتائیے۔

قبل از ولادت تقسیم

دو بیویوں کا حصہ = ۱/۸

ہر ایک بیوی کا حصہ = ۱/۱۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱ - (۱/۸ + ۱/۶) = ۱۷/۲۴

یہ (۱۷/۲۴) حمل (بیٹے) اور بیٹی میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

پس حمل (بیٹے) کا محفوظ حصہ

۱۷/۲۴ × ۲/۳ = ۳۴/۷۲

بیٹی کا حصہ = ۱/۳ × ۱۷/۲۴ = ۱۷/۷۲

(بھائی اور بہنیں محروم)

بعد از ولادت دختر تقسیم

دو بیویوں کا حصہ = ۱/۸

ہر ایک بیوی کا حصہ = ۱/۱۶

دو بیٹوں کا حصہ = ۲/۳

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱ - (۲/۳ + ۱/۶ + ۱/۸) = ۱/۲۴

جو متوفی کے بھائی کو جو عصبہ ہے ملے گا اور بہنیں محروم رہیں گی کیونکہ اُن کا شمار ذوی الارحام میں ہے۔

مثال نمبر ۸:

ایک آدمی کی والدہ، ہمشیرہ اور ایک زوجہ جس سے اولاد نہیں موجود ہیں۔ اس نے دوسری شادی کی، کچھ عرصہ بعد یہ اپنی دوسری بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہوگیا۔ ورثاء نے حمل کو لڑکا تصور کر کے ترکہ کی تقسیم کر لی۔ بعد میں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں ہر دو صورتوں میں ورثاء کے حصے بتاؤ۔

قبل از ولادت ورثاء کے حصے

دونوں بیویوں کا حصہ = ۱/۸

اس لئے ایک بیوی کا حصہ = ۱/۱۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶

حمل (بیٹے) کا محفوظ حصہ = باقی =

۱-(۱/۸ + ۱/۶) = (۳ + ۴)/۲۴ = ۱۷/۲۴

(ہمشیرہ محروم)

بعد از ولادت دختران ورثاء کے حصے

دونوں بیویوں کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳

ہر بیٹی کا حصہ = ۱/۳

والدہ کا حصہ = ۱/۶

باقی = ۱ - (۱/۸ + ۲/۳ + ۱/۶)

= ۱ - ۲۳/۲۴ = ۱/۲۴

جو ہمشیرہ کو بطور عصبہ ملے گا۔

یعنی دوسری صورت میں اگر جائداد کے ۹۶ سہام کئے جائیں تو ہر زوجہ کو ۶ سہام ہر بیٹی کو ۳۲ سہام، والدہ کو ۱۶ سہام اور ہمشیرہ کو ۴ سہام ملیں گے۔

مثال نمبر ۹:

ایک میت نے والدہ، والد، ایک بیٹی اور ایک حاملہ زوجہ وارث چھوڑے۔ حمل کو ایک لڑکا تصور کر کے قبل از وضع حمل تقسیم کر لی گئی۔ بعد میں ایک لڑکا اور لڑکی اکٹھے پیدا ہوئے ہر دو صورتوں میں ورثاء کے حصے بتاؤ۔

قبل از ولادت ورثاء کے حصے

بیوی کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

والد کا حصہ = ۱/۶

باقی $= ۱-(\frac{۱}{۸}+\frac{۱}{۶}+\frac{۱}{۶}) = \frac{۱۳}{۲۴}$

یہ (۱۳/۲۴ حصہ) بیٹی اور حمل (بیٹے) میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

اس لئے بیٹی کا حصہ $= \frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۱}{۳} = \frac{۱۳}{۷۲}$

بیٹے کا محفوظ حصہ $= \frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۲}{۳} = \frac{۱۳}{۷۲}$

بعد از ولادت ورثاء کے حصے

بیوی، والدہ اور والدہ کے وہی حصے رہیں گے جو پہلے ہیں البتہ باقی (۱۳/۲۴ حصہ) اب دو لڑکیوں اور ایک لڑکے میں تقسیم ہوگا۔

اس لئے (لڑکے) کا حصہ

$$= \frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۲۶}{۹۶}$$

ہر ایک (لڑکی) کا حصہ =

$$\frac{۱۳}{۲۴} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۱۳}{۹۶}$$

یعنی پہلے سے موجودہ بیٹی کا حصہ بقدر

$$\frac{۱۳}{۲۸۸} = \frac{۳۹+۵۲}{۲۸۸} = \frac{۱۳}{۹۶} - \frac{۱۳}{۷۲}$$

کم ہوجائے گا اس سے یہ حصہ واپس لے کر بیٹے کے محفوظ حصہ میں شامل کیا جائے تو دونو حصوں کی میزان

$$\frac{۱۷}{۲۸۸} = \frac{۱۳+۱۰۴}{۲۸۸} = \frac{۱۳}{۲۸۸} + \frac{۲۶}{۷۲}$$

= ۱۳/۳۲ بنی اس میں نومولود بیٹے کو ۲۶/۹۶ اور نومولود بیٹی کو ۱۳/۹۶ حصہ دیا جائے گا۔

مثال نمبر ۱۰:

ایک میت نے والدہ، والد، چچا اور ایک حاملہ زوجہ وارث چھوڑے ورثاء نے حمل کو ایک لڑکا تصور کر کے تقسیم ترکہ کر لی۔ بعد میں دو توام لڑکے پیدا ہوئے ہر دو صورتوں میں ورثاء کے حصے بتائیے۔ جبکہ ترکہ کی مالیت ۴۸۰۰۰ روپے ہو۔

قبل از ولادت ورثاء کے حصے

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

والد کا حصہ = ۱/۶

بعد از ولادت ورثاء کے حصے

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

والدہ کا حصہ = ۱/۶

والد کا حصہ = ۱/۶

حمل (بیٹے) محفوظ حصہ =

١ - (١/٨ + ١/٦ + ١/٦) = ١٣/٢٤

اس لئے ٤٨٠٠٠ روپے میں زوجہ کا حصہ =

٤٨٠٠٠ × ١/٨ = ٦٠٠٠ روپے

والد کا حصہ = ٤٨٠٠٠ × ١/٦ = ٨٠٠٠ روپے

والدہ کا حصہ = ٤٨٠٠٠ × ١/٦ = ٨٠٠٠ روپے

حمل (بیٹے) کا حصہ

= ٤٨٠٠٠ × ١٣/٢٤ = ٢٦٠٠٠ روپے

دو بیٹوں کا حصہ = باقی =

١ - (١/٨ + ١/٦ + ١/٦) = ١٣/٢٤

ہر ایک بیٹے کا حصہ = ١٣/٤٨

اس لئے ٤٨٠٠٠ روپے میں سے ٦ ہزار زوجہ کو ٨ ہزار روپے والدہ کو، ٨ ہزار والد کو اور ١٣ ہزار روپے ہر بیٹے کو ملیں گے۔

نوٹ: ۔ اِس دور میں طبی سائنس نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ حمل کے وجود میں آنے کے بعد حقائق کا علم بآسانی طبی ٹیسٹ سے ہو جاتا ہے اس کے مطابق عمل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن احتیاط بہرحال اختیار کر لینی چاہیئے۔ ولادت کا انتظار ہی بہتر ہے۔ بصورت دیگر رثاء سے تقسیم ترکہ احتیاط کو مدنظر ان کی تحریری اجازت سے شریعت کے مطابق کی جا سکتی ہے۔

مشق نمبر ۶ سوالات مع جوابات

۱۔ ایک میت نے زوجہ دو ہمشیرہ اور والدہ وارث چھوڑے اس کی زوجہ حاملہ ہے۔ (الف) اگر حمل کو لڑکا تصور کر لیں تو تقسیم ترکہ قبل از وضع حمل کیا ہو گی (ب) نیز اگر بعد میں لڑکی پیدا ہو تو پھر حصے کیا ہوں گے؟

جواب: الف۔ زوجہ کا حصہ= ۱/۸ والدہ کا حصہ =۱/۶

حمل (لڑکا) کا محفوظ حصہ = ۱۷/۲۴، دونو ہمشیرہ محروم

ب۔ زوجہ کا حصہ= ۱/۸ والدہ کا حصہ =۱/۶

بیٹی کا حصہ = ۱/۲ ہر ایک ہمشیرہ کا حصہ= ۵/۴۸

۲۔ نعیم خان نے اپنا والد ایک زوجہ اور ایک بیٹا (جمیل خان) وارث چھوڑے دو ماہ بعد اس کا بیٹا جمیل بھی اپنی حاملہ بیوی چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ (الف) اس وقت حمل کو لڑکا تصور کر کے جائداد تقسیم کر لی گئی (ب) بعد میں لڑکی تولد وئی دونو صورتوں میں ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

جواب: الف۔ زوجہ کا حصہ= ۱/۸ والد کا حصہ =۱/۶

حمل (پوتے) کا محفوظ حصہ = ۱۷/۲۴، اور بیٹے کی زوجہ محروم

ب۔ پوتی تولد ہونے کی صورت میں

زوجہ کا حصہ = ۱/۸ نوزائید پوتی کا حصہ =۱/۲

والد کا حصہ = ۳/۸ اور بیٹے کی زوجہ محروم

۳۔ ایک شخص کی وفات پر اس کی والدہ، حاملہ زوجہ اور ایک بھائی موجود تھے۔ (الف) اگر حمل کو لڑکا تصور کر کے ترکہ تقسیم کر دیا جائے تو ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

ب۔ نیز اگر بعد میں مُردہ بچہ پیدا ہو تو اس صورت میں بھی ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

جواب: الف۔ زوجہ کا حصہ= ۱/۸ والدہ کا حصہ =۱/۶

حمل کا محفوظ حصہ = ۱۷/۲۴، اور بھائی محروم

ب۔ زوجہ کا حصہ= ۱/۴ والدہ کا حصہ =۱/۳

اور بھائی کا حصہ = ۴/۱۲

۴۔ نذیر احمد نے اپنی والدہ اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے اور اس کے بھائی سعید احمد مرحوم کی زوجہ بھی (جو حاملہ ہے) موجود تھی۔ (الف) اگر حمل کو لڑکا تصور کریں تو ہر ایک وارث کے حصے بتاؤ؟ نیز اگر لڑکی پیدا ہو تو پھر بھی ورثاء کے حصے بتایئے

جواب: الف۔ والدہ کا حصہ = ۱/۶ ہر بیٹی کا حصہ = ۱/۳

بھتیجا (حمل) کا محفوظ حصہ = ۱/۶،

ب۔ والدہ کا حصہ = ۱/۳ ہر دختر کا حصہ = ۱/۳

اور بھتیجی (بھائی کی بیٹی) محروم

۵۔ ایک میت نے ایک بیٹی، والدین اور حاملہ زوجہ ورثاء چھوڑے (الف) اگر حمل کو لڑکا تصور کرلیں تو ورثاء کے حصے بتایئے۔ (ب) نیز اگر بعد میں لڑکی پیدا ہو تو پھر حصے کیا ہوں گے؟

جواب: الف۔ زوجہ کا حصہ = ۱/۸ والد کا حصہ = ۱/۶

والدہ کا حصہ = ۱/۶، حمل (لڑکے) کا محفوظ حصہ = ۱۳/۲۴

ب۔ زوجہ کا حصہ = ۱/۹ والد کا حصہ = ۴/۲۷

والدہ کا حصہ = ۴/۲۷ اور ہر ایک لڑکی کا حصہ = ۸/۲۷

غرقی، حرقی اور ہدمٰی کی میراث کا بیان

ڈوب کر، جل کر یا دب کر مرنے والوں (یعنی علی الترتیب غرقی، حرقی اور ہدمٰی) کی میراث کے بارہ میں جب کہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون پہلے فوت ہوا۔ اور کون بعد میں تو صحیح طریق یہ ہے کہ ان سب کو ایک ہی وقت کے وفات یافتہ مانا جائے اور کسی کو بھی کسی دوسرے کا وارث قرار نہ دیا جائے۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کا ترکہ براہ راست اپنے اپنے ورثاء میں تقسیم ہو گا۔ یہی حکم جنگ میں قتل ہونے والوں کے متعلق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے خواہ ان میں سے بعض کی بعض دوسروں کے ساتھ کتنی ہی گہری رشتہ داری کیوں نہ ہو۔ ان کا ترکہ صرف ان کے اپنے اپنے ورثاء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور زید بن ثابتؓ سے یہی طریق مروی ہے اور امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بھی اسی مسلک کے قائل ہیں اور یہی مسلک جماعت احمدیہ کا ہے۔

مثال:

ایک آدمی اپنے بیٹے اور ایک بیٹی کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوا۔ گھر پر وہ اپنی بیوی، دو بیٹوں اور ایک بیٹی کو چھوڑ گیا۔ دوران سفر حادثہ پیش آ جانے کی وجہ سے یہ تینوں مسافر جان بحق ہو گئے۔ بیٹا جو ان کے ہمراہ تھا اس کی دو بیٹیاں اور بیوی موجود ہے اگر اس بیٹے کا ترکہ ۱۲،۰۰۰ روپے ہو اور اس کے والد کا ترکہ ۴۰،۰۰۰ روپے ہو تو ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

والد، بیٹا اور ایک بیٹی ایک ہی حادثہ میں فوت ہوئے اس لئے یہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

والد کے ترکہ کی تقسیم جس کے ورثاء بیوی، دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں

بیوی کا حصہ	=	۱/۸
باقی	=	۱ - ۱/۸ = ۷/۸

بیٹے کے ترکہ کی تقسیم جس کے ورثاء والدہ، بیوی، دو بیٹیاں، دو بھائی اور ایک بہن ہیں۔

والدہ کا حصہ	=	۱/۶
بیوی کا حصہ	=	۱/۸

یہ ۸/۷ حصہ دو بیٹوں اور ایک بیٹی میں ۲ : ۱ سے تقسیم ہوگا اس لئے ہر ایک بیٹے کا حصہ =

$$\frac{۷}{۸} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۷}{۲۰}$$

اور بیٹی کا حصہ = $\frac{۷}{۸} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۱}{۴۰}$

پس ۴۰۰۰۰ روپے میں

بیوی کا حصہ = ۵۰۰۰ روپے

ہر ایک بیٹے کا حصہ = ۱۴۰۰۰ روپے

اور بیٹی کا حصہ = ۷۰۰۰ روپے

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳

باقی = $۱ - (\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۸} + \frac{۲}{۳})$

$= ۱ - \frac{۱۶+۳+۴}{۲۴} = \frac{۱}{۲۴}$

یہ ۱/۲۴ حصہ اس کے دو بھائیوں اور ایک بہن ۲ : ۱ سے تقسیم ہوگا۔

پس ایک بھائی کا حصہ = $\frac{۱}{۲۴} \times \frac{۲}{۵} = \frac{۱}{۶۰}$

بہن کا حصہ = $\frac{۱}{۲۴} \times \frac{۱}{۵} = \frac{۱}{۱۲۰}$

لہٰذا ۱۲۰۰۰ روپے میں والدہ کا حصہ = ۲۰۰۰ روپے

لہٰذا ۱۲۰۰۰ روپے میں ہر بیوی کا حصہ = ۱۵۰۰ روپے

۱۲۰۰۰ روپے میں ہر ایک بیٹی کا حصہ = ۴۰۰۰ روپے

۱۲۰۰۰ روپے میں ہر ایک بھائی کا حصہ = ۲۰۰ روپے

۱۲۰۰۰ روپے میں بہن کا حصہ = ۱۰۰ روپے

مثال نمبر ۲:

ایک جنگ میں باپ اور اس کا ایک بیٹا شریک ہوئے اور دونوں ہی مارے گئے والد نے اپنے پیچھے بیوی، دو بیٹیاں اور مارے جانے والے بیٹے کے علاوہ ایک بیٹا چھوڑے اور بیٹے نے اپنے پیچھے اپنی بیوی چھوڑی۔ اپنے اپنے مورث کی جائداد میں ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

یہاں مقتول والد کے ورثاء ایک بیوی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے

لہٰذا بیوی کا حصہ = ۱/۸

باقی = $۱ - \frac{۱}{۸} = \frac{۷}{۸}$

یہ ۷/۸ حصہ ایک بیٹے اور دو بیٹیوں میں تقسیم ہوگا۔

اس لئے بیٹے کا حصہ = $\frac{۷}{۸} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۷}{۱۶}$

بیٹے کے ورثاء والدہ، بیوی کے علاوہ دو حقیقی بہنیں اور ایک بھائی ہے۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

بیوی کا حصہ = ۱/۴

باقی = $۱ - (\frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۴})$

$= ۱ - \frac{۳+۲}{۱۲} = \frac{۷}{۱۲}$

ہر ایک بیٹی کا حصہ = $\frac{۷}{۸} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۷}{۳۲}$

اور مقتول بیٹے کی بیوی = محروم

پس اگر جائداد ۳۲ سہام کئے جائیں تو ۴ بیوی کے ۱۴ زندہ بیٹے کے اور ۷ سہام ہر ایک بیٹی کے ہوں گے۔

یہ ۷/۱۲ حصہ حقیقی بھائی اور دو حقیقی بہنوں میں ۲:۱ سے تقسیم ہوگا۔

بھائی کا حصہ = $\frac{۷}{۱۲} \times \frac{۲}{۴} = \frac{۷}{۲۴}$

ہر ایک بہن کا حصہ = $\frac{۷}{۱۲} \times \frac{۱}{۴} = \frac{۷}{۴۸}$

خنثیٰ کی میراث کا بیان

لغت میں خنثیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جس میں مرد، عورت دونوں کی علامتیں موجود ہوں۔ اگر مرد کی علامتیں غالب ہوں تو اسے مرد تصور کیا جائے گا اور اسے مردوں جیسا حصہ ملے گا۔ اگر عورت کی علامتیں غالب ہوں تو اسے عورتوں جیسا حصہ ملے گا اگر دونوں قسم کی علامتیں برابر ہوں تو اس کو وراثتی اصطلاح میں ''خنثیٰ مشکل'' کہتے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو ترکہ کا کون سا حصہ دیا جائے آیا مرد والا حصہ یا عورت والا حصہ۔

اس بارہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ خنثیٰ کو ان دونو حصوں میں سے چھوٹا حصہ دیا جائے جو اسے مرد فرض کرنے کی صورت میں یا عورت فرض کرنے کی صورت میں مل سکتے ہوں۔ دوسرے لفظوں میں اس کی وہی جنس تصور کی جاوے جس سے دوسری جنس تصور کرنے کی نسبت کم حصہ ملتا ہو۔ یا کچھ بھی نہ ملتا ہو مثلاً اگر ایک میت کے وارث اس کا ایک لڑکا، ایک لڑکی اور ایک خنثیٰ ہوں تو ہم سے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق لڑکی تصور کر لیں گے کیونکہ اس طور سے اسے ترکہ کا ۱/۴ حصہ ملتا ہے اگر لڑکا تصور کریں تو اسے ۲/۵ مل جائے گا۔ اس کو اسی صورت میں نسبتاً کم حصہ مل سکتا ہے جب اسے لڑکی (عورت) تصور کریں۔

لیکن اگر کسی میت کے ورثاء خاوند، والدہ، اخیافی بہن اور علاتی خنثیٰ ہوں تو اسے ہم مرد تصور کریں گے کیونکہ اس طور پر اسے ترکہ کا ۱/۶ حصہ بطور عصبہ ملتا ہے۔ اگر ہم اسے عورت تصور کر لیتے تو پھر یہ ذوی الفروض میں شامل ہو کر ۳/۸ حصہ پا جاتا۔ کیونکہ اس صورت میں تقسیم اس طرح ہوتی ہے۔

خاوند ۱/۲، والدہ ۱/۶، اخیافی بہن ۱/۶، علاتی خنثیٰ بہن ۱/۲

اور یہ عول کی صورت ہے کیونکہ ان حصوں کا مجموعہ $\frac{۱}{۲} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۶} + \frac{۱}{۲}$

$= \frac{۳+۱+۱+۳}{۶} = \frac{۸}{۶}$ اکائی سے بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کرنے سے ورثاء کے حصوں کی نسبت علی الترتیب ۳ : ۱ : ۱ : ۳ اور ان نسبتوں کا مجموعہ ۸ بنتا ہے۔ اس لئے ان کے حصے یہ ہوں گے۔

خاوند کا حصہ = ۳/۸، والدہ کا حصہ ۱/۸، اخیافی بہن کا حصہ ۱/۸، اور علاتی خنثیٰ کا حصہ = ۳/۸ یعنی عورت تصور کرنے سے اسے ۳/۸ حصہ ملتا ہے۔

مرد تصور کرنے سے یہ خنثیٰ علاتی بھائی بنتا ہے اور صرف ۱/۶ حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خاوند کا حصہ = ۱/۲، والدہ کا حصہ = ۱/۶، اخیافی بہن کا حصہ = ۱/۶ (خنثیٰ) علاتی بھائی کا حصہ = باقی = ۱ - (۱/۲ + ۱/۶ + ۱/۶) = ۱/۶ سو چونکہ مرد تصور کرنے کی صورت میں خنثیٰ کو نسبتاً کم حصہ ملتا ہے اس لئے اسے مرد ہی تصور کیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی میت صرف ایک نواسہ اور ایک خنثیٰ نواسہ چھوڑے تو ہم اسے عورت تصور کریں گے کیونکہ اس طرح اسے جائداد کا ۱/۳ حصہ ملے گا۔ اور نواسے کو ۲/۳، اگر خنثیٰ کو مرد تصور کریں تو وہ آدھی جائداد کا وارث بن جائے گا۔ چونکہ اسے عورت تصور کرنے میں ہی نسبتاً کم حصہ ملتا ہے۔ اس لئے اسے عورت تصور کریں گے۔

مثال:

اگر ایک میت خاوند۔ سگی بہن اور ایک خنثیٰ (علاتی) وارث چھوڑے تو ہر ایک کا حصہ بتاؤ۔

الف۔ اگر خنثیٰ (علاتی) کو مرد تصور کریں گے ورثاء کے حصے یہ ہوں گے۔

خاوند = ۱/۲ سگی بہن = ۱/۲

علاتی بھائی یعنی خنثیٰ عصبہ ہو گا۔ اس لئے محروم رہے گا (کیونکہ جائداد ذوی الفروض میں ہی پوری ہوگئی)

ب۔ اگر خنثیٰ کو عورت تصور کریں تو پھر وہ علاتی بہن بن جائے گا اور حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ اس کا مقررہ حصہ ۱/۶ ہو گا۔ اگر عول کی صورت بن جانے سے اس کا صحیح حصہ ۱/۷ رہ جائے گا پھر بھی یہ حصہ پہلی صورت کے حصہ سے زیادہ ہے جس میں اسے کچھ بھی نہیں ملنا تھا۔ لہٰذا اس مثال میں ہم اس خنثیٰ کو مرد تصور کریں گے۔

مثال نمبر ۲:

اگر کسی میت کے وارث صرف اس کے چچا کی اولاد ہو جو ایک بیٹے اور ایک خنثیٰ پر مشتمل ہے ہو تو ہر ایک وارث کا حصہ بتاؤ۔

چچا کا بیٹا عصبہ میں شامل ہے اور چچا کی بیٹی ذوی الارحام میں شامل ہے۔ عصبہ

کے ہوتے ہوئے ذوی الارحام محروم ہوتے ہیں۔اس لئے خنثٰی کو عورت یعنی چچا کی بیٹی تصور کریں گے لہٰذا وہ محروم رہے گی اور تمام جائداد کا مالک چچا کا بیٹا ہوگا۔

نوٹ: امام شافعیؒ کے نزدیک خنثٰی کا حکم وہی ہے جو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ ابتدائی تقسیم تو اس طرح کی جائے کہ خنثٰی کو بڑا حصہ ملے، لیکن عملاً اسے صرف چھوٹا حصہ دیا جائے یعنی جو نسبتاً کم ہو۔ بقیہ حصہ یعنی بڑے اور چھوٹے حصہ میں جو فرق ہے اسے امانت رکھا جائے اور خنثٰی کی حالت میں کسی تبدیلی کا انتظار کیا جائے ممکن ہے بڑا ہو کر اس میں مرد یا عورت کی کوئی نمایاں علامات ظاہر ہو جائے۔ ایسی علامت ظاہر ہونے کے بعد جو بھی صورت ہو اگر اس کے مطابق خنثٰی کا حصہ پورا کرنے کے بعد زیر امانت حصہ میں سے کچھ باقی بچتا ہو تو وہ دوسرے وارثوں میں اُن کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے اور اگر کوئی فیصلہ کن علامت ظاہر نہ ہو تو پھر مصالحت کی صورت یعنی رضا مندی سے جیسے مناسب سمجھا جائے۔ عمل کر لیا جائے۔ اس مصالحت کے لئے خنثٰی کا بالغ ہونا ضروری نہیں۔

مفقود الخبر یعنی لا پتہ شخص کی میراث کا بیان

مفقود الخبر کے لغوی معنے ''لا پتہ'' کے ہیں۔ وراثتی اصطلاح میں مفقود الخبر اسے کہا جاتا ہے جس کے بارہ میں یہ علم نہ ہو سکے کہ وہ کہیں زندہ موجود ہے یا وفات پا چکا۔ حنفیوں کے نزدیک مفقود الخبر کے لئے انتظار کرنے کی مدّت نوے برس ہے۔ یعنی جب تک اس کی عمر ۹۰ برس نہ ہو جائے اس کی موت کا حکم نہ لگایا جائے۔ یعنی اس کا ترکہ تقسیم نہ کیا جائے۔ یہ مدتِ انتظار اپنی طوالت کی وجہ سے بہت سی الجھنیں پیدا کرتی ہے خاص طور پر جب کہ مفقود الخبر کی بیوی بھی موجود ہو۔ اس لئے اب علمائے احناف نے حضرت امام مالکؒ کے مسلک کو تسلیم کر لیا ہے یعنی جس روز سے وہ شخص مفقود الخبر ہو اس روز سے چار سال کے بعد اس کی زوجہ قضائی فیصلہ حاصل کر کے اور عدت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے گویا چار سال کے بعد مفقود الخبر کو وفات یافتہ قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کا ترکہ تقسیم کیا جا سکتا ہے، لیکن فقہا نے اس بارہ میں امام وقت کی اجازت کی شرط لگائی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

۱۔ **قَالَ بَعْضُهُمْ مَالُ الْمَفْقُوْدِ مَوْقُوْفٌ اِلٰى اِجْتِهَادِ الْاِمَامِ وَمَوْقُوْفُ الْحُكْمُ فِىْ حَقِّ غَيْرِهٖ حَتّٰى يُوْقِفَ نَصِيْبَهٗ مِنْ مَالِ مُوْرِثِهٖ**

(تنویر الحواشی شرح سراجی صفحہ ۱۱۳)

بعض فقہاء کے نزدیک مفقود الخبر کے مال کو ترکہ قرار دینے کا فیصلہ امام (وقت) کے اجتہاد پر موقوف ہے اور دوسرے کے ترکہ میں اُس کے حصہ کا فیصلہ بھی ایسے ہی حکم پر موقوف ہے پس مورث کے مال میں اس کا حصہ کیا ہے اور کتنا ہے یہ بھی عدالتی فیصلہ پر موقوف ہوگا۔

۲۔ **فَوَّضَهٗ بَعْضُهُمْ اِلَى الْقَاضِىْ فَاَىَّ وَقْتٍ رَاٰى الْمَصْلِحَةَ حَكَمَ بِمَوْتِهٖ**

(قال الشارح وھو المختار بحر الرائق صفحہ ۱۶۵)

بعض لوگوں نے اس معاملہ کو قاضی کے سپرد کیا ہے جب بھی وہ مناسب خیال کرے ایسے شخص کی موت کا فیصلہ کر دے۔

۳۔ قَالَ بَعْضُهُمْ اِذَا انْقَطَعَتْ اَخْبَارُ الْمَفْقُوْدِ فِی الْحَرْبِ عَامِیْنِ اَوْعَامًا وَاحِداً عُدَّ هَالِكًا (الاسرہ فی الشراع اسلامی)

بعض کا خیال ہے کہ جنگ کے دوران مفقود الخبر شخص کے بارہ میں دو سال تک یا ایک سال تک کوئی خبر نہ آئے تو اس کو ہلاک ہونے والوں میں شمار کیا جائے۔

ان تمام حوالوں سے ظاہر ہے کہ آخری فیصلہ امام وقت یا اس کے قائم کردہ عدالتی ادارہ قضا پر موقوف ہے۔ بہرحال عام قاعدہ یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں زوجہ کے نکاحِ ثانی کے لئے مدّت بالعموم ایک سال چار ماہ دس دن سے کم نہیں ہونی چاہئے اور جائداد کی تقسیم کے لئے ۴ سال سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

نوٹ: عدالت یا قضا جب بھی مفقود الخبر کی موت کے متعلق حکم صادر کرے تو جو وارث حکم جاری ہونے کے وقت زندہ موجود ہوں وہی اس کے وارث متصور ہوں گے کیونکہ ورثاء یا وارث کا موروث کی وفات کے وقت زندہ ہونا ضروری ہے۔ وہ رشتہ داری جو مفقود الخبر کی وفات کا حکم جاری ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے وہ وارث نہیں ہوں گے۔

اسیر کی میراث کا بیان!

مسلمان قیدی کے لئے میراث کا وہی حکم ہے جو دیگر آزاد مسلمانوں کے لئے ہے یعنی اس کے ترکہ کی تقسیم کے بارے میں اور دوسرے مورثوں کی جائداد میں اس کے حصہ کے بارے میں جب تک وہ قیدی اسلام پر قائم ہے وہی ضوابط اور قواعد ملحوظ رکھے جاتے ہیں جو دیگر مسلمانوں کے بارے میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ اگر وہ قید ہونے کے بعد کسی بھی وجہ سے مذہب اسلام سے روگردانی کرے یعنی مرتد ہو جائے تو اس کا حکم مرتد کا ہوگا اور اگر اس کے زندہ یا فوت ہونے کی خبر کسی بھی ذریعہ سے نہیں ملتی اور اغلب خیال اس کی وفات کا ہو تو اس صورت میں اس کا حکم مفقود الخبر کا ہوگا۔

موجودہ دور میں سفیروں کے ذریعہ اس بات کا علم آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے کہ کس ملک کے کتنے قیدی کہاں کہاں تھے اور اُن میں سے کون کون زندہ ہیں۔ اس لئے حالات کے مطابق ان کی اپنی جائداد اور دوسروں کی جائداد میں ان کے حصوں کے بارہ میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

ولد الملاعنہ اور ولد الحرام کی میراث کا بیان

ولد الملاعنہ اس بچے کو کہتے ہیں جس کا حمل میں آنا تو اثنائے ازواج میں ہو لیکن اس کی ماں کے خاوند نے بچے کے والد ہونے سے انکار کیا ہو اور قرآن میں مذکور طریق کے مطابق باہم لعنت کرنے کے بعد میاں بیوی علیحدہ ہو گئے ہوں۔

ایسا بچہ والدہ کی جہت سے یعنی ماں کی طرف سے ترکہ میں وارث ہو گا اور والدہ ایسے بچے کی وارث ہو گی۔ وہ اس مشکوک والد اور اس کے رشتہ داروں کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ رشتہ دار اس کے وارث ہوتے ہیں۔

ولد الحرام اس مشکوک بچے کو کہتے جس کا حمل اثنائے نکاح میں قرار نہ پایا ہو اور نہ ہی وہ اقرار سے جائز بچہ تسلیم کیا گیا ہو۔ ایسے بچے کی وراثت بھی اس کی ماں فرضاً ورداً حاصل کرے گی اور اگر ماں موجود نہ ہو۔ تو ماں کے ذوی الارحام اس کے وارث ہوں گے ولد الزنا کا اخیافی بھائی اس کا عصبہ نہ ہو گا۔ البتہ مادری (اخیافی) جہت سے میراث حاصل کر سکے گا۔ (بحوالہ کنز الفرائض صفحہ ۱۰۱)

باب یازدہم

دادا کے ترکہ میں یتیم پوتے کی میراث

اسلامی قانونِ وراثت میں، یتیم پوتا اپنے چچا یا چچاؤں کی موجودگی میں خواہ وہ حقیقی ہوں یا علاتی اپنے دادا کے ترکہ سے کیوں محروم رہتا ہے یہ ایک نہایت ہی اہم اور ضروری سوال ہے جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ایک شخص جس کے چند بیٹے بیٹیاں ہیں اس کے بیٹوں میں سے اگر کوئی بیٹا فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے ایک یا زیادہ بیٹے یتیم چھوڑ جائے تو دادا کے فوت ہونے پر یہ یتیم پوتے جن کا کفیل باپ کے بعد صرف اور صرف دادا ہی تھا وہ اپنے دادے کے ترکہ سے کیوں حصہ نہ پائیں اور سارا مال ان کے چچا کیوں لے جائیں حالانکہ ان کے چچاؤں کی نسبت ان یتیم پوتوں کو اس مال کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ چچا تو عموماً جوان اور مضبوط ہونے کی بنا پر اپنی روزی خود کما سکتے ہیں۔لیکن یہ کم عمر اور کمزور پوتے دادا کے ورثہ کے شدید محتاج ہوتے ہیں۔ پھر بھی انہیں خالی ہاتھ چھوڑ کر تمام جدّی جائداد چچاؤں کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔اگر ان یتیموں کا والد زندہ رہتا اور دادا کے بعد فوت ہوتا تو پھر اپنے والد کے توسط سے یہ یتیم پوتے بھی اس جدی جائداد سے حصہ پاتے جس کے مالک اب ان کے چچا ہیں۔گویا اس طرح انہیں تین صدمے دیکھنے پڑے۔

اوّل: اپنے کفیل والد کی وفات

دوم: والد کے بعد اپنے دادا کی وفات

سوم: دادا کی وفات کے بعد اس کے ترکہ سے بکلی محرومی۔

یہ محرومی اور بھی شدت اختیار کر جاتی ہے کہ جب کسی خاندان میں جدّی جائداد کا رواج ہو۔یعنی سب دادا، باپ بیٹے وغیرہ اکٹھے کام کرتے ہوں اور جائداد مشترکہ ہو۔ اگر درمیان میں کسی بیٹے کا انتقال ہو جائے تو یتیم پوتے دادا کی وفات کے بعد اس کے ترکہ سے مکمل طور پر محروم رہ جاتے ہیں اور ان کے زندہ چچا اس تمام جائداد کے وارث بن جاتے ہیں جس جائداد کے فراہم ہونے میں ان کے والد کی کمائی بھی شامل ہے۔ اس طرح سے ایک ہی خاندان میں افراط وتفریط پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک حصہ بہت امیر ہو جاتا ہے دوسرا

نہایت ہی غریب رہ جاتا ہے۔ زندہ چچا اوران کی اولادیں تو اس جدّی جائداد پر دادِعیش حاصل کررہی ہیں اور یہ یتیم بھتیجے اپنی گزراوقات کے فکر میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ اس مسئلہ کی اہمیت مختلف خاندانوں میں مختلف انداز سے شدت اختیار کرتی ہے۔ یہ مسئلہ کوئی فرضی یا جذباتی مسئلہ نہیں بلکہ ایک حقیقی اور سنجیدہ مسئلہ ہے اوراس امر کا متقاضی ہے کہ پوری متانت اورتوجہ سے اس کا حل تلاش کیا جائے خصوصاً ہمارے معاشرہ میں ایسے حالات سے اکثر واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے ہرقسم کے تعصّبات سے ہوکر نہایت ٹھنڈے دل کے ساتھ اس معاملہ پرغور کرنا چاہئے عام لوگوں نے یتیموں کے حقوق ادا کرنے میں مروجہ اسلامی قانون وراثت کو ایک روک سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ اسلام نے یتیموں کے حقوق کے بارے میں بڑی شدت سے تاکید فرمائی ہے۔ معاندین اسلام اورخود بعض کم علم مسلمان بھی اس مسئلہ کی آڑ لے کر اسلامی نظام وراثت پر بے جا اعتراض کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پرسیر حاصل بحث کی جائے اور پتہ لگایا جائے کہ وہ کون سی نصوص ہیں جس پر اس مسئلہ کی بنیاد ہے۔

آیئے سب سے پہلے ہم اس معاملہ کے دوسرے رُخ پر بھی نظر ڈالیں۔ جہاں یتیم پوتوں کے مندرجہ بالا حالات متصور ہوسکتے ہیں وہاں یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت چچا بھی بے کسی، کسمپرسی اورغربت کی حالت میں گزربسر کررہے ہوں اوراپنے باپ کی کمائی کی وجہ سے پوتے خوشحال ہوں۔ اگر ایک آدمی کے بعض بچے بہت چھوٹے ہوں تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے اس چھوٹی اولاد کی نگہداشت اس انداز سے یا اس حد تک نہیں کرپاتا جتنی کہ وہ پہلی یا بڑی اولاد کی کرتا تھا۔ جب کہ وہ جوان اورتوانا تھا۔ اس لئے اگر بوڑھا دادا فوت ہوجائے جس کے چند ایک چھوٹے بیٹے بھی ہوں اوراس کی جوتھوڑی بہت جائداد ہو اس میں بھی بڑے بیٹے کے یتیم مگر زیادہ خوشحال بیٹے حصہ داربن بیٹھیں تو پھران بیچاروں (یتیم چچاؤں) کو نہ ملنے کے برابر ہی حصہ ملے گا غرضیکہ جس طرح متوفی بیٹے کے یتیم رہ جانے والے بیٹوں کے حالات قابل رحم ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح متوفی باپ کے یتیم رہ جانے والے چھوٹے بیٹوں کے حالات بھی قابل رحم ہوسکتے ہیں اس لئے کسی حسابی قاعدہ یا کُلیہ کے ذریعہ جوتمام ورثاء پر یکساں طور پر حاوی ہو۔ ان مشکلات کا حل کیا جانا مشکل نظر آتا ہے، لیکن جوتعلق اشتراک

اور محبت قدرت نے دادا، بیٹے، پوتے اور دوسرے رشتہ داروں کے درمیان و دیعت کر رکھی ہے وہ متقاضی ہے کہ کوئی ایسی مؤثر وجہ ضرور موجود ہو جس کی بناء پر اسلامی شریعت میں یتیم پوتے اپنے دادا کے ترکہ سے محروم سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ پر دونوں پہلوؤں سے بحث کی جائے گی کہ کن دلائل سے یتیم پوتا دادا کی میراث سے محروم رہ سکتا ہے اور کن دلائل کی رو سے میراث کا حقدار قرار دیا جا سکتا ہے۔

یتیم پوتوں کی محرومی کے دلائل:

①

پہلی دلیل جو بطور بنیاد اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے وہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِاَهْلِهَا فَمَابَقٰى فَهُوَ لِاَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ.

(صحیح بخاری، کتاب الفرائض۔ ترکہ کا بیان)

یعنی ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے وہ اس مرد رشتہ دار کو دیا جائے جو عصبی رشتہ کے لحاظ سے متوفی کے سب زیادہ قریب ہو۔ مثلاً ایک میت کے رشتہ دار اس کا ایک بیٹا، والدہ، ایک زوجہ، ایک پوتا اور ایک بھائی موجود ہوں تو اس میت کے ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی۔ کہ ذوی الفروض کو ان کے حصے (یعنی والدہ کو ۱/۶ حصہ اور زوجہ کو ۱/۸ حصہ) دینے کے بعد جو باقی بچے وہ بیٹے کو دے دیا جائے یعنی اس صورت میں ۱۷/۲۴ حصہ بیٹے کو ملے گا اور بھائی اور پوتا دونو محروم رہیں گے۔ کیونکہ بیٹا بھائی کی نسبت متوفی کا زیادہ نزدیکی رشتہ دار ہے بیٹا میت کا اپنا جز ہے۔ بھائی میت کے والد کا جُز ہے پس بیٹا درجہ اوّل کا عصبہ ہے اور بھائی درجہ دوم کا، اس لئے بیٹے کے مقابلے میں محروم رہے گا۔ گویا عصبات میں قریب ترین رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دُور کا رشتہ دار ترکہ سے محروم رہتا ہے۔ اسی طرح ظاہر ہے کہ بیٹے اور پوتے میں سے بھی بیٹا زیادہ قریبی رشتہ دار ہے بیٹا اور پوتا ایک ہی درجہ کے عصبات یعنی میت کے جز ہیں، لیکن بیٹے کی قوتِ قرابت پوتے کی نسبت زیادہ ہے۔ اس لئے اگر کسی میت کا بیٹا زندہ ہے تو اس کے فوت شدہ بیٹے کی اولاد یعنی میت کے یتیم پوتے اپنے دادا کے ترکہ سے حصہ نہیں پا سکتے۔

②

دوسری دلیل حضرت زید بن ثابتؓ کا اپنا قول ہے جو بخاری نے نقل کیا ہے۔

"لَایَرِثُ وَلَدُالْاَبنِ مَعَ الْاِبْنِ"

یعنی بیٹے کے ساتھ، بیٹے کا بیٹا (یعنی پوتا) وارث نہیں ہوتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر بیٹا موجود ہو تو یتیم پوتا اپنے دادا کے ترکہ سے حصہ نہیں پاتا۔

اب یہ قول اس شخص کا ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وعلمها بالفرائض زيد بن ثابت (مسند امام احمد)

یعنی فرائض (وراثت) کے مسائل کو جتنا زید بن ثابتؓ جانتے ہیں اتنا اور کوئی نہیں جانتا اس لئے اس قول کی پابندی ضروری ہے لہٰذا اگر بیٹا موجود ہو تو یتیم پوتا اپنے دادا کی جائداد سے حصہ نہیں پائے گا۔

③

تیسری دلیل حجب وحرمان کا وہ اصول ہے جو فقہا نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں وضع کیا ہے یعنی **الاقرب فالاقرب** یعنی عصبات میں قریب تر بعید تر کو محروم کر دیتا ہے بیٹا زیادہ قریب ہے بہ نسبت پوتے کے اس لئے بیٹے کی موجودگی میں یتیم پوتا وارث نہیں ہوسکتا۔

④

چوتھی دلیل اُمت کے تمام فقہاء اور علماء کا اتفاق ہے صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک کوئی ایک فقیہ یا کوئی ایک محدث بھی ایسا نہیں ملتا جس نے اس مسئلہ سے اختلاف کیا ہو اور وہ پوتے کو دادے کی جائداد سے حصہ دلوانے کا حامی ہو۔ اُمت کا یہ اتفاق اس مسئلہ کو شرعی لحاظ سے بہت مضبوط کر دیتا ہے۔ یعنی تعامل اِس کے حق ہے۔

⑤

پانچویں دلیل یہ ہے کہ جس طرح بیٹا وارث ہے اسی طرح بیٹی بھی وارث ہے (صرف حصوں میں فرق ہے) پس اگر چچا کی موجودگی میں یتیم پوتا اپنے والد کے قائم مقام کی حیثیت سے دادا کے ترکہ کا وارث قرار پائے تو پھر اسی طرح نواسہ اپنی وفات یافتہ والدہ کے قائم مقام کی حیثیت سے اپنے نانا کے ترکہ سے حصہ پائے گا جو وراثت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے یعنی نواسے براہ راست نانا کی جائداد کے وارث نہیں ہو سکتے ان کا شمار ذوی الارحام میں ہے اور انہیں اسی وقت حصہ ملتا ہے جبکہ ذوی الفروض میں سے بھی (سوائے زوج یا زوجہ کے) اور عصبات میں سے بھی کوئی موجود نہ ہو۔ اس لئے یتیم پوتے کو اپنے باپ کے قائمقام ہوکر میراث حاصل کرنے سے نواسے نواسی کو بھی حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے حصے کے حقدار ہوں اور اس طرح وراثت کے مسلمہ اصولوں پر زد پڑتی ہے۔

یتیم پوتے کی میراث کے حق میں دلائل

اب ان دلائل کو پیش کیا جاتا ہے جن کی رو سے یتیم پوتا اپنے چچا کے ہوتے ہوئے دادا کے ترکہ میں حصہ دار سمجھا جا سکتا ہے۔

①

ایسی کوئی بھی آیۂ کریمہ یا حدیث نبویؐ موجود نہیں جس سے چچا کی موجودگی میں اپنے دادا کے ترکہ سے یتیم پوتے کی محرومی واضح طور پر ثابت ہوتی ہو۔ بلکہ اس کے برعکس قرآن پاک کی جتنی بھی آیات مسئلہ وراثت کی بنیاد ہیں ان سب میں پوتے کے وارث ہونے کا جواز موجود ہے۔ اسلام نے وراثت کے تین اسباب بیان کئے ہیں۔

۱۔ حسب ونسب
۲۔ تعلقِ زوجیت
۳۔ تعلق ولاء

ان تین اسباب میں سے نسبی سبب یا تعلق سب سے زیادہ مؤثر اور قوی تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس میں سے جزئیت یعنی ولدیت کے تعلق کو بہت زیادہ مضبوط اور دائمی وراثت کا باعث سمجھا گیا ہے اور ترکہ کی تقسیم میں اس باب کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ کسی رشتہ دار سے بلحاظ ذمہ دار جس نسبت سے نفع اور آرام میسّر ہو اسی نسبت سے وراثت میں اس کا حق مقدم رکھا جائے۔ سورۃ نساء آیت ۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّاتَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْکَثُرَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا٥

''یعنی مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے اس ترکہ میں حصہ ہے جو اُن کے ماں باپ یا قریبی رشتہ دار چھوڑ کر فوت ہو گئے ہوں جائداد (ترکہ) قلیل ہو یا کثیر ہر دو صورت میں ہر ایک کا حصہ مقرر ہے''

گویا اس آیت میں وارث ہونے کے لئے دو وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ باپ بیٹے یا ماں بیٹے کا رشتہ جس کی طرف لفظ والدان اشارہ کرتا ہے۔

۲۔ قرابت کا رشتہ جس کی طرف لفظ اقربون توجہ دلاتا ہے۔ لہٰذا جو رشتہ دار زیادہ قریبی ہوگا وہ ورثہ پائے گا۔ اور دُور کے رشتہ دار کو محروم کر دے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پوتے کا تعلق کس رشتہ سے ہے پہلے سے یا دوسرے سے پھر اس کے مطابق اس سے سلوک کیا جائے گا یہ صاف ظاہر ہے اور اس نقطہ نظر کے تمام علماء اور فقہاء امّت اس سے متفق ہیں کہ پوتے کے وارث ہونے کی بنیاد ''ولدیت'' پر ہے یعنی وہ اولاد کے زمرہ اور مفہوم میں شامل ہے اس لئے یتیم ہونے کی صورت میں بھی اپنے دادا کی جائداد کا وارث ہوگا۔ کیونکہ وہ (پوتا) اپنے باپ کا جز ہے اور باپ اپنے باپ (دادا) کا جز ہے اور جز کا جُز بھی اصل کا جُز ہی ہوتا ہے سو اسی بناء پر جب درمیانی جُز نہ رہے یعنی پوتے کا والد فوت ہو جائے تو پھر یہ (پوتا) دادا کے ترکہ کا بلاواسطہ وارث بن جاتا ہے۔ اور اس آیت کے مطابق ترکہ کے حصہ کا حق دار ہے۔

②

دوسری دلیل جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دادا کے ترکہ میں پوتا بھی حصہ دار ہے یہ آیت کریمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَ لِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ (سورہ نساء آیت ۱۲)

یہ آیت جس طرح باپ اور بیٹے کو ایک دوسرے کا وارث قرار دیتی ہے بعینہٖ اسی طرح یہ دادے اور پوتے کو بھی ایک دوسرے کا وارث قرار دیتی ہے۔ اسی لئے جب باپ موجود نہ ہو دادا پوتے کے ترکہ میں باپ کا قائم مقام ہو کر اس کا شرعی حصہ بمطابق حالات حاصل کرتا ہے۔ دوسرے عربی زبان میں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ والد اور اَبْ کا اِطلاق جس طرح باپ پر ہوتا ہے اسی طرح دادے پر بھی ہوتا ہے جس طرح ولد اور ابن کا لفظ بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے اسی طرح پوتوں پڑپوتوں وغیرہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے سو اس آیت میں صرف ''ولد'' کے معنے کیوں محدود کئے جائیں جب کہ حالات کے مطابق اس لفظ میں پوتے یا ان سے نیچے پڑپوتے وغیرہ بھی شامل کر لئے جاتے ہیں۔ ''اَبْ'' کا لفظ تو ہم دادا اور پڑدادا وغیرہ سب کے لئے استعمال کریں اور اس بناء پر باپ کی عدم موجودگی میں دادا وغیرہ کو وارث قرار دے دیں، لیکن جب یتیم پوتے کا سوال آئے تو لفظ ''ولد'' کو اس کی میراث میں روک قرار دے دیں اور کہیں کہ پوتا ''ولد'' میں شامل نہیں سمجھا سکتا۔ ولد کے بھی اسی طرح لغوی اور شرعی معنے لینے چاہئیں جس طرح ''اَبْ'' کے لئے جاتے ہیں اور یتیم پوتے کو بھی اپنے باپ کا قائمقام سمجھتے ہوئے اُسی طرح سے دادا کے ورثا میں سے بیٹا کا حصہ دینا چاہئے جس طرح کہ دادا اپنے بیٹے کا قائمقام ہو کر پوتے کے ترکہ میں والد کا حصہ حاصل کرتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں یہ بات مسلمہ ہے کہ دادے کو باپ کا مقام حاصل ہے۔ تو پھر کیا ان حالات میں یہ ضروری نہیں کہ یتیم پوتے کو بھی بیٹے کا مقام حاصل ہو۔ جہاں

تک اس اصل کا تعلق ہے تمام علماء نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ابن رشید اپنی کتاب بدایۃ المجتہد جلد۲ صفحہ ۲۸۳ پر لکھتے ہیں۔

وَلَدُ الْوَلَدِ وَلَدٌ مِنْ طَرِيْقِ الْمَعْنٰى .... وَعَلٰى هٰذَا اَجْمَعُوْا عَلٰى اَنَّ بَنِي الْبِنِيْنَ يَقُوْمُوْنَ مَقَامَ الْبَنِيْنَ عِنْدَ فَقْدِ الْبَنِيْنَ يَرِثُوْنَ كَمَا يَرِثُوْنَ وَيَحْجُبُوْنَ كَمَا يَحْجُبُوْنَ.

یعنی پوتا معنوی لحاظ سے بیٹا ہی ہے اسی لئے علماء نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ اگر بیٹے نہ ہوں تو پوتے ان کے قائم مقام ہوں گے۔ وہ اسی طرح وارث بنیں گے جس طرح بیٹے وارث بنتے ہیں اور اسی طرح وہ دوسرے ورثاء کی محرومی کا باعث ہوں گے جس طرح کہ ان کی محرومی کا باعث بنتے ہیں۔

حجب کے اسی اصول کے مطابق جب کوئی متوفی ایک زوجہ، والدہ اور پوتا اپنے وارث چھوڑے تو پوتے کو بمنزلہ بیٹا تصور کر کے یعنی ولد کے مفہوم میں شامل کر کے زوجہ کو ۱/۸ حصہ اور والدہ کو ۱/۶ حصہ دیا جاتا ہے۔اسی طرح سے اور بہت سی مثالیں ہیں جہاں پوتے کو بیٹے کی عدم موجودگی میں بیٹے کا قائم مقام تصور کیا گیا ہے اس لئے یتیم ہونے کی صورت میں اسے اس کے باپ کا قائم مقام تصور کرنے میں ہم حق بجانب ہیں۔

مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت یعنی اہل تشیع بعض حالات میں یتیم پوتے کو اپنے والد کا قائم مقام تصور کرتی ہے اور اسے دادا کے ترکہ میں سے حصہ دلاتی ہے۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ پھر اسی قاعدے کی رو سے نواسے بھی (جن کی والدہ فوت ہو جائے) اپنے نانا کے ترکہ کے وارث ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف یہاں لفظ ولد پر بحث ہے نواسے صلبی اور نسبی لحاظ سے نانا کی نرینہ اولاد اور صلبی اولاد نہیں سمجھے جا سکتے۔

③

حضرت ابن عباس سے مروی حدیث کے یہ الفاظ

فَمَابَقٰی فَھُوَ لِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَرٍ.

عصبات کے مختلف درجات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یعنی پہلے درجہ کے عصبات (میت کا جز) جو کہ مرد ہو وارث ہوگا۔ اس کی غیر موجودگی میں میت کے جز کا جز وارث ہوگا۔ اگر میت کے جز میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر دوسرے درجہ کے عصبات یعنی میت کے باپ کے جز وارث ہوں گے۔ اسی طرح سے یہ سلسلہ چلتا ہے بہرحال اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اگر واسطہ قائم نہ رہے تو وارث جو بالواسطہ حقدار تھا۔ محروم ہو جائے گا۔ پھر اگر اسے لفظی رنگ میں ہی چسپاں کرنا چاہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ فقہا نے بہت سے وراثت کے مسائل کو حل کرتے وقت اس کو پیش نظر نہیں رکھا مثلاً اگر ایک میت دو بیٹیاں، ایک بہن اور ایک بھتیجا چھوڑے تو ان کے حصے یہ ہوں گے۔

دو بیٹیوں کا حصہ = ۲/۳

ہمشیرہ = ۱ - $\frac{۲}{۳}$ = $\frac{۱}{۳}$

بھتیجا = محروم

اب اس میں **اولیٰ رجلٍ ذکرٍ** کے تحت جو کچھ ذوی الفروض (بیٹیوں) کو دینے کے بعد بچے وہ یتیم بھتیجے کو ملنا چاہیئے تھا، لیکن وہ محروم ہو گیا اور ہمشیرہ کو بقیہ حصہ مل گیا۔

مثال نمبر۲:

ایک میت نے دو بیٹیاں، دو پوتیاں، ایک پڑپوتی اور ایک پڑپوتا وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ یہ ہوگا۔

دو بیٹیاں = ۲/۳ بطور ذوی الفروض

باقی = ۱/۳

دونوں پوتیاں، ایک پڑپوتی اور ایک پڑپوتا بطور عصبہ ۲:۱ سے حاصل کریں گی۔

اس لئے حصے یہ ہوں گے۔ $\frac{۱}{۱۵}$ ، $\frac{۱}{۱۵}$ ، $\frac{۲}{۱۵}$

اولیٰ رجلٍ ذکرٍ کے تحت چاہیئے تو یہ تھا کہ باقی ۱/۳ صرف پڑپوتے کو ہی دے دیا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

مثال نمبر۳:

اگر ایک میت والدہ، بیٹی، ایک بھائی اور بہن وارث چھوڑے تو اس کے حصے یہ ہوں گے۔

والدہ = ۱/۶، بیٹی = ۱/۲

بھائی کا حصہ = ۲/۹، بہن کا حصہ = ۱/۹

اولیٰ رجلٍ ذکرٍ کے تحت چاہیئے تو یہ تھا کہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی کا ۱/۳ بھائی کو ہی دے دیا جاتا اور بہن محروم رہتی۔

ان مثالوں یا ان جیسی اور بہت سی مثالوں سے یہ ظاہر ہے کہ اولیٰ رجلٍ ذکرٍ کو اُس صورت میں ملحوظ رکھا جاتا ہے جب کہ مختلف درجات کے عصبات موجود ہوں لیکن اگر ہی درجہ میں اپنی قوتِ قرابت کے لحاظ سے مختلف قسمیں ہوں تو ان میں واسطہ کا بھی خیال رکھا جاتا ہے مثلاً عصبات میں اگر بیٹا اور بھائی موجود ہوں تو بھائی دوسرے درجہ کا عصبہ ہے اور بیٹا پہلے درجہ کا اس لئے بھائی اس حدیث کی رُو سے محروم ہوگا۔ لیکن بیٹا اور پوتا ایک ہی درجہ کے وارث ہوں گے گو اپنی قوت قرابت کے لحاظ سے وہ مختلف ہیں۔ اب اگر بیٹا نہ ہو تو پوتا اس کا قائم مقام ہوکر وارث ہوگا۔ اس لئے یہ حدیث یتیم پوتے کی میراث میں روک نہیں۔

④

الاقرب فالاقرب کا اصول جو کہ فقہا نے قرآن اور حدیث کی تعلیم کی روشنی میں بنایا ہے۔ یتیم پوتے کو اپنے دادے کے ترکہ سے میراث حاصل کرنے سے نہیں روکتا۔

کیونکہ فقہا نے حجب وحرماں کے لئے دو اصول وضع کئے ہیں۔

الف۔ **کُلُّ مَنْ یُدْلِی اِلَی الْمَیِّتِ بِشَخْصٍ لَایَرِثُ مَعَ وُجُوْدِ ذٰالِکَ الشَّخْصِ** (سراجیہ)

یعنی ہر وہ شخص جو کسی واسطے سے میت سے قرابت رکھتا ہو وہ واسطہ کے وارث ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوسکتا۔

ب۔ **الاقرب فا الاقرب** (سراجیہ)

یعنی قریب تر بعید تر کو محروم کر دے گا۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ پوتا دادے سے کس واسطہ سے تعلق ہے یا کسی اور قریبی تعلق سے۔

قریبی تعلق سے ظاہر ہے کہ پوتا اپنے باپ کی وساطت سے دادا کا رشتہ دار ہے۔ اس لئے پہلا اصول اس پر **منطبق ہو گا۔ یعنی واسطہ کے ہوتے ہوئے پوتا وارث نہیں ہو گا۔ لیکن جب یہ واسطہ نہ رہے تو پھر یہ اس کا قائم مقام ہو کر اپنا حصہ حاصل کرے گا۔**

دوسرا اصول **الاقرب فالاقرب (اولیٰ رجلٍ ذکرٍ)** کی تفسیر سے جبکہ مختلف درجات کے عصبات موجود ہوں تو اس وقت سب سے زیادہ نزدیکی عصبہ باقی ترکہ کا حقدار ہوگا اور بعید محروم ہوگا۔

پہلا اصول یعنی **کل من یدنی .... مع وجود ذلک الشخص** حضرت زید بن ثابت کے اس قول کی تشریح ہے۔

لَایَرِثُ وَلَدُالْاَبْنِ مَعَ الِابْنِ

''یعنی بیٹے کے ساتھ بیٹے کا بیٹا وارث نہیں ہوتا۔''

نیز اس قول سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیٹے کے بعد بیٹے کا بیٹا وارث ہوتا ہے۔ یعنی پوتا اپنے باپ کا قائم مقام ہو کر حصہ حاصل کر سکتا ہے اس قول سے تو پوتے (یتیم) کی میراث اپنے دادا کے ترکہ میں ثابت ہوتی ہے۔

⑤

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا کوئی بھی ایسا فیصلہ تاریخ سے نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہو کہ ان بزرگوں نے یتیم پوتے کو اپنے موجود چچا کی وجہ سے ترکہ سے محروم قرار دیا ہو۔

⑥

یتیم پوتوں کو دادا کے ترکہ سے میراث نہ دینے کی وجہ سے خاندانی لحاظ سے بغض، حسد، قتل تک کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اچھا بھلا اتفاق و اتحاد سے رہنے والا خاندان دادا کی وفات کے بعد خاندانی جھگڑوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک آدمی کے دو بیٹے ہیں بڑے بیٹے سے اس کا ایک بیٹا ہے اور چھوٹے بیٹے سے تین بیٹے ہیں اس آدمی کا چھوٹا

لڑکا اپنے تین بیٹے چھوڑ کر والد کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا جائداد چونکہ مشترکہ ہے اس لئے یتیم پوتے اپنے دادا کی کفالت میں آ گئے چند سال کے بعد دادا بھی فوت ہو گئے اب چچا تمام جائداد کا وارث بن گیا۔ جس کے واسطہ سے اس کا اپنا بیٹا تمام جائداد کا وارث بن جائے گا۔ اب اگر چچا یہ سوچے کہ اس کی وفات کے بعد جائداد اگر چار پوتوں میں تقسیم ہو تو اس کے اپنے بیٹے کو صرف ۱/۴ ملے گا۔ اور یتیم بھتیجے کل جائداد کا ۳/۴ حاصل کر لیں گے۔ اس لئے وہ تمام جائداد کا کل وارث خود بن جائے گا اور جائداد اپنے نام کروا لے گا تا کہ اس کی وفات کے بعد اُسی کا بیٹا وارث ہو۔

اس کے مقابلہ پر یہ تینوں یتیم پوتے سوچیں گے کہ چچا کے ہوتے ہوئے ان کے دادا کے ترکہ میں سے تو کیا اُن کے باپ کے ترکہ میں سے بھی انہیں حصہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ جائداد مشترکہ تھی اور ہے۔ اور ان کے باپ کی کمائی بھی اس میں جاتی رہی ہے۔ اس لئے وہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے ہر طریق بُروئے کار لانے کے لئے سوچیں گے اور کوشش کریں گے کہ اگر چچا کو قتل کر دیا جائے تو پھر اس طرح وہ وارث قرار پا جائیں گے۔ اور جائداد کا ۳/۴ یعنی بڑا حصہ حاصل کریں گے۔

سو یتیم پوتوں کو میراث سے محروم کرنے کی وجہ سے خاندانی طور پر بد نتائج کا سخت خطرہ ہے۔ اس لئے ان سے بچنے کے لئے یتیم پوتوں کو ان کا حق ضرور دے دینا چاہئے۔

مسئلہ کا صحیح اور شرعی حل

مخالف اور موافق دلائل اس لئے درج کئے گئے ہیں کہ مسئلہ کا ہر پہلو اجاگر ہو جائے اور اس کی شدت اور ضرورت کا احساس ہو جائے۔ اس امر کا فیصلہ کرنا کہ یتیم پوتا وارث ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنے حصہ کا ہے اس کتاب کا مقصد نہیں۔ یہ کام مجلس افتاء کا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یتیم پوتے کو اپنے باپ کا قائم مقام بنا کر حصہ دے بھی دیں تو بھی یتامٰی کے مسائل حل نہیں ہو جاتے عام حالات میں تھوڑا سا سرمایہ یا جائداد کا کچھ حصہ ہی ملے گا۔ جو معاشی لحاظ سے والد کی کمی کو پورا نہیں کر سکتا۔ اگر ہم قرآن کریم سے اس مسئلہ کا حل تلاش کریں تو ہمیں یہ آیات رہنمائی کے لئے ملتی ہیں۔

۱۔ وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِنْهُ وَقُوْلُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (النساء:۹)

''اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (دوسرے) قرابت دار اور یتیم اور مسکین (بھی) آ جائیں تو اس میں سے کچھ انہیں (بھی) دے دو اور انہیں مناسب (اور عمدہ) باتیں کہو۔''

۱۔ وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَکُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّیَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَیْهِمْ فَلْیَتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْیَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا۔ (النساء:۱۰)

''اور جو لوگ ڈرتے ہوں کہ اگر وہ اپنے بعد کمزور اولاد چھوڑ گئے تو اس کا کیا بنے گا۔ ان کو (دوسرے یتیموں کے متعلق بھی) اللہ کے ڈر سے کام لینا چاہیئے کہ وہ صاف اور سیدھی بات کہیں۔''

ان قرآنی ارشادات کی روشنی میں یتیم پوتا کسی دوسرے کی نسبت رحم کا زیادہ مستحق ہے سو اس حکم کی اطاعت کرتے ہوئے دادا کو چاہیئے کہ وہ اپنے یتیم پوتے یا پوتوں کے حق میں جائداد کے کچھ حصہ کی وصیت کر دے اور اگر ممکن ہو تو انہیں اتنا حصہ ضرور دیا جائے کہ وہ اس کی وفات کے بعد بے یار و مددگار نہ رہ جائیں اگر بالفرض دادا ان کے حق میں وصیت کرنے سے پہلے فوت ہو گیا ہو۔ یا جائداد کی مالیت کم ہو تو پھر چچاؤں کو چاہیئے کہ وہ قرآن کے ارشاد کے مطابق خدا تعالیٰ کا خوف کرتے ہوئے ان یتیموں کی گذر اوقات کے لئے ضروری انتظام کریں۔ نیز کتب علیکم الوصیۃ کے مطابق حکومت یہ قانون بنا دے کہ مستحق یتیم پوتوں کے امکان حصہ کی حد تک بہرحال دادا کی وصیت ثابت شدہ متصور ہو گی چاہے دادا کو وصیت کرنے کا موقع ملا ہو یا نہ ملا ہو۔ اس طرح سے یہ مسئلہ اپنی ہر انفرادی صورت میں باحسن وجوہ طے ہو جاتا ہے۔ یتامٰی کو باپ کا قائمقام بنا کر جائداد سے حصہ دلانے سے بعض بڑی جائداد والوں کے لئے تو شائد یہ مشکل حل ہو جائے۔ لیکن عام طور پر صرف ترکہ سے حصہ دلانے سے یتامٰی کی ضرورت پوری نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک شخص نے زوجہ، والدہ، تین بیٹے اور تین بیٹیاں زندہ چھوڑیں۔ ان کے علاوہ اس کے دو یتیم پوتے ہیں۔ جن کا والد اس کی زندگی میں ہی وفات پا گیا تھا۔ اب اگر ان یتیم پوتوں کو ان کے والد

کا قائمقام تصور کر لیں تو اس طرح اس میت کے چار بیٹے، تین بیٹیاں ، زوجہ اور والدہ وارث ہوں گی اور تقسیم یوں ہو گی۔

والدہ کا حصہ = ۱/۶

زوجہ کا حصہ = ۱/۸

باقی = ۱ - (۱/۶ + ۱/۸) = ۱ - (۴ + ۳)/۲۴ = ۱۷/۲۴

اس لئے ہر بیٹے کا حصہ = ۱۷/۲۴ × ۲/۱۱ = ۳۴/۲۶۴

ہر بیٹی کا حصہ = ۱۷/۲۴ × ۱/۱۱ = ۱۷/۲۶۴

یتیم پوتوں کے والد کا حصہ = ۳۴/۲۶۴ جس میں سے

ہر یتیم پوتے کا حصہ = ۳۴/۲۶۴ × ۱/۲ = ۱۷/۲۶۴

اب اگر دادا کی جائداد ۲۶۴۰۰ روپے مالیت کی ہو تو ہر یتیم پوتے کو

۲۶۴۰۰ × ۱۷/۲۶۴ = ۱۷۰۰ روپے ملیں گے۔

اگر دادا یتیم پوتوں کے حق میں اُن کے حالات کے مطابق وصیت کر جائے تو انہیں جائداد کے ۱/۳ حصہ کی مالیت تک ترکہ مل سکتا ہے۔ اس طرح دونوں یتیم پوتوں کو مبلغ ۲۶۴۰۰ × ۱/۳ = ۸۸۰۰ روپے تک مل سکتا ہے یعنی ہر ایک یتیم پوتے کو ۴۴۰۰ روپے جو قائم مقامی کی صورت سے بہت بہتر ہے۔ اس طریق سے یتیم پوتوں کے حقوق دادا کے ترکہ میں پوری طرح محفوظ ہو جاتے ہیں کیونکہ ترکہ وصیت کے بعد ہی ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے یتیم پوتے حصہ حاصل کریں گے پھر جوان چچا اور دوسرے وارث حصہ پائیں گے۔

مصر میں بھی ۱۹۵۰ء میں بموجودگی چچا یتیم پوتے کے وارث ہونے کا سوال قانون دانوں کے سامنے اٹھایا گیا انہوں نے اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر علماء کی ایک کمیٹی مقرر کر دی۔ علماء نے اس کے لئے اس سے ملتی جلتی تجویز پیش کی جس کے مطابق مندرجہ ذیل قانون وہاں نافذ ہوا۔

”یتیم پوتے کی صورت میں دادا کے لئے لازمی ہے کہ وہ یتیم پوتے کے حق میں اپنی جائداد کے ۱/۳ حصہ تک وصیت کر جائے۔ اگر وصیت نہ

کر سکا ہو تو متصور کر لیا جائے کہ اس نے ۱/۳ کی وصیت کر دی نیز اگر اس نے کسی وصیت کے ذریعے سے اپنے پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں وغیرہ کے علاوہ کسی اور رشتہ دار کے حق میں وصیت کی ہو تو یہ وصیت ۱/۳ حصہ ترکہ کے اس ماںقی کی حد تک پوری ہونی چاہئے۔ جو یتیم پوتے، پوتیوں اور نواسے نواسیوں کی مقدم تر قانونی وصیت کے مطابق ان کا حق ادا کرنے کے بعد بچ رہے۔''

(المواریث الاسلامیہ دفعہ ۱۳۷۔ ۱۳۸ مولفہ اطہر کامل ۱۹۵۰ء)

اسی قسم کا ایک سوال عرب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دریافت کیا تھا جو مع جواب درج کر کے حضور علیہ السّلام کی عبارت پر ہی مَیں اس کتاب کو ختم کرتا ہوں۔

بیٹوں کی موجودگی میں پوتے کو محروم الارث قرار دینے کی وجہ

عرب صاحب نے سوال کیا کہ ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا تھا کہ شریعت اسلام میں پوتے کے واسطے کوئی حصہ وصیت میں نہیں ہے ایک شخص کا پوتا اگر یتیم ہے تو جب یہ شخص مرتا ہے تو اس کے دوسرے بیٹے حصہ لیتے ہیں اور اگرچہ وہ یتیم بھی اس کے بیٹے کی اولاد ہے مگر وہ محروم رہتا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

''دادے کو اختیار ہے کہ وصیت کے وقت اپنے پوتے کو کچھ دے دیوے بلکہ جو چاہے دے دے اور باپ کے بعد وارث بیٹے قرار دیئے گئے ہیں۔ تا کہ ترتیب بھی قائم رہے اور اگر اس طرح نہ کہا جاتا تو پھر ترتیب ہرگز قائم نہ رہتی کیونکہ پھر لازم آتا ہے کہ پوتے کا بیٹا بھی وارث ہو جاوے اور پھر آگے اس کے اولاد ہو تو وہ وارث ہو۔ اس صورت میں دادے کا کیا گناہ ہے۔ یہ خدا کا قانون ہے اور اس

سے حرج نہیں ہوا کرتا ورنہ اس طرح تو ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور جس قدر سلاطین ہیں وہ بھی آدم کی اولاد ہیں تو ہم کو چاہئے کہ سب کی سلطنتوں سے حصہ بٹانے کی درخواست کریں۔ چونکہ بیٹے کی نسبت سے آگے پوتے میں جا کر کمزوری ہو جاتی ہے اور آخر ایک حد پر آ کر تو برائے نام رہ جاتا ہے خدا تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس طرح کمزوری نسل میں اور ناطہ میں ہو جاتی ہے اس لئے یہ قانون رکھا ہے ہاں ایسے سلوک اور رحم کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ایک اور قانون رکھا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے۔

واذا حضرالقسمة اوالوالقربیٰ والیتمٰی و المسکین فارزقوھم و قولوالھم قولا معروفاً (پ ۴ ع ۱۲)

(یعنی جب ایسی تقسیم کے وقت بعض خویش و اقارب موجود ہوں اور یتیم اور مساکین تو ان کو کچھ دیا کرو) تو وہ پوتا جس کا باپ مر گیا ہے وہ یتیم ہونے کے لحاظ سے زیادہ مستحق اس رحم کا ہے اور یتیم میں اور لوگ بھی شامل ہیں۔ (جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا گیا) خدا تعالیٰ نے کسی کا حق ضائع نہیں کیا مگر جیسے جیسے رشتے میں کمزوری بڑھ جاتی ہے حق کم ہوتا جاتا ہے۔''

(البدر جلد اوّل نمبر ۱۰ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء بحوالہ ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۹۷، ۲۹۸)

سرمایۂ مضمون

اس کتاب کو لکھتے وقت مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔	تفسیر صغیر	از افاضات حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
۲۔	تفسیر سورہ بقرہ	خلیفۃ المسیح الثانیؓ
۳۔	صحیح بخاری	از امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
۴۔	صحیح مسلم	از امام مسلم ابوالحسنؒ
۵۔	مشکوٰۃ مترجم (اُردو جلد دوم)	
۶۔	موطاء امام مالکؒ	
۷۔	براہین احمدیہ	مصنفہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
۸۔	ملفوظات (جلد چہارم)	حضرت مسیح موعود علیہ السلام
۹۔	اسلام کا اقتصادی نظام	از حضرت المصلح الموعود رحمہ اللہ تعالیٰ
۱۰۔	تنویر الحواشی فی توضیح السراجی	تالیف مولانا سیّد حسن صاحب مدرس دار العلوم دیو بند
۱۱۔	مفید الوارثین	مصنفہ سیّد اصغر حسین صاحب محدث دار العلوم دیو بند
۱۲۔	اسلامی قانون وراثت	تالیف ابوالافضل پیر غلام دستگیر نامی
۱۳۔	المیراث	مرتبہ رشید احمد لدھیانوی مدرس اعلیٰ دار العلوم کراچی نمبرا
۱۴۔	وراثت اسلامی	حافظ عبداللہ صاحب روپڑی
۱۵۔	پوتے کی میراث	مولانا مفتی جمیل صاحب تھانوی
۱۶۔	رسالہ محجوب الارث	نوشتہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جے راج پوری
۱۷۔	دادا کا ترکہ اور یتیم پوتا	مصنفہ ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ عالیہ احمدیہ
۱۸۔	ریویو آف ریلیجن	ماہ اگست ۱۹۴۷ء
۱۹۔	رسالہ الفرقان	۱۹۵۳ء ۔ ۱۹۵۴ء
۲۰۔	کتاب المیراث	مولوی محمد منور الدین
۲۱۔	الاسرۃ فی الشرع الاسلامی	مصنفہ عمر فروغ منور الدین

۲۲۔ اصول شرع اسلام — تالیف سرڈ نشا فرید ترجمہ مولوی مسعود علی صاحب سابق سیشن جج

۲۳۔ اصول شرع محمّدی — تالیف رائٹ آنریبل سر سید امیر علی صاحب

۲۴۔ قانونِ وراثت شرعی — سیّد عبدالسّلام۔ایم اے (انگریزی تاریخ) ایڈووکیٹ

۲۵۔ مجموعہ قوانین اسلام ہر سہ جلد — تنزیل الرحمٰن صاحب۔ایم اے۔ایل۔ایل۔بی۔ایڈووکیٹ

۲۶۔ A text book of Midwifery by johnston & Keller.

۲۷۔ Dictonary of Islam by Thomas Patrick Hughes, B.D.M.R.A.S.

۲۸۔ The Dearner's guide to the division of inheritance by Malik Bashir Ahmad.

۲۹۔ Principle and Digest of Muslim law by Shaukat Mahmood.